جشن آزادی
سالگرہ نمبر 1
شمارہ
اگست /ستمبر

ست رنگ
میگزین

سلسلے وار ناول
تیرے بن جی نہ سکے
عشق سنگ مرمر سا
بند قبا کھلنے لگی جاناں
زندگی کانچ کا کھلونا ہے

فہرست

ایڈیٹر۔علینہ ملک۔عدیلہ سلیم۔کہکشاں صابر
میگزین کمپوزر۔علینہ ملک
میگزین کورڈیزائنگ اینڈ ایڈیٹنگ۔کہکشاں صابر
میگزین ڈیزائنر۔عدیلہ سلیم

3- اداریہ......علینہ ملک
4-ست رنگ کے چاہنے والوں کے نام ہمارا پیغام

☆☆☆

مضامین۔کالم۔

5-دامن مصطفیٰ ﷺ......کہکشاں صابر
131-بچوں کی تربیت......زارا صدف قمر

☆☆☆

سلسلے وار ناول۔

29-بند قبا کھلنے لگی جاناں (قسط نمبر 7)......سعدیہ عابد
61-تیرے بن جی نہ سکے (قسط نمبر 7)......نعیم سجاد
120-زندگی کانچ کا کھلونا ہے (قسط نمبر 3)......ساریہ چوھدری
154-اک تیرے لوٹ کر آنے سے (قسط نمبر 1)......معصومہ ارشاد سولنگی

☆☆☆

افسانے۔

12-قربانی کی قربانی......راحیلہ بنت مہر علی شاہ
16- آزادی......ثناء نوشین
24-عاقبت......مونا نقوی
27-یہ تو میرا پاکستان نہیں......مونا نقوی
53-اعتبار (افسانچہ)......آمنہ نثار
54-اکیلا چاند......نبیلہ خان
89-جناح کا وارث......ڈاکٹر صبا اکبر گل
93-اے میرے دل کے چین......ساجدہ ناز
96-بوجھ......نور سیماب
99- جناح کے وارث......ش۔م۔دانش
103-میں جناح کا وارث ہوں......ہاجرہ خان
108-جناح کے وارث......حوریہ ایمان ملک
112-ہم آپ کی دیوار کے سائے......نعیم سجاد
133-شاہین اقبال سے جناح کے وارث تک......بنت باجوہ
139- کانچ کی چوڑیاں......سارا احمد
145- کچھ پل تیرے نام......راحیلہ بنت مہر علی شاہ
170-پہلا تاثر......نبیلہ خان
174-ماں......ام نسیبہ
177-رات،بارش،ٹھنڈی ہوا اور اس کی یادیں......عروشمہ خان عروش
179-دست سوال (افسانچہ)......آمنہ نثار
180-زندگی......نبیلہ خان

☆☆☆

183-انٹرویو (شخصیت) لُبنیٰ غزل......ترتیب محمد ناصر

☆☆☆

رنگ بہاراں۔

207-نظم......کتاب دوستی،سارا شبیر
208-نظم......کامران فرمان علی
209-غزل......سارا شبیر
201-غزل......ساریہ چوہدری
211-نظم......محمد ساجد
212-نظم (سالگرہ مبارک ہو)......آمنہ شاہ
213-نظم......فری رانجھا
214-غزل......رابی اقبال
215-نظم......آمنہ احد جٹ

☆☆☆

203- آپ کی رائے اور تبصرے
205- آپ کے خطوط

☆☆☆

182- کوکنگ کارنر

☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

﴿اداریہ﴾

السلام علیکم......

" نہ اٹھا جذبہ خورشید سے ایک برگ وگل تک بھی،
یہ رفعت کی تمنا ہے کہ لے اڑتی ہے شبنم کو،
پھرا کرتے ہیں مجروح الفت فکر درماں میں،
یہ زخمی آپ پیدا کر لیتے ہیں اپنے مرہم کو"

دوستو! کسی بھی نئے کام کا آغاز کرنے کے لیے کڑی محنت، لگن، خلوص کے ساتھ ساتھ مستقل مزاجی اور صبر کی بھی ضرورت ہوتی ہے.......... وہ کہتے ہیں نا کہ "یقین محکم عمل پیہم، محبت فاتح عالم "تو کامیابی ضرور قدم چومتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ الحمداللہ آج نومولود "ست رنگ میگزین" کو ایک سال مکمل ہو گیا ......وقت پر لگا کر کیسے اڑا کچھ معلوم نہیں، یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کل ہی کی بات ہو جب ہم نے ایک فیصلہ کیا تھا کہ کیوں نہ ایک ایسا میگزین بنایا جائے جہاں ہر ایک کو لکھنے کی آزادی ہو..... جہاں بڑے چھوٹے، نئے پرانے، اچھے برے کی کوئی قید نہ ہو بلکہ مقصد لوگوں کو پڑھنے اور لکھنے کی طرف راغب کرنا اور ان کے کام کی اصلاح تھا...... وہ کہتے ہیں نا کہ مقصد نیک ہو اور نیت اچھی ہو تو کامیابی ضرور قدم چومتی ہے...... آج ہم باری تعالیٰ کا ہم جتنا بھی شکر ادا کریں کم ہے کہ ست رنگ نے ایک سال کے قلیل عرصے میں آپ سب کی جو محبتیں، خلوص اور چاہتیں سمیٹیں وہ ہمارے لیے بہت انمول اور قیمتی سرمایہ ہیں......

اگست کا مہینہ آزادی کا مہینہ..... الحمداللہ وطن عزیز کو آزاد ہوئے ستر سال بیت گئے ہیں...... اور ساتھ ہی ساتھ ہمارے اور آپ سب کے ہر دلعزیز ست رنگ کی سالگرہ کا مہینہ بھی ہے اسی لئے ہم حاضر ہوئے ہیں سالگرہ نمبر اور آزادی اسپیشل کے ساتھ امید کرتے ہیں میگزین آپ سب کو ہمیشہ کی طرح پسند آئے گا میگزین کی کامیابی جہاں ہماری محنت اور کاوش کا نتیجہ ہے وہیں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ست رنگ کو کامیاب بنانے اور لوگوں تک پہنچانے میں ہمارے کچھ پر خلوص اور مخلص ساتھیوں اور مصنفین کا بھی ہاتھ ہے اور آج اس خاص موقع پر ہم ان سب دوستوں اور ساتھیوں کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ جن کی قیمتی آرا اور رہنمائی قدم بقدم ہمارے ساتھ رہی آپ سب کی محبتوں کے ہم مقروض رہیں گے......

اللہ پاک سے دعا ہے کہ وہ ہمارا اور آپ کا ساتھ اسی طرح قائم رکھے اور ہمارے پیارے وطن کو ترقی، خوشحالی، استحکام اور سلامتی عطا فرمائے آمین..........

آخر میں بزبان اقبال بس اتنا کہوں گی......

"محبت کے شرر سے دل سراپا نور ہوتا ہے
ذرا سے بیج سے پیدا ریاض طور ہوتا ہے"

خوش رہیئے اور دوسروں میں بھی خوشیاں بانٹتے رہیئے......
دعا گو......

☆ علینہ ملک ☆

ے

ست رنگ کے چاہنے والوں کے نام

اسلام علیکم :

بارش کی چند بوندیں سورج کی موجودگی میں زمین کے دامن کو چوم کر جب انگڑائی لیتی ہے تو قوس قزح کے ست رنگ آسمان کو دلکش رنگوں سے منور کر دیتے ہیں ...... چپکے سے محبت وجذبات کی پریاں ان پر جھولے ڈال کر جھولے لیتی ہے اور اپنا الگ الگ رنگ آسمان کی نظر کر کے اڑ جاتی ہیں ......

ست رنگ میگزین بھی بالکل ایسا ہی ہے جب اس کا نام میں نے سوچا تھا تب بس یہی دل ودماغ میں محو تھا کہ سب نئی پریاں مطلب نئے لکھاری اس کو اپنے رنگوں سے سجا کر اس کے رنگوں کو گہرا کر دیں گے جو ان کی پہچان کے ساتھ آسمان پر سجے ادب کے پہلے سے سمتیں مقرر کیے قافلے میں اپنا جھنڈا بھی لہرا سکے

یہ چھوٹی سی سوچ اور ہم تین دوستوں علینہ ملک ۔عدیلہ سلیم اور میں کہکشاں صابر کا ساتھ ......مل کر صرف چند لائنز ہی لگا پائے تھے ......

لیکن آپ سب لکھاریوں کے تعاون سے مختلف رنگ محبت اور خلوص سے ہر ماہ گہرے ہوتے گئے ......

اور اب ایک سال بعد یہ پورے آب تاب کے ساتھ ادب کی دنیا میں اپنے ست رنگ کے ساتھ ایک اپنی الگ مثال اور الگ پہچان رکھتا ہے ......

اللہ تعالی اور حضرت محمد ﷺ کا کرم واحسان ہے کہ جس نے یہ عزت ہم کو بخشی ،ایک سال تک کبھی بھی کسی نے یہ نہیں کہا کہ اب بند کر و یہ سب ...... دو آنسوؤں کے ساتھ یہ نعت کے دو اشعار لکھے دیتی ہوں ......

کرم ہی کرتے رہے ۔سایہ کرم رکھا
کرم ہی کرتے رہے ۔سایہ کرم رکھا
کہاں کہاں ناں میرا آپ ﷺ نے بھرم رکھا

جزاک اللہ خیر ......

ایڈیٹر: کہکشاں صابر

☆......☆......☆

السلام علیکم ....

"ست رنگ میگزین" کے تمام چاہنے والوں کو جشن آزادی اور "ست رنگ میگزین کا ایک سال مکمل ہونے پر ڈھیروں مبارکباد اور دعائیں ....

ست رنگ میگزین وہ ننھا پودا ہے جو آج سے ایک سال پہلے ہم تینوں دوستو نے مل کر لگایا تھا اور جو ہماری اور آپ سب کی لگن، محنت اور محبت کی بدولت آج ایک سال کا ہو گیا ہے......اللہ پاک کا جتنا بھی شکر ادا کریں وہ کم ہے کہ اس نے ہمیں اس قابل بنایا کہ ہم اتنی بڑی ذمہ داری نبھا سکیں۔

اللہ پاک سے دعا ہے کہ وہ ست رنگ کو بہت کامیابی اور بلندی عطا فرمائے اور ہم رہے نہ رہیں یہ کارواں اسی طرح ہاتھوں میں رہنمائی کی مشعل تھامے تا قیامت چلتا رہے ست رنگ یوں ہی فلک پر جگمگاتا رہے............

دائم آباد رہے گی دنیا　　ہم نہ ہوں گے کوئی ہم سا ہو گا

دعا گو: علینہ ملک

☆......☆......☆

السلام علیکم......

آپ کی پُر خلوص رفاقتوں میں ایک سال مکمل ہوا۔اللہ تعالی کے فضل و کرم اور اس کی عنایتوں کے باعث ست رنگ میگزین کا سالگرہ نمبر پیشِ خدمت ہے۔

میگزین پبلش کرتے ہوئے ذہن میں ایک مقصد تھا کہ سب کا فارغ وقت میں دل بہلانے کا ذریعہ نہ ہو بلکہ زندگی کے مشکل راستوں پر ان کی رہنمائی بھی کرے۔ست رنگ میگزین کی خوش نصیبی ہے کہ اسے اول روز سے ہی بہترین مصنفین کا تعاون حاصل رہا۔میں تمام مصنفین کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔جن کی بہترین تحریروں نے میگزین کی زیب و زینت میں اضافہ کیا۔

ہم اپنے قارئین کے تہہ دل سے مشکور ہیں کہ انہوں نے ہمیں سراہا اور اس طرح ہم تین دوستوں نے آپ کی ہر رائے پر توجہ دی۔تا کہ آپ کو ہر لحاظ سے خوبصورت اور منفرد میگزین آپ کی خدمت میں پیش کر سکے۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالی ہمیں ہمت و حوصلہ عطا کریں کہ ہم ست رنگ میگزین کے اس معیار کو ہمیشہ قائم رکھ سکیں اور آپ کی محبتیں اور تعاون ہمیشہ ہمارے ساتھ رہے۔

آمین

ایڈیٹر: عدیلہ سلیم

☆......☆......☆

☆دامن مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم☆

از کہکشاں صابر

اللہ تعالی نے موسی کلیم اللہ علیہ الصلوۃ والسلام پر وحی بھیجی:

فرمایا: "اے پیارے کلیم! اگر دنیا میں میری حمد کرنے والے نہ ہوتے تو میں بارش کا ایک قطرہ بھی آسمان سے نازل نہ کرتا اور نہ ہی زمین سے ایک دانہ تک پیدا ہوتا اور بھی بہت سی چیزیں ذکر فرمائیں یہاں تک کہ فرمایا اے میرے پیارے نبی! کیا آپ چاہتے ہیں کہ میرا قرب آپ کو نصیب ہو جیسے آپ کے کلام کو آپ کی زبان کے ساتھ قرب ہے، اور جیسے آپ کے دل کے خطرات کو آپ کے دل کے ساتھ قرب حاصل ہے، اور جیسا کہ آپ کی جان کو آپ کی جسم کے ساتھ قرب ہے اور جیسا کہ آپ کی نظر کو آپ کی آنکھ سے قرب ہے"

موسی کلیم اللہ علیہ الصلوۃ السلام نے عرض کی" ہاں! یا اللہ پاک میں ایسا قرب چاہتا ہوں

تو اللہ تعالی نے فرمایا: اگر تو یہ چاہتا ہے تو میرے حبیب محمد مصطفے صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم پر درود پاک کی کثرت کرو (القول البدیع:۱۳۲)(سعادالدارین ۸۷)

درود پاک: صلی اللہ تعالی علی حبیبہ سیدنا محمد والہ وسلم

☆☆☆

اللہ تبارک وتعالی نے ہر انسان کو عقل وفہیم کی ایک بہت ہی خوبصورت اور بڑی خوبی عنایت کی ہیں جس سے انسان چاہے تو دنیا و آخرت فتح کرلے اور جیسے کہ اللہ پاک نے موسی کلیم اللہ الصلوۃ والسلام کو اپنے قرب کی نشانیاں بیان کی ہے کہ درود پاک کی کثرت وہ میٹھا ثمر ہے جو انسان کے منہ اگر گھل

جائیں تو اس کے سامنے ہر میٹھاس ہیچ ہو جاتی ہے۔لذت ہی لذت ہے جو دنیا و آخرت کے ہر معاملے کو میٹھا کر دیتی ہے پھر عقل و فہیم رکھنے والا انسان کہی اور منہ مارے تو وہ بیوقوف اور جاہل ہی ہوگا جو درود پاک کی برکات کو چھوڑ کر۔حضور پاک محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم کے در کو چھوڑ کر جنگلوں اور صحروں میں بھٹکے گا۔اسی طرح اللہ تعالی نے موسیٰ کلیم اللہ کی طرف ایک اور وحی بھیجی۔

"اے موسیٰ! کیا آپ چاہتے ہیں کہ آپ کو قیامت کے دن پیاس نہ لگے؟

عرض کی ہاں یا اللہ پاک!

تو ارشاد باری ہوا:

اے پیارے کلیم میرے حبیب صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم پر درود پاک کی کثرت کر۔"

حدیث:10

رسول کریم صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم نے فرمایا:

قیامت کے دن میرے حوض کوثر پر کچھ گروہ وردادھوں گے۔جن کو میں انہیں دنیا میں درود پاک کی کثرت کی وجہ سے پہچانتا ہوں گا۔

درود پاک: الحمد اللہ رب العالمین و صلی اللہ تعالی علی حبیبہ محمد و الہ و اصحابہ وسلم

اے میرے مسلمان بہنوں بھائیوں۔اس وقت کو یاد کرو جب سورج بالکل ہی قریب ہوگا زمین دہکتے ہوئے کوئلے کی طرح تپ رہی ہوگی سر چھپانے کو جگہ نہ ہوگی,پینے کو پانی نہ ہوگا انسان کو اپنا ہی پسینہ لگام کی طرح منہ تک چڑھا ہوگا پھر وہاں ہمارے پیارے آقا اللہ کے پیارے محبوب حبیب مصطفےٰ صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم, اللہ تعالی کے حکم سے حوص کوثر پر اپ اپنے امتیوں کو پانی پلاتے ہوں گے وہاں پر دنیا

میں کثرت سے درود پاک پڑھنے والوں پر خاص عنایت ہو گی، جیسے اللہ ھو واحد لاشریک نے فرمایا۔ جیسے حضرت محمد مصطفے صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم نے فرمایا۔ امت کے ولی دور سے ہی دیکھ کر درود پاک پڑھنے والوں کو بلائیں گے۔۔۔آ ؤ۔۔۔آ ؤ

انا اعطینک الکوثر۔۔۔۔۔۔۔۔۔سارے کثرت پاتے یہ ہیں

ماں جب اکلوتے کو چھوڑے۔۔۔آ آ کر بلاتے یہ ہیں

باپ جہاں بیٹے سے بھاگے۔۔۔۔۔لطف وہاں فرماتے یہ ہیں

ٹھنڈا ٹھنڈا۔ میٹھا میٹھا۔۔۔پیتے ہم ہے پلاتے یہ ہیں

جلدی جلدی آ ؤ میں شفیق امت تمھارے انتظار میں کھڑا ہوں آ ؤ حوض کوثر سے ٹھنڈا ٹھنڈا میٹھا پانی پیو، یہ وہ حوض کوثر ہے جس نے ایک گھونٹ پی لیا وہ پھر کبھی پیاسا نہ ہو گا۔

درود پاک: صلی اللہ تعالی علی حبیبہ سیدنا محمد والہ وسلم

سبحان اللہ۔۔جس خوش نصیب کو حوض کوثر سے پانی کا گھونٹ مل گیا قیامت کی گرمی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تو پھر دنیا کی گرمی کس شمار میں ہے۔

حضرت شیخ ابو عبداللہ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔

ایک دفعہ جب میں حج کرنے گیا تو وہاں مجھے ایک آدمی ملا اس نے بیان کیا کہ مجھے پیاس کبھی نہیں لگتی اور میں پانی نہیں پیتا۔ میں نے وجہ دریافت کی تو اس نے کہا ہاں اس کا سبب میں آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں، پھر بتایا کہ میں اہل حلہ سے ہوں اور اس سے پہلے میری عقیدت حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ اور اس سے پہلے میری عقیدت حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم کے صحابہ کرام رضی تعالی عنہم کے

ساتھ نہیں تھی ۔ میں ایک رات سویا تو خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہے اور لوگ نہایت پریشانی اور کرب میں سرگرداں ہیں, شدت پیاس میں مبتلا ہیں ۔ مجھے بھی بے حد پیاس لگی تھی لوگ اک طرف جا رہے تھے میں بھی ادھر کو چل دیا۔ آگے بڑھا تو دیکھا حوض کوثر آ گیا اس کے چاروں کونوں پر آصحابہ کرام بیٹھیں ہوئے ہیں ایک کونے پر صدیق اکبر رضی تعالیٰ عنہم ہیں ۔ دوسرے پر حضرت فاروق اعظم رضی تعالیٰ عنہم ہیں تیسرے پر حضرت عثمان ذوالنورین رضی تعالیٰ عنہم ہیں اور چوتھے پر حیدر کرار حضرت علی رضی تعالیٰ عنہم ہیں اور وہ لوگوں کو پانی پلا رہے ہیں ۔

میں نے سوچا مجھے دوسروں سے کیا غرض میں تو اپنے علی رضی تعالیٰ عنہم سے پانی پیوں گا ۔ کیونکہ میری ساری عقیدت و محبت انہیں سے ہے جب میں حیدار کرار کے سامنے حاضر ہوا تو آپ نے مجھے ایک نظر دیکھا اور میری طرف سے چہرہ مبارک دوسری طرف پھیر لیا ۔

پھر میں مجبوری کی حالت میں بادل نخواستہ حضرت صدیق اکبر رضی تعالیٰ عنہم کے پاس آیا ۔ آپ نے بھی چہرہ انور دوسری طرف پھیر لیا ۔

پھر حضرت فاروق اعظم رضی تعالیٰ عنہم کے پاس حاضر ہوا ۔ انھوں نے بھی ایسا ہی کیا ۔ پھر حضرت عثمان ذوالنورین رضی تعالیٰ عنہم کے پاس حاضر ہوا تو انھوں نے بھی میرے ساتھ یہی سلوک کیا ۔ پھر جب میں ہر طرف سے ناکام و مایوس ہوکر پریشانی کے عالم میں ادھر ادھر دیکھنے لگا تو مجھے سرور عالم محسن اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نظر آ گئے جو کہ اپنی امت کو حوض کوثر کی طرف بھیج رہے تھے میں بھی حاضر خدمت ہو گیا اور عرض کی یا رسول اللہ صلی تعالیٰ علیہ والہ وسلم ! مجھے سخت پیاس لگی ہوئی ہے ،اور مولا علی رضی تعالیٰ عنہم کے ہاں حاضر ہوا تھا کہ مجھے پانی پلائیں مگر انھوں نے مجھ سے اپنا چہرہ ہی پھیر لیا ۔ اسی طرح حضرت عمر فاروق اعظم رضی تعالیٰ عنہم ۔ صدیق اکبر رضی تعالیٰ عنہم اور عثمان غنی رضی تعالیٰ عنہم نے میری طرف توجہ نہیں کی ۔

یہ سن کر رسول اکرم صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم نے فرمایا:

کہ میرے پیارے علی رضی تعالی عنہم تجھے پانی کیوں پلاتے جبکہ تیرے سینے میں میرے صحابہ کرام کا بغض موجود ہے۔

اس جواب پر میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم اگر میں توبہ کرلوں تو پھر؟

اس گزارش پر رسول کریم صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم نے فرمایا:

ہاں اگر تو توبہ کرلے اور مسلمان ہو جائے تو میں تجھے حوض کوثر کا پانی پلاؤں گا جس کے بعد تو کبھی پیاسا نہ ہوگا۔

تو میں نے رسول اکرم صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم کے دست شفقت پر توبہ کی اور اسلام قبول کیا پھر امت کے ولی حضرت محمد صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم مجھے حوض کوثر پر لائے اور اپنے دست کرم سے مجھے جام کوثر عطا فرمایا، جس سے میں سیراب ہو گیا اور اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی بعد ازاں پھر مجھے کبھی پیاس نہیں لگی۔ پھر میں اپنے اہل وعیال کے پاس گیا اور سب سے بیزاری ظاہر کردی سوائے ان احباب کے جنہوں نے سن کر توبہ کرلی اور اس نظریے سے رجوع کیا (شواھد الحق فی استغاشتہ بسید الخلق)

درود پاک: صلی اللہ تعالی علی حبیبہ سیدنا محمد والہ وسلم

اس واقعہ کی تصدیق وتائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس کو حضرت انس رضی تعالی عنہ نے روایات کیا

حدیث: 11

رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم نے فرمایا:

میرے حوض کوثر کے چار رکن ہیں

ایک رکن میرے پیارے ابوبکر رضی تعالیٰ عنہم کے قبضہ میں ہوگا۔

دوسرا میرے فاروق اعظم رضی تعالیٰ عنہم کے قبضہ میں۔

تیسرا میرے پیارے عثمان غنی رضی تعالیٰ عنہم کے قبضہ میں

اور چوتھا رکن میرے پیارے علی رضی تعالیٰ عنہم کے قبضہ میں ہوگا۔

لہذا جو شخص حضرت ابوبکر رضی تعالیٰ عنہم سے تو محبت کرے اور عمر فاروق رضی تعالیٰ عنہم سے بغض رکھے اسے ابوبکر رضی تعال عنہم پانی نہیں پلائیں گے اور جو عمر فاروق رضی تعالیٰ عنہم سے محبت رکھے اور حضرت ابوبکر رضی تعالیٰ عنہم سے بغض رکھے اسے عمر فاروق رضی تعالیٰ عنہم پانی نہیں پینے دے گے،

اور جو حضرت عثمان رضی تعالیٰ عنہم سے محبت کرے اور حضرت علی رضی تعالیٰ عنہم سے بغض رکھے اسے حضرت عثمان رضی تعالیٰ عنہم پانی نہیں دیں گے،اور جو حضرت علی رضی تعالیٰ عنہم سے محبت رکھے اور حضرت عثمان رضی تعالیٰ عنہم سے بغض رکھے اسے حضرت علی رضی تعالیٰ عنہم پانی ہرگز نہیں پلائیں گے۔

درود پاک :صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ سیدنا محمد والہ وسلم

جس نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں اچھی بات کہی،اس نے اپنا دین درست کرلیا،اور جس نے حضرت عمر رضی تعالیٰ عنہم کے بارے میں اچھی بات کہی۔اس کا راستہ واضح ہوگیا اور جس نے حضرت عثمان رضی تعالیٰ عنہم کے بارے میں اچھی بات کہی۔اللہ تعالیٰ کے نور سے منور ہوگیا ۔اور جس نے حضرت علی رضی تعالیٰ عنہم کے حق میں اچھی بات کہی۔گویا اس نے مضبوط کڑا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں ہے۔اور جس نے میرے صحابہ کرام کے بارے میں اچھی بات کہی وہ مومن ہے۔

سبحان اللہ

درود پاک :صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ سیدنا محمد والہ وسلم

(جاری ہے)

نوٹ : (یہ سب احادیث مفتی محمد آمین صاحب کی مشہور زمانہ کتاب "آب کوثر" سے ماخذ ہے)
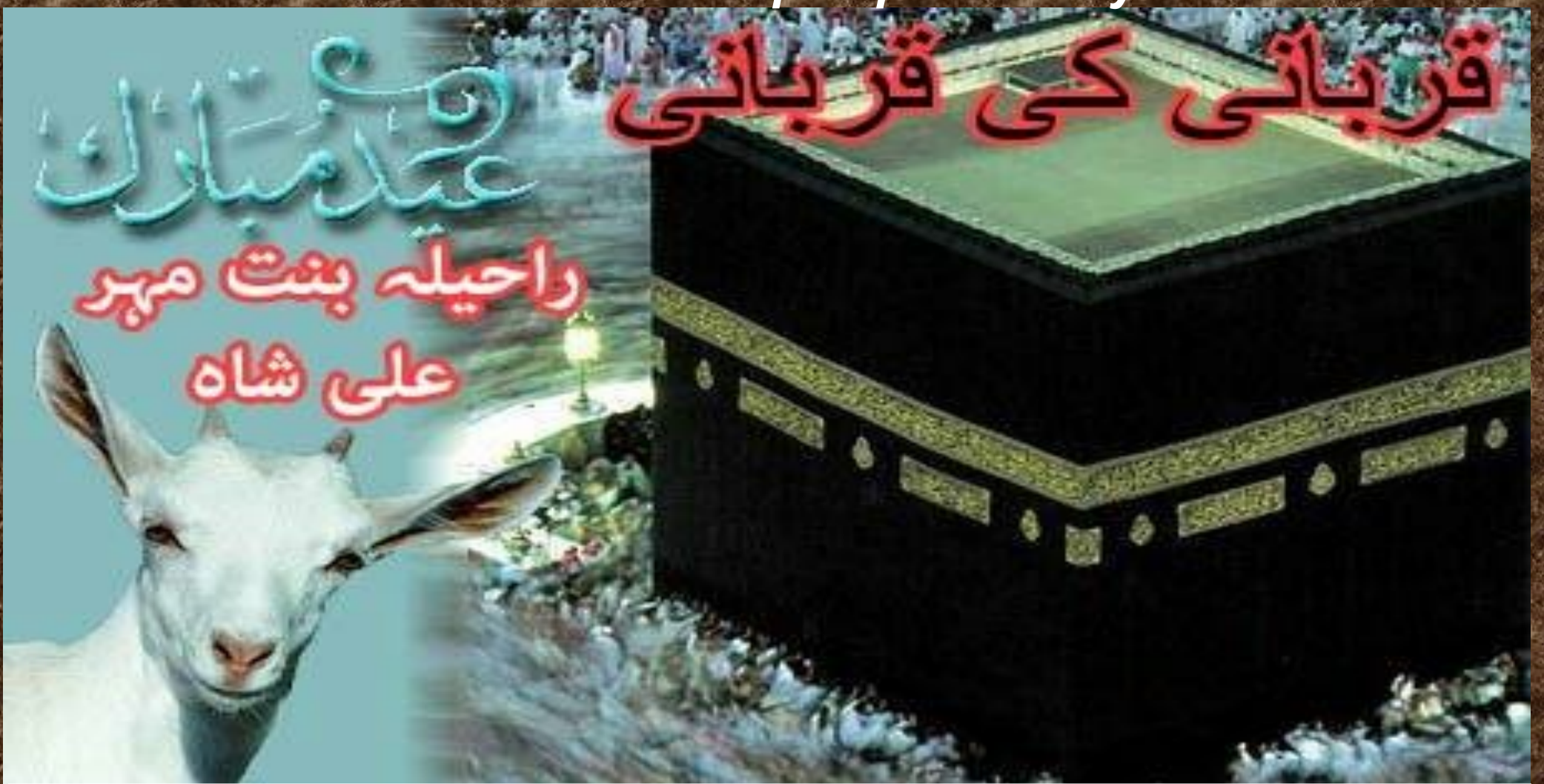
افسانہ☆قربانی کی قربانی☆

تحریر: راحیلہ بنت مہر علی شاہ۔ ٹانک

اس بار میرا ارادہ ڈیپ فریزر کا ہے......آمنہ بیگم نے صحن میں رکھے چارپائی پر بیٹھتے ہوئے کہا......کیوں اس بار پورے محلے کے بکرے آپ نے سلانے ہیں کیا!!! لاریب کی زبان ماں کی بات پر پھسلی اور ہمیشہ کی طرح غلط وقت پر پھسلی..........آمنہ نے ایک سخت قسم کی گھوری سے نوازا...........عقل نام کو نہیں تم میں بکرے کوئی سلاتے ہیں اور اپنی چونچ زرا کم کھولا کرو کیونکہ جب بھی کھلتی ہے تو ہمیشہ غلط بات ہی نکلتی ہے اس سے...........آمنہ نے گھر کا......

ہاں اور آپ تو جیسے ہمیشہ صحیح ہی فرماتی ہیں نا!!! اب یہ آپ جو ہر سال قربانی کی بخیں ادھیڑ کر رکھ دیتی ہیں اس میں بھی میری چونچ کا کمال ہوتا ہے..........پورے محلے کے لوگ لفافے بھر بھر کر دیتے ہیں اور جب لے کر جاتے ہیں تو ایک نظر آپ پر اور ایک نظر گوشت پر!!!

اب کوئی پاگل تو ہے نہیں جو یہ نہ سمجھتا ہو کہ گوشت کم کیوں ہے؟ منہ کے زاویے بگڑ کر بولی......

لیکن گوشت رکھنے کی اتنی اچھی اسامی تو وہ ہاتھ سے جانے سے رہے سو اگلی بار بھی خوشی خوشی لفافے تھما دیتے ہیں!!! اس نے بھی ماں کے پردے فاش کرنے کا تہیہ کر رکھا تھا......

ہاں تو گوشت رکھتی ہوں ان کا خیال رکھتی ہوں بل آتا ہے بجلی کا کوئی تیرا باپ بجلی گھر کا نوکر نہیں جو بجلی مفت ہو......اور فریزر ہوتے ہی گوشت کیلئے ہیں......اب زیادہ بک بک نہ کرو جاؤ کوئی کام کرلو......واہ واہ کیا بات کہی ہے بجلی کے بل کی ماں مجھے پتہ ہے میرا باپ بجلی گھر کا نوکر نہ ہوتے ہوئے بھی، میرے گھر بل ویسے نہیں آتا جیسے آنا چاہیئے اب میرا منہ نہ ہی کھلواؤ تو بہتر ہے......کیونکہ ساری سرگرمی جو آپ سرانجام دیتی ہیں تیری بیٹی سے ہرگز پوشیدہ نہیں..........اور جہاں تک فریزر کی بات ہے تو آج مجھے

یقین واسق ہوگیا ہے............پاکستان ترقی کیوں نہیں کرسکتا لاریب نے ماں کے پول کرر کھ دیئے ساتھ میں اپنا تجزیہ بھی پیش کر دیا......آمنہ کی تلو پر لگی......آں ہاں محترمہ یہ فرمانہ پسند فرمائی گی کہ اس بات پر آپ کا پاکستان کیوں ترقی نہیں کررہا!!!!!چبا چبا کر پوچھا گیا............کیونکہ جس ملک میں فریزر صرف گوشت کیلیئے استعمال کریں قربانی کو قربانی نہ سمجھیں وہاں ترقی نے کیا خاک چھاننے کیلیئے آنا ہے ......منہ بنا کر جواب آیا......کیسے قینچی کی طرح چلتی ہے زبان ارے جہاں تجھ جیسے نکمے کاہل ہوتے ہیں وہاں نہیں آتی ترقی بس سارا دن موئے ڈائجسٹ ہوتے ہیں اور یہ موصوفہ پھر بات کرتی ہیں ترقی کی ہنہ ......افففف ماں کیا دشمنی ہے میرے بے زبان معصوم ڈائجسٹوں سے گھما پھرا بات کو وہیں لے جاتی ہو ......اُفف ہٹ جا میرے رستے سے ورنہ تیرا ایسا حشر کروں ایسا حشر کروں گی کہ پورے محلے میں نشر ہو جاؤ گی......آمنہ بیگم کی برداشت جواب دینے لگی۔

شوق سے حشر نشر کرنا یہ بات بھی آپ کے گلے پڑے گی آپ کی گنوں والی بیٹی کا کوئی رشتہ نہیں آئے گا،اس نے لاپروائی سے کہا۔

اسی لمحے آمنہ بیگم نے اعتراف کرلیا کہ،اگر وہ ماں ہے اس کی تو وہ بھی بیٹی ہے یعنی اس سے ایک ہاتھ آگے سو چھپ رہنے میں ہی عافیت سمجھی......

ماں میری پیاری ماں میری ایک بات مان لو نا!!وہ ایک دم ٹون بدل کر بڑے پیار اور لجاجت سے بولی !!!!آمنہ نے تھیکی چتوں گھورا......

مطلب کی بات کروزیادہ مکھن لگانے کی ضرورت نہیں ابھی کچھ ہی دیر پہلے اپنے بارے میں تیرے نادر خیالات جان چکی ہوں......آپ میری ماں میری جنت ہو!!!میں آپ کو دکھ پہنچانے کا تصور بھی نہیں کرسکتی ماں!!!میں آپنی جنت کو اپنی ہاتھوں سے کیسے تباہ کرسکتی ہوں!!مجھے ہر شے سے عزیز ہو میری پیاری ماں مجھے تیرے سوا کوئی چیز بھی نہیں چاہئے............کیونکہ میرا ایمان ہے کہ جس کے پاس ماں

ہے وہ دنیا کا امیر ترین شخص ہے اور جس کے پاس نہیں تو وہ کچھ بھی نہیں مجھے طوفانوں سے ڈر نہیں لگتا مجھے دنیا کے امتحانوں سے بھی ڈر نہیں لگتا پتہ ہے کیوں ماں؟ کیونکہ میرے ساتھ میری ماں کی دعائیں ہیں اور جس کے پاس ماں کی دعا ہو اسے کونسا طوفان بہا سکتا ہے!!!! وہ اتنے میٹھے اور ماں کیلئے عظمت سے بول رہی تھی کہ آمنہ بیگم چاہ کر بھی آنسو نہ روک پائی......کیا کہنا ہے آج تجھے اجازت ہے کہنے کی کیونکہ مجھے پتہ ہے کہ تم نے جو کہا ہے وہ مسکا نہیں ہے وہ مبالغہ آرائی بھی نہیں ہے وہ ایک بیٹی کی محبت ہے اور اس محبت کے صدقے جو کہنا ہے کہو آمنہ نے کھلے دل سے اجازت دی......وہ خوش ہوئی بے حد اسے لگا"" آج اس کی ماں ضرور اس کی بات مان لے گی......آج وہ اپنی جنت کو دوزخ نہیں بننے دی گی ہر قیمت پر اسے بچائی گی......کیونکہ وہ اس کی جنت تھی......ماں آپ کو پتہ ہے نا قربانی کیوں ہوتی ہے......ہاں یہ بھی کوئی بات ہے مجھے کیوں نہیں پتہ اللہ بخشے میری نانی اماں کو وہ فرماتی تھی کہ ہاں ماں وہ بات مجھے ازبر ہے وہ جلدی سے بولی کیونکہ اسے پتہ تھا اگر نانی اماں کے فرمان بیان ہونا شروع ہوئے تو جو بات وہ کرنا چاہتی تھی اس کیلئے اگلے بکر عید کا انتظار کرنا ہوگا......اور وہ یہ نہیں چاہتی تھی......سو جلدی سے بات کاٹ کر بولی......تو ماں یہ بھی پتہ ہوگا کہ قربانی کے گوشت کا کیا کرنا ہے......!!وہ بولی ہاں اور نہیں تو کیا گوشت کوئی پہننے کی چیز تو ہے نہیں کھانے کے لئے ہے اب کی بار آمنہ بیگم زرا بےزاری سے بولی..........نہیں ماں کھانے کی چیز تو ہے لیکن اس پر حق صرف ہمارا نہیں ہوتا!!! بلکہ گوشت کے تین حصے کرنے ہیں یہ جو ہمارے اردگرد غریب مسکین لوگ رہتے ہیں......جنہیں سال میں بھی گوشت کھانا نصیب نہیں ہوتا..........ان کا حصہ ہے اور اپنوں کا بھی....................قربانی اس لئے نہیں ہوتی کہ آپ اسے ڈیپ فریزر میں رکھ دیں..........اور مہینوں نوش فرمائیں......

امی کتنا خوبصورت نام ہے قربانی!! لیکن سوچیں کہ قربانی تو تب ہوتی جب ہم واقعی قربانی کرتے......ہم تو قربانی نہیں کرتے بلکہ اپنے کھانے کا سامان کرتے ہیں..........اپنے پیٹ کا دوزخ بھرتے ہیں

ان لوگوں کو بھول جاتے ہیں.........جو آس میں بیٹھے ہوتے ہیں کہ آج قربانی کے دن اسے بھی کچھ اچھا کھانے کو مل جائے......

ایک دن ہی سہی دال سے جان چوٹ جائے......اور ہم ان کے آس کو آس ہی رہنے دیتے ہیں ......سال بھر کی ایک چھوٹی سی خوشی بھی ان سے چھین لیتے ہیں......ماں کیا ان کا اتنا بھی حق نہیں؟ لیکن صرف ہم تو نہیں کرتے ایسا سب کرتے ہیں......آمنہ دھیمے سے بولی......

بے شک کریں لیکن ہم کیوں نا بارش کا پہلا قطرہ بن جائیں اور ویسے بھی......ہم نے آپنے اعمال کا خود جواب دے ہونا ہے......ہم یہ عذر پیش نہیں کر سکتے اپنے رب کے سامنے کہ سب ایسا کرتے تھے......سو میری بات مان لو میری ماں کیونکہ میں تمہیں غلط نہیں دیکھ سکتی میں تمہیں انجان بے نام و بے نشان منزلوں کا باسی نہیں بنا سکتی......کیونکہ آپ میری جنت ہو اور آپنی جنت کو کوئی دوزخ بنتے کیسے دیکھ سکتا ہے ....اللہ کے واسطے امی وہ پرنم لہجے میں بولی اور آمنہ بیگم وہ سکتے میں چلی گئی......ان کی بیٹی نے یہ کیا کہا کیسی آزمائش میں ڈال دیا..........کس کو بیچ میں لائی اللہ کو جو سب سے معتبر ہے جس کے بعد سارے الفاظ بے معنی......اس نے کس کا واسطہ دیا!!!......وہ حرکت نہیں کر سکی......مزاحمت کے دو لفظ بھی نہیں بول سکی کیونکہ اس میں سکت نہیں رہی......اور پھر جب بڑی دیر بعد وہ کچھ کہنے کی قابل ہوئی حرکت کے قابل ہوئی تو لاریب نے خود کو پرسکون ہوتا محسوس کیا اسے ایسا لگا جیسے بھاری پتھر دل و دماغ سے ہٹ گئے ہیں......وہ خوش ہوئی بے تحاشہ کیونکہ ان کی جنت جنت رہی......وہ دوزخ نہیں بنی......شکریہ میری ماں آپ نے میری بات مانی......قربانی کو قربانی سمجھ لیا شکریہ بہت شکریہ ماں کے گلے سے لگے لاریب کہہ رہی تھی......اور آمنہ بیگم نے اس سے پہلے خود کو اتنا پرسکون محسوس نہیں کیا تھا......

☆......☆......☆

افسانہ☆آزادی☆

ثنانوشین:ڈیرہ اسماعیل خان

لاہور اسٹیشن پر گاڑی رکی۔۔۔۔ذلیخا جھریوں بھرے چہرے سے ندیدوں کی طرح پاک سرزمین پر آتے جاتے لوگوں کو دیکھ رہی تھی۔اسکی آنکھوں میں وہ منظر گھومنے لگا جب رام داس پیشنگوئیاں کرتا تھا۔کہ پاکستان کبھی اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہو پائے گا۔دو چار سالوں میں پاکستان ناکام ہو کر دوبارہ ہندوستان کی جھولی میں آن گرے گا تب ذلیخا اس کے چوڑے سینے پر مکا برسا برسا کر نڈھال ہو جاتی۔نہیں ایسا کبھی نہیں ہوگا اور آج تقریباً 70 سال بعد اس پاک سرزمین کو دیکھ کر اس کے روم روم میں توانائی سی بھر گئی۔

آج سے ستر سال قبل کی بات ہے کہ امیر دین کی سات بیٹیاں اور ایک بیٹا رحمت تھے۔ثمرین 'پروین 'نورین 'شاہین 'نوشین 'عنبرین اور ذلیخا بیٹیوں کے نام تھے۔امیر دین خود تو ان پڑھ تھا مگر وہ جانتا تھا ہندو تعلیم 'تجارت اور ہر شعبہ ہائے میں ہندوؤں سے پیچھے ہیں کیونکہ ہندو تعلیم کی اہمیت سے واقف تھے اور مسلمانوں کے بارے میں انگریزوں کا خیال تھا کہ وہ مسلمان جو تعلیم اور کاروبار میں ہندوؤں سے پیچھے ہیں وہ ایک علیحدہ وطن کس طرح تخلیق کرینگے۔گر کر بھی لے لیا تو اس کی بھاگ دوڑ کیسے سنبھالیں گے اور اس لئے وہ اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو تعلیم دلوانا چاہتا تھا۔اس کی خواہش تھی کہ رحمت پڑھ لکھ کر ڈاکٹر بنے۔

جب تحریک پاکستان چلی امیر دین اپنے پانچ سالہ بیٹے رحمت کو ساتھ لیکر آگے آگے ہوتا۔امیر دین کی بیٹیاں کب پیچھے رہنے والی تھیں وہ بھی تحریک آزادی کے مضامین ساری ساری رات ہاتھوں سے لکھتیں تھیں کیونکہ اس زمانے میں پرنٹنگ مشین اتنی عام نہ تھی اور تحریک آزادی کے مضامین چھپوانے

میں بہت رسک تھا اس لئے یہ خواتین گھر پر مردوں کی مدد کرتیں۔ ذلیخا کا کام گوند' سیاہی' کاغذ مضمون مردوں سے عورتوں تک اور عورتوں سے مردوں تک پہنچانا تھا۔

امیر دین کہتا پاکستان ایک چھتری کی مانند ہے جو ہمیں سایہ فراہم کرے گا۔ چھت کی مانند دنیا کے سرد و گرم موسم سے محفوظ رکھے گا تب ذلیخا امیر سے پوچھتی ابا جان پاکستان بن تو جائے گا نا! ۔تب امیر دین کی آواز میں یقین ہوتا ہاں پتر بن کر رہے گا پاکستان ۔ لے کر رہیں گے پاکستان ۔ہم اس کیلئے کوئی بھی قربانی دینے سے گریز نہیں کرینگے۔

14 اگست 1947ء کو آل انڈیا ریڈیو پر اعلان ہوا کہ پاکستان تخلیق پا چکا ہے۔ پاکستان بن گیا ہے۔

رحمت...... رحمت...... ذلیخا...... ثمرین...... پتر جلدی آ ؤ۔امیر دین خوشی سے چیختا ہوا گھر میں داخل ہوا کہ پاکستان بن گیا ہے۔ پتر پاکستان بن گیا ہے۔ ہمارا پاکستان۔

گھر میں موجود واحد بکری کو حلال کر کے رات میں دعوت کا اہتمام کیا گیا۔ تمام رات مہمان خانے سے ابا جان کے قہقوں کی آوازیں آتی رہیں۔ مانو کوئی خزانہ ہاتھ لگ گیا ہے۔ اگلی صبح ابا جان نے ضروری سامان پیک کیا۔ کلیم کے کاغذات اور کچھ نقدی رحمت کے کپڑوں میں اس مہارت سے سی کہ ثمرین آپا حیران رہ گئیں۔ پھر ہر بچے کا علیحدہ علیحدہ تھیلا تیار کیا گیا۔ سب کو تھوڑی بہت نقدی بھی دیدی۔

اس کے بعد ابا جان نے سب کو کمرے میں بلا کر بتایا۔ کل صبح چار بجے ہم اور تمہارے چچا سجاد یہاں سے پکی سڑک والی مسجد تک جائیں گے وہاں باقی قافلہ تیار ہوگا۔ پھر صورتحال کے مطابق پروگرام بنے گا۔ پاکستان جانے تک کسی بھی مقام پر ہندو اور سکھوں سے واسطہ پڑ سکتا ہے تم سب اگر خطرہ دیکھو تو بکھر جانا اور ایک دوسرے کے بجائے اپنی راہ لینا اور پاکستان جانے والے قافلے کے ساتھ چلے جانا وہاں جا کر تم

اپنا نام کیمپ میں میری ولدیت کیساتھ 7 ہندسہ لکھنا تا کہ ڈھونڈ نے میں آسانی رہے۔میری خواہش ہے کہ پاک سرزمین دیکھ پاؤں۔اگر نہ دیکھ پایا تو جو بھی پاکستان پہنچے سب سے پہلے شکرانے کے نفل ادا کرے اور ہوسکتا ہے راستے میں ہم سے کوئی بچھڑ جائے اس کو چھوڑ کر آگے بڑھ جانا۔امیر دین نے بچوں کے چہرے کی طرف دیکھا تو سب سہمے ہوئے سے تھے۔امیر دین نے قہقہ لگایا ماحول سے تناؤ ختم کرنے کو۔

اور بولا!۔۔۔۔طلوع صبح قریب ہے۔آزادی کی صبح جلد ہم پاکستان میں دیکھیں گے۔ضروری نہیں کہ کل پریشانی سے واسطہ پڑے بلکہ اب تو ہماری قربانیوں کا سفر تمام ہوا چاہتا ہے۔اب تو ہم اپنے پاکستان جارہے ہیں سب دکھ۔پریشانی کو ہندوستان میں چھوڑ کر۔

ثمرین اور سب بہنیں مسکرا دیں

☆☆☆

اگلی صبح امیر دین نے 3 بجے رحمت کو سجاد چچا کے گھر بھیجا۔جا پتر چچا کو لے آؤ۔نماز پڑھ کر ہم روانہ ہوجائینگے۔رحمت نے سائیکل اٹھائی اور تیسرے محلے سے چچا سجاد کو بلانے چلا گیا۔

رحمت کو گئے بمشکل پانچ منٹ ہوئے ہونگے۔محلے میں شور اٹھا بلوائی آ گئے ....بلوائی آ گئے

تمام مسلمان مرد علاقے میں واحد کنویں) باؤلی(کی طرف عورتوں کو گھیرے میں لیکر بھاگے اور رضا کارانہ طور پر بہنوں بیٹیوں کو کنویں میں پھینکنے لگے۔مگر ہائے ری قسمت کنواں اتنی زیادہ بیٹیوں کا بوجھ نہ سہار سکا اور اگل پڑا۔کنواں بھر گیا بلوائیوں کا شور لحہ بہ لحہ قریب آرہا تھا

تب مردوں نے بھالے اور تلواریں جو اپنی حفاظت کیلئے اٹھا رکھے تھے اپنی ہی بیٹیوں پر چلانے شروع کردیئے کیونکہ وہ پاکستان کیلئے اپنی اور اپنے خاندان کی جانیں تو قربان کرسکتے تھے مگر عزتوں کی قربانی

ان کی غیرت کیسے گوارا کرتی۔تب غیر مند بہو بیٹیاں بھی کیسے پیچھے رہنے والی تھیں۔ایک دوسرے پر فوقیت لیتے ہوئے جانوں کے نظرانے پیش کرنے لگیں۔جب بلوائی بالکل قریب آئے۔تب ذلیخا کی آواز گونجی ابا جان مجھے مارئے۔کوئی مجھے بھی مارو مگر بلوائی تو سر پر آ گئے تھے تب نجانے کہاں سے ایک مرد کے ہاتھ نے ذلیخا کو پکڑ کر نیچے پھینکا اور ایک دو تین چار لاشیں ذلیخا کے سر پر پھینک کر اس کو چھپا دیا۔ہندو اور سکھ بہت زیادہ تعداد میں تھے۔مٹھی بھر مسلمانوں کو انھوں نے جلد ہی شہید کر دیا۔اس کے بعد کچھ بلوائی کنویں میں اتر گئے اور نیم مردہ لڑکیوں کو باہر پھینکنے لگے۔موت کا رقص شروع ہو گیا۔بلوائی ان لڑکیوں سے زیادتی کرنے لگے۔ذلیخا کبھی کبھی آنکھیں کھول کر یہ منظر دیکھتی تو روح کانپ جاتی تب ذلیخا دم سادھے پڑی رہی۔اتنے میں یکدم شروع اٹھا۔کنویں سے ایک عورت کے رونے کی آواز آئی وہ منت سماجت کر رہی تھی۔خدارا!میں امید سے ہوں مجھ پر رحم کرو شاید اس عورت کے گھر والے اسے کنویں میں چھپا گئے تھے وہ عورت چیخ رہی تھی مجھے چھوڑ دو۔ایک ماں کو اپنے بچے کے آگے بے آبرو مت کرو۔

ہندو بلوائیوں نے اس عورت کے کپڑے پھاڑ دیئے۔اس نے واسطے دئے جب وہ برہنہ ہو گئی۔چیخ کر آسمان کی طرف دیکھا اور بولی۔اللہ میری عزت کی حفاظت فرما۔تب ایک بلوائی نے تلوار سے اس عورت کا شکم چاک کر دیا۔افففف۔یہ منظر دیکھ کر آنکھیں پتھرا گئیں۔تب ایک دوسرا بلوائی آیا اور عورت کے پیٹ سے بچے کو نیزے پر اچھالا۔مانو ایک گھناؤنا کھیل مل گیا۔بچے کو نیزے اور بھالے پر اچھال اچھال کر سب کھیلنے لگے۔ذلیخا اس منظر کی تاب نہ لا سکی اور بیہوش ہو گئی۔بلوائی جب اس کھیل سے تھک گئے تو مردہ جسموں کو نیزوں اور بھالوں سے چھلنی کرنے لگے اور نعرے لگاتے چلے گئے۔

ادھر رحمت جب چچا سجاد اور ان کی بیٹی یسریٰ کے ساتھ واپس آیا تب آدھے گھنٹے میں پورا علاقہ تباہ ہو چکا تھا (ذلیخا بیہوشی کی وجہ سے ان کی آمد سے بے خبر رہی) رحمت رونے لگا مگر چچا سجاد اس کو لے

کر پاکستان روانہ ہو گئے۔ راستے میں کئی مقامات پر بلوائیوں سے واسطہ پڑا مگر چچا سجاد شہیدوں کا خون خود پر 'رحمت پر اور یسری پر مل کر مردہ ہونے کی اداکاری کرتے۔ اسطرح گرتے پڑتے رحمت پاکستان پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر نفل نماز پڑھی اور روزانہ ریلوے اسٹیشن جانے لگا کہ شاید کوئی بچ گیا ہو کوئی اپنا جو اس کو ڈھونڈ رہا ہو۔ مگر شاید کوئی نہیں تھا۔ ادھر جب لاشیں اٹھانے ٹرک آیا۔ پہلے لاشوں پر پانی پھینکا گیا۔ نیم جان لوگوں کو ہسپتال پہنچایا گیا مگر ہسپتال میں بھی کوئی مسلمان محفوظ نہیں تھا۔ ہر جگہ بلوائی پہنچ جاتے تھے۔ ایسے میں ذلیخا نے جب حرکت کی رام داس کی نظر اس پر پڑی۔ رام داس ایک 35 سالہ ہندو جوان تھا اس نے ذلیخا پر چادر ڈالی اور ذلیخا کو اپنے گھر لے آیا۔ اپنی ماتا رام کٹوری سے بولا۔ میں تیری خدمت کو یہ مسلی بچی لے آیا ہوں۔

رام کٹوری کو تو جیسے کرنٹ سا لگ گیا۔ چھی۔ چھی۔ چھی۔۔۔ یہ مسلی میری کیا خدمت کرے گی۔ الٹا ہمارا دھرم بھرشت کرے گی۔ اسے واپس چھوڑ آ یا مار ڈال مگر رام داس نے یہ بات ماننے سے انکار کر دیا جب گلی محلے اور رام کٹوری کا دباؤ زیادہ پڑا تو رام داس نے آٹھ سالہ ذلیخا کو جبری ہندو بنا کر اس سے کر اس سے زبردستی شادی رچالی۔ تب ذلیخا نے چائے پینے کی فرمائش کی اور خود چائے بنانے گئی اور مٹی کے چولہے کا تمام تیل اپنے بدن اور ٹانگوں پر انڈیل کر آگ لگا دی۔

ذلیخا کو پاکستان دیکھنے کی خواہش نے مرنے تو نہ دیا مگر اب وہ کسی مرد کے لائق نہ رہی۔ اس کے بعد ذلیخا جب ہوش میں آتی چیختی۔ کلمہ پڑھتی اور کہتی ہمارا پاکستان بن چکا ہے۔ اب ظالموں کو کہیں امان نہیں ملے گا۔ میرے مسلمان بھائی واپس آئیں گے۔ ایک نئی طاقت بن کر اور اپنی بہنوں کو واپس لے آئیں گے۔ تب رام داس کہتا۔ پاکستان جلد نا کام ہو کر دوبارہ ہندوستان کی جھولی میں آن گرے گا مگر ذلیخا لڑسی جاتی۔ ذلیخا کا نیا نام چندہ بائی رکھ دیا گیا اور اس کو سندور دیا جانے لگا جس سے اس کی آواز بند ہو گئی۔

☆☆☆☆☆

یہ عید سے ایک روز پہلے کی بات ہے کہ رحمت اسٹیشن پر ٹھہرا تھا۔ایک مال گاڑی آئی سب بھاگے شاید اپنوں کا کوئی سراغ ملے مگر یہ کیا گاڑی میں بچوں اور عورتوں کے کٹے سر۔بچوں کے اعضاء،عورتوں کی چھاتیاں پڑی ہوئی تھیں۔ساتھ میں لکھا ہوا تھا کہ مسلمانوں کیلئے عید کا تحفہ۔۔۔اس کے بعد رحمت کی کبھی اسٹیشن جانے کی ہمت نہ ہوئی۔رحمت نے اپنے باپ کے خواب کو تعبیر دی ڈاکٹر بن گیا۔سجاد چچا نے کنزی سے رحمت کی شادی کرادی اب تو رحمت کے چار بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں۔

☆☆☆☆☆

کئی سال گزر جانے کے باوجود ذلیخا کو زبان بندی کی دوائیاں دی جاتیں تھیں۔کئی سال گزر جانے کے بعد زبان بندی کی دوا دینی تو بند کردی گئی تھی مگر ذلیخا تو تلا بولتی تھی۔دوائیوں کا اثر آج بھی ذلیخا کی زبان پر تھا۔رام داس مر چکا تھا۔رام داس کی دوسری بیوی سے 6 اولادیں تھیں۔ان میں اشوک (ذلیخا) چندہ بائی سے بہت نزدیک تھا کیونکہ چندہ بائی نے بھی تمام عمران بچوں کی خدمت میں گزار دی تھی۔آج اشوک نے چندہ بائی سے پوچھا پیاری چندہ بائی کیا آپ کے خاندان کا کوئی باقی نہیں رہا ہوگا۔ تب چندہ بائی کی نظروں میں رحمت کا معصوم چہرہ آ گیا وہ بولی کیوں نہیں میرا بھائی۔میرا رحمت۔۔۔ کیا؟۔۔۔چندبائی وہ آپ کے سامنے آئے تو آپ اسے پہچان لیں گی۔تب ذلیخا نے گردن انکار میں ہلادی۔شاید پتہ تھا نہیں۔چندبائی میں اگر آپ کو آپ کے بھائی کا پتہ معلوم کردوں تو آپ کیا انعام دیں گی۔چندہ بائی کی آنکھیں چمک اٹھیں مگر کیسے۔

اشوک بولا !ارے چندہ بائی آجکل سوشل میڈیا نیٹ ورک پر بچھڑے رشتہ دار مل رہے ہیں۔آپ کا بھائی اور والد کا نام بتائیں اور یوں اشوک نے فیس بک پر رحمت کی تلاش شروع کردی۔ایک روز فیس بک پر رحمت اور سجاد کی تصویر دیکھ کر ذلیخا چیخ پڑی تب ذلیخا رحمت کیساتھ چچا سجاد کو پہچان گئی اور رحمت

ولد امیر دین لکھا دیکھ کر وہ بھائی کو پہچان گئی۔ یوں سلام دعا کے تبادلے ہوئے اشوک نے چندہ بائی کو پاکستان روانہ کر دیا اور اب ذلیخا لاہور ریلوے اسٹیشن پر بیٹھی گزرے وقت کی گرد اپنے ذہن سے صاف کر رہی تھی۔ ٹرین رکنے پر ذلیخا کے پیروں میں بجلی سی بھر گئی۔ باہر رحمت آیا ہوا تھا۔ رحمت کو ملنے پر ذلیخا چیخنے لگی۔

گھر جا کر تعارف ہوا۔ تب نگہت بولی پھپھو آپ کتنی مشکلات اور تکالیف برداشت کر کے پاکستان آئی ہونگی اور یہاں کسی کو پاکستان کی قدر ہی نہیں۔ تب یسریٰ نے نگہت کو آنکھیں دکھائیں۔ نگہت چپ ہو گئی۔

کچھ روز بعد ڈائننگ ٹیبل پر میچ کا تذکرہ ہو رہا تھا تب میچ فکسنگ زیر بحث تھی تبھی چھوٹی طوبیٰ بولی اللہ کرے پاکستان ہار جائے مجھے تو دھونی پسند ہے یہ سنتے ہی ذلیخا کا منہ سفید پڑ گیا اور اس کے گلے سے گھٹی گھٹی چیخیں نکلنے لگیں۔ سب بھاگے اور ذلیخا کو ہسپتال لے گئے۔ ڈاکٹر نے بتایا ذلیخا کو بہت زیادہ کمزوری ہے۔ کچھ روز بعد سب ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے تب انڈین ڈرامے۔ انڈین فلموں کا پاکستان میں کتنا عمل دخل ہے سنکر ذلیخا پریشان ہو گئی۔ ادھر سیاست پر بحث چلی تمام حکمرانوں کے بارے میں گوہر افشانی ہوئی اور ملاوٹ 'چور بازاری' کرپشن کا ذکر چلا پتا چلا کہ بعض جگہ تو گدھے کا گوشت بھی دھوکے سے کھلایا جا رہا ہے۔ یہ سب سن کر ذلیخا نے بول چال بند کر دی۔

ایک روز اشوک کا فون آیا۔ چندہ بائی آپ تو ہمیں بھول ہی گئیں۔ میرا دوست پاکستان آ رہا ہے۔ اگر کچھ چاہیے تو بتا دیں۔ ہاں ہاں پتر تیرے باپ رام داس نے کئی سال میری زبان بند رکھنے کو سندور چٹایا اب تو مجھے پگھلا سیسہ لا دے یہ وہ پاکستان نہیں ہے جس کیلئے ہم نے قربانیاں دیں۔

کیا ہوا چندہ بائی۔

پتر!۔ انہیں پاکستان کی قدر نہیں۔ پتر۔ مجھے واپس بلا لے۔ تب اشوک بولا چندہ بائی آپ اپنی

قربانیاں اس قوم کے بچوں کو بتائیں اور سنائیں۔وہ قصے جو آزادی سے جڑے ہیں تا کہ بچوں خواس آزادی کا احساس ہو۔تب ذلیخا کے دل میں امید کی کرن جا گی

آج 13 اگست کو ذلیخا نے اپنی کہانی تمام بچوں کو سنائی۔اس کے بعد بچوں کو پاکستان کیلیۓ دی گئ قربانیوں کا احساس ہوا اور 14 اگست کی تیاریاں آج رحمت کے گھر میں صحیح معنوں میں ہو رہی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

افسانہ☆عاقبت☆

تحریر:مونا نقوی

اُس کا نام تو کچھ اور تھا مگر عابد وزاہد کے نام سے پکارا اور پہچانا جاتا تھا۔وہ شعور کی منزل تک پہنچنے تک وہ اُس راہ پر راسخ العقیدہ ہو چکا تھا جو خدا تک پہنچاتی ہے۔مگر وائے ہو شیطان مردود پہ کہ جو مختلف حیلوں سے انسان کو اُس کے راستے سے ہٹانے کی سعی میں لگا رہتا جو بندے کو اُس کے رب تک لے جاتی۔

"افسوس صد افسوس کہ میں بھی خسارہ پانے والوں میں سے ہو گیا۔وائے ہو تجھ پہ اے میرے کمزور نفس تُو نے مجھے ہلاک کر ڈالا" وہ اپنے سفید بالوں میں مٹی ڈالتا زاروقطار روتا جا رہا تھا۔اُس نے جو مقام بنایا تھا وہ ریت کی بھربھری دیوار کی مانند اک پل میں ہی زمین بوس ہو گیا تھا۔وہ رات رات بھر اپنے نرم وگرم بستر کو چھوڑ کر مصلے پہ بیٹھ کے یادِ الٰہی میں غرق رہتا تھا۔ذکر خدا کرتے کرتے اُس کے لب سوکھ جاتے تھے اُس کا حلق خشک ہو جاتا تھا اُسے نا تو پیاس کا احساس ہوتا تھا نا ہی بھوک کا۔اور جب رحمٰن کا بندہ اس قدر دل سے اُس کی ذات کی معرفت رکھتے ہوئے اُسے پکارے اور اُس کا ذکر اپنے لبوں پہ جاری رکھے تو خدا بھی اپنی رحمتوں کے دروازے اُس انسان پر کھول دیتا ہے۔وہ تو خدا کا شکر گزار بندہ تھا۔

"اے وقتِ خراب تو نے مجھے کس مقام پہ لا کھڑا کیا۔جہاں جہنم کی آگ میری منتظر ہے۔ہائے کاش وہ لمحہ نہ آیا ہوتا کے جس کے آنے کے بعد میں پستیوں کی دلدل میں جا گرا" وہ سر پیٹتا اُس لمحے کو کوس رہا تھا کے جب وہ انسانیت کے بلند و بالا مقام سے گر کر حیوانیت کے مقام پہ آ گیا تھا۔اُس کا نفس اس قدر مضبوط تھا کہ شیطان ہزار ہا حملے کرنے کے باوجود نا کام لوٹ چکا تھا۔یہ اُس رب کی برکت ہی تھی کہ وہ جس کے حق میں اپنی زباں سے دعائیہ کلمات ادا کرتا تھا وہ دعا باب قبولیت تک پہنچ کر رہتی تھی۔کاش وہ بھائی اپنی بیمار بہن کو اُس کے پاس علاج کے لیے نہ لائے ہوتے۔اور اگر لے ہی آئے تھے تو ساتھ لے

جاتے۔

"اے کاش تم لوگ مجھ پہ اسقدر بھروسہ نا کرتے۔ کاش اُس عورت کو میرے پاس چھوڑ جانے کے بجائے وہ ساتھ لے جاتے۔ کاش راستے میں اُن بھائیوں کو راہزن لُوٹ لیتے اور وہ رستے سے پلٹ آتے۔"

لیکن اب صرف کاش ہی اُس کی زباں پہ تھا۔ اور یہ کاش بس کاش ہی رہنا تھا یہاں تک کے فرشتہ اجل اُس پہ جھپٹنے اور اُس کی گناہ گار روح کو ساتھ لے جانے کو تیار کھڑا تھا۔ اب چاہے ندامت کے آنسوؤں سے دامن تر کروں یا اپنا گریباں پھاڑ کے اُس لمحے کا ماتم کروں۔ شائد ربِ غفور مجھے معاف کر دیتا پر میں نے تو اُس اک گناہ کو چھپانے کے لیے اک ایسا گناہ بھی کیا تھا کہ جس کی خدا کی نظر میں کوئی معافی ہی نہیں۔" وہ زندان کی تاریک کھوٹھری میں بیٹھا سوچ رہا تھا۔ خوف کا کانٹا اُس کے حلق میں بُری طرح چبھ رہا تھا۔ صبح کی سفیدی اُس کے لیے موت کا پیغام لانے والی تھی۔ وہ صراطِ مستقیم سے قدم ہٹتے ہی وہ بحرِ ظلمات میں غوطہ زن تھا بہت ہاتھ پاؤں مارنے کے باوجود کنارہ اُس کی پہنچ سے دور ہوتا جا رہا تھا۔

۔ بیماروں کے لیے اُس کے منہ سے نکلے کلمات زندگی کی نوید لاتے تھے چاہے وہ قریب المرگ اور جاں بلب ہوتے تھے۔ اک دن دو بھائی اپنی بیمار بہن کو اُس کے پاس لائے۔ اُس کی نیک نامی اور سفید بالوں اور داڑھی سے جھلکتی شرافت اُنہیں بہن کو اُس کے پاس چھوڑ دینے کی گواہی دے رہی تھی۔ اُنہیں تجارت کی غرض سے کچھ عرصہ کے لیے شہر سے باہر جانا تھا۔ اب تو شیطان کو اُس بزرگ کو راہ راست سے ہٹا دینے کا اک نیا حیلہ مل گیا تھا۔ وہ روز ہی اُس بزرگ کے نفس پہ حملے کرنے لگا۔ یہاں تک کے شیطان کے پے در پے حملوں کی زد میں آ کر اُس کا نفس کمزور ہو کے چاروں شانے چت ہو گیا۔ وہ اک ایسا گناہ کر بیٹھا تھا جسے خدا نے کبیرہ گاہوں میں سے قرار دیا ہے۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ نادم ہوتا اک دن اُسے خبر ہوئی کہ وہ عورت امید سے ہے۔ اُسے دنیا کے سامنے اپنی نیک نامی گر جانے کی فکر ستانے لگی۔ خود کو اک بڑی مصیبت سے بچانے کے لیے اک بار پھر سے شیطان کے بہکاوے میں آ گیا اور تیز

دھار خنجر سے اُس عورت کی شہ رگ کاٹ ڈالی۔ اور صحن میں گڑھا کھود کے دفن کر دیا۔ عورت کے بھائی حقیقت سے باخبر ہوئے تو بادشاہ کے پاس فریاد لے گئے۔ اُس کے پاس کوئی چارہ نہ تھا سوائے اِس کے کہ اقرارِ جرم کرتا۔ سب جاننے کے بعد اُسے زنداں میں ڈال دیا گیا تھا جہاں وہ اب اپنی عاقبت سے خوف زدہ جہنم کی دھکتی آگ کے شعلوں کو اپنی جانب لپکتے خوف زدہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"اے کاش کہ میں یہ گناہ کر کے بخش دیا جاؤں۔ اے رب تُو تو رحمٰن ہے۔" وہ گڑگڑا کر رب کو پکار رہا تھا۔ اُس کی زندگی کی کہانی صراطِ مستقیم سے شروع ہوئی تھی اور اِس نہج پہ آ پہنچی تھی جہاں سے ہر سمت سے خسارہ ہی خسارہ تھا۔

"افسوس مرے نفس نے مجھے ہلاک کر ڈالا" وہ زمیں پہ بیٹھا اپنے بال نوچ رہا تھا۔ اُس یاد آ رہا تھا کہ اُس نے تو کبھی بھی اپنی عبادت پہ گھمنڈ نہیں کیا تھا۔ مگر اُس کی عاقبت یوں لکھی تھی کبھی یہ بھی نہیں سوچا تھا۔ نفس کی کمزوری کے سبب اُسے یہ دن دیکھنے کو ملا تھا۔

"اے مردِ بزرگ دیکھ کہ میں ہی ہوں جس کی وجہ سے تو اِس عبرت ناک انجام کو پہنچا" شیطان مجسم ہو کے اُس کے سامنے تھا۔

"اگر تو میری بات مان اور مجھے سجدہ کر تو تجھے اِس مصیبتِ بلاخیز سے اب بھی نجات دے سکتا ہوں۔"

"میں تجھے کیسے سجدہ کروں کہ گردن سے پاؤں تک زنجیروں میں جکڑا ہوں۔" اُس نے اپنی بے بسی کا اظہار کیا۔

"میرے لیے تیرا بس اک چشمِ ابرو اشارہ ہی کافی ہے" شیطان مردود کی اس بات کے ساتھ ہی اُس نے آنکھوں کو جھکا کہ اُس کی تعظیم میں سجدہ کر دیا۔ اُس کی روح اِس کے ساتھ ہی بدن سے پرواز کر گئی۔ وہ جو دنیا میں عابد و زاہد پکارا اور پہچانا جاتا تھا رب کی بارگاہ میں مردود ہو کے پہنچ گیا تھا۔

☆☆☆

افسانہ☆ یہ تو میرا پاکستان نہیں ☆

تحریر: مونا نقوی (سرگودھا)

ہر طرف دل دہلا دینے والی چیخ و پکار تھی۔نفسانفسی کا عالم تھا۔شہر کی ہر گلی ہر دیوار خون آلودہ تھی۔کہیں کٹے پھٹے انسانی اعضاء بکھرے تھے اور کہیں خون میں لت پت زخمی۔گہری ہوتی شام میں یہ منظر اور بھی وحشت ناک لگ رہا تھا۔ڈری سہمی آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتی نجانے میں کس کی تلاش میں چلی جا رہی تھی ،ماحول پہ ہولناکی سی چھائی تھی ایسے میں روتی کراہتی اور بین کرتی آوازیں دل چیر رہی تھیں۔میں خود کو کہیں دور لے جانا چاہتی تھی جہاں یہ سسکتی بین کرتی آوزیں میری سماعتوں سے نہ ٹکرا پائیں۔مسلسل چلتے رہنے کی وجہ سے ٹانگیں شل ہو چکی تیں اور اعصاب کسی بوجھ تلے دبا تھا۔جہاں بھی نظر اُٹھا کر دیکھتی تھی کہیں آگ کے لپکتے شعلے تھے اور کہیں آہ و بُکا کرتے لوگ ،ایسے قیامت خیز منظر میں نجانے میں کیسے زندہ بچی ہوئی تھی۔میں اُن کی نظر سے پوشیدہ تھی اس بات کا شکر ادا کرتے ہوئے میں اک دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کے بیٹھ گئی۔شام گہری رات میں بدل چکی تھی اور آخری راتوں کا چاند اپنی اُداس چاندنی پھیلا رہا تھا۔قریب سے ہی اک بزرگ کی نحیف اور درد بھری آہیں اور سسکیاں سنائی دیں۔کیا آپ نے بھی اپنا کوئی پیارا کھو دیا بابا جی؟

میرے سوال پہ وہ چند ثانئے چپ ہوئے پھر بولے ،سمجھ نہیں آتی میں کس کس پیارے کو روؤں کس کس کے غم میں آنسو بہاؤں اُن کوروں جو پہلے مارے یا اُن پہ گریہ وبُکا کروں جو اِس سانحے میں مر گئے ۔میں اپنے جواں سال بیٹے بیٹیوں کو روؤں یا اپنی کمسن معصوم بیٹیوں کی عزتوں کے لٹ جانے کا سوگ مناؤں۔روز ہی ٹکرے ٹکرے ہوئی لاشوں کو چنتا ہوں روز بیٹیوں کے دامن اور عزتیں تار تار ہوتے دیکھتا ہوں،روز کئی گھروں اور دکانیں جلتی دیکھتا ہوں۔روز دیکھتا ہوں میرے ملک کے غریب غریب تر

ہوتے جا رہے کالا دھندا کرنے والے امیر سے امیر تر، میرا دل پھٹتا ہے آنکھیں لہو بہاتی ہیں بے حس اور احساس سے عاری مُردوں کو دیکھ کے۔ ایک خدا ایک رسولؐ اور اک قران کے ماننے والے اک دوسرے کے دشمن بنے ہوئے۔ جس کلمہ کے نام پہ پاکستان بنا اُس کے پڑھنے والے اک دوسرے کو کافر کہہ کر مسلمان بہن بھائیو کا ناحق خون بہا رہے ہے۔ یہ ملک اسلام کے نام پہ امن و امان کے لیے بنا تھا۔ یہاں ہر سُو دہشت اور وحشت کا راج ہے۔ لوگ بس اپنے گھر کا سکھ دیکھ کے خوش اور دوسروں کے گھر اجڑتے دیکھ کے بھی غم زدہ نہیں ہوتے۔ لاکھو قربانیاں جس ملک کے لیے ہم نے دیں یہ وہ ملک نہیں، یہ تو میرا پاکستان نہیں۔ بابا جی کی باتیں سن کر آنسو اور بھی تیزی سے بہنے لگے تھے۔ میں نے آنکھیں رگڑ کے پونچھیں چاند کی دھندلی روشنی میں بابا جی کو دیکھا تو دل بند ہونے لگا۔۔ آنسو اور بھی چھلک پڑے۔ وہ کوئی اور نہیں ہمارے قائد تھے۔ ہم کتنے خود غرض ہیں کہ اپنے محسن کو خون کے آنسو رلا رہے ہیں اور اس ملک کی حالتِ زار دیکھ کہ قبر میں میں بھی کس قدر بے چین ہیں۔ خدا کرے جلد اس ملک میں امن و امان کی فضا قائم ہمارے گھروں میں خوشیاں نازل ہو اور ہمارے قائد کی روح کو سکون مل سکے۔ آمین۔ آنکھ کھلتے ہی رات کے اس پہر دل سے سے دعا نکلی نکلی تھی۔

☆......☆......☆

ناول☆بند قبا کھلنے لگی جاناں☆

(قسط نمبر 7)

مصنفہ: سعدیہ عابد

اچھی لگ رہی ہیں آپی!'' شازمین تیار ہو کر اس کے روم میں آ گئی تھی۔

''تھینکس... تم بھی بہت پیاری لگ رہی ہو۔'' وہ بہن کو دیکھ کر مسکرائی تھی۔

''کیا وہ سب لوگ آ گئے ہیں؟'' حنین نے پوچھا۔

''نہیں ابھی نہیں آئے، شاید وہ لوگ کچھ لیٹ ہو جائیں، کیونکہ فضیل بھائی کسی کام سے کہیں گئے ہوئے ہیں سحرش نے ابھی فون کر کے اطلاع دی ہے، بٹ تم جا کر تیار ہو جاؤ اور ویسے بھی تمہیں ں چچی بلا رہی ہیں۔'' شازمین کے کہنے پر وہ جلدی سے روم سے نکل گئی کہ کہیں اا سے ساجدہ سے ڈانٹ ہی نہ پڑ جائے۔

''آپ چینج کر لیں میں جا کر دیکھتی ہوں کہ مائدہ آپی تیار ہوئی یا نہیں۔ فضیل بھائی! آپ کو کسی چیز ضرورت تو نہیں ہے؟' خیال آنے پر مسکرا کر پوچھا تھا۔

''ایک کپ چائے مل جائے تو کیا بات ہے سر میں تکلیف سی محسوس ہو رہی ہے۔''

''حننین نے آپ کا دماغ خالی کر دیا ہے، بہت بولتی ہے۔''

''ارے نہیں ایسی بات نہیں ہے، صبح سے ہی آج مجھے کچھ تھکن سی فیل ہو رہی ہے، اسی لئے گھر جا رہا تھا کہ کچھ دیر آرام کر لوں گا تو فریش ہو جاؤں گا۔''

''ایسی بات ہے تو آپ آرام تو یہاں بھی کر سکتے ہیں یہ گھر بھی تو آپ ہی کا ہے، میں آپ کے لئے اسٹرانگ سی چائے لاتی ہوں۔'' وہ مسکراتے ہوئے باہر نکل گئی تھی۔

"آپ کی طبعیت تو ٹھیک ہے؟" زرمین شیشے کے سامنے سے ہٹ کر اس کے نزدیک چلی آئی۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں زرمین! بس سر میں کچھ درد ہو رہا ہے۔"

"بیڈ پر آ کر لیٹ جائیے میں آپ کا سر دبا دیتی ہوں۔" وہ اسے دیکھنے لگا۔

"اتنا تو میں کر ہی سکتی ہوں فیصل! یا آپ اس کے لئے' بھی مجھے کچھ وقت دینا چاہتے ہیں، کہ جب میں بنا کہے سمجھ جایا کروں گی کہ آپ کسی تکلف میں ہیں اور خود سے آپ کا سر دبایا کروں گی۔" اس کے انداز میں خفگی محسوس کرتے ہوئے وہ محض مسکرا دیا اور کچھ کہے بغیر اس کے کہنے کے مطابق لیٹ گیا، اور وہ اس کے سرہانے بیٹھ کر نرمی سے اس کا سر دبانے لگی۔ نرم ہاتھوں کا لمس بہت ہی بھلا لگ رہا تھا اور سکون سا محسوس کر کے اس نے آنکھیں موند لی تھیں، 10 سے 15 منٹ بعد دروازہ ناک ہوا اور وہ آہستگی سے اس کے پہلو سے اٹھ گئی کہ کہیں اس کی آنکھ نہ کھل جائے، آنے والی فریدہ تھیں جو چائے لے کر آئی تھیں اور اسے سوتا دیکھ کر وہ اس کی ساڑھی باندھنے لگی تھیں اور مکمل تیار ہونے کے بعد وہ اس پر کمبل درست کرتی لائٹ آف کر کے روم سے نکل گئی تھی۔

☆☆☆

"فیصل! کچھ تو بتا کر گیا ہوگا کہ کہاں جا رہا ہے؟ کب تک آئے گا؟" وہ سب جانے کے لئے بالکل ریڈی تھے مگر فیصل کا کہیں پتہ نہیں تھا، فریدہ کتنے ہی فون کر چکی تھیں ۸ بجنے والے تھے اس لئے مہوش کو بھی تشویش ہونے لگی تھی۔

"وہ اتنا غیر ذمے دار تو نہیں ہے، بتا کر نہیں گیا تھا تو کم از کم اب تو اسے آ جانا چاہئے تھا اور سیل فون کیوں نہیں لے کر گیا سمیرا بتا رہی تھی کہ تم دونوں میں کوئی جھگڑا ہوا ہے؟"

"نہیں پھپھو! وہ آفس کا کوئی کام کر رہے تھے کہ چھٹیاں ختم ہو گئی ہیں کل آفس جائیں گے تو فائل اسٹڈی کر رہے تھے کام کرتے کرتے ہی کہیں چلے گئے۔" اتنا سب کہنے میں آنسو اس کی آنکھوں میں جمع

ہونے لگے تھے مگر وہ خود کو رونے نہیں دینا چاہتی تھی، کیونکہ اسے یہ ڈر تھا کہ بات زرمین کو پتہ چلی تھی تو اس نے ایساری ایکٹ کرنا تھا کہ سب کو پتہ چل جاتی تو وہ نہ جانے کیا کرتا؟

"ادھر دیکھو میری طرف اور صاف صاف بتاؤ" مہوش نے اس کا چہرہ ٹھوڑی سے پکڑ کر اپنی طرف کیا اور وہ کچھ کہتی کہ لاؤنج میں قدموں کی آواز ابھری اور وہ دونوں دروازے کی طرف دیکھنے لگیں۔

"فیصل! کہاں چلے گئے تھے بیٹا! ہم سب کتنا پریشان ہو رہے تھے۔"

"سوری ماما! بس ایک مشکل میں پھنس گیا تھا۔" وہ دھیمہ سے کہتا ہوا ان دونوں کی طرف دیکھنے لگا۔ ماہ کنعان نے آگے بڑھ کر مہوش کو سلام کیا اور سمیرا کو سلام کر کے خیریت پوچھتا صوفے پر بیٹھ گیا مہوش نے اس کے سلام کا جواب دے کر ماہ لاج سے مصافحہ کا م وراس کا سمیرا سے تعارف کروانے لگی۔

"سمیرا بیٹا! یہ ماہ لاج ہے فیصل کے دوست کنعان کی سسٹر۔" وہ چاہ کر بھی خوش دلی نہ دکھا سکی تھی، اس کی نظر تو فیصل کے بینڈ یج ہوئے ہاتھ پر ٹھہر گئی تھی، مگر وہ خوف کی وجہ سے کچھ بھی پوچھ نہیں پا رہی تھی، وہ خود ہی صوفے پر بیٹھے ہوئے تفصیل بتانے لگا کہ وہ جس وقت گھر سے نکلا اس کا ارادہ تھا کہ وہ کنعان کی طرف چلا جائے گا مگر راستے میں حادثے کو دیکھ کر رک گیا تھا، سڑک پر بے یار و مددگار زخمی پڑے بچے کو اٹھا کر اس نے ہاسپٹل پہنچایا تھا۔ 2 سے 3 گھنٹے اسے وہیں لگ گئے پھر وہ کنعان کے آفس چلا گیا وہاں باتوں میں وقت گزرنے کا احساس نہیں ہوا ، اس نے آج کنعان کو بھی انوائٹ کیا ہوا تھا مگر وہ آنا نہیں چاہ رہا تھا، اس لئے اس نے صاف کہہ دیا تھا کہ تم نہیں آنا چاہتے تو نہ آؤ، ماہ لاج کو وہ خود پک کر لے گا اور واپس بھی چھوڑ دے گا، فیصل کی ضد کے آگے اسے ماننے ہی بنی تھی اور اس نے بہن کو آتے ہونے کہہ دیا تھا اور وہ آفس سے گھر جانے کے لئے ساتھ ہی نکلے تھے، فیصل کی گاڑی کا ٹائر پنکچر تھا، اس لئے دونوں نے ڈیسائڈ کیا کا اکہ فیصل اس کے ساتھ گھر جائے گا اور وہ تیار ہو کر اس کے ساتھ ہی چلیں گے۔ کنعان کے روم میں بٹھے ہوئے اسے یہ خیال آیا تھا کہ وہ گھر فون کر کے بتا دے، مگر اس نے غصے

میں ایسا نہیں کیا تھا اور جس وقت وہ ان دونوں کے ساتھ گھر پہنچا تھا 8 بج رہے تھے۔

"بیٹا! تم فون کر کے بتا تو دیتے۔" تفصیل جان کر بیٹے کو خفگی سے دیکھا۔

"ماما! بس خیال ہی نہیں آیا۔" آنسو چھپانے کی چاہ میں سر جھکائے بیٹھی سمیرا سے نگاہ ہٹا کر کہا۔

"اور یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہوا ہے؟"

"وہ... بس ماما! یہ کنعان صاحب کی مہربانی ہے۔" وہ دوست کو دیکھتے ہوئے مسکرایا اور تفصیل بتانے لگا وہ چائے کے سپ لیتے ہوئے کھڑکی میں جا کھڑا ہوا تھا اور اسے معلوم نہیں تھا کہ کھڑکیوں کے نئے شیشے لگ رہے ہیں اور کام ابھی ادھورا ہے اس نے بے خیالی میں جیسے کھڑکی کا پٹ پکڑ کر کھولا تھا اور شیشہ اندر تک اس کی ہتھیلی کاٹتا چلا گیا کیونکہ فٹنگ کا کام ابھی مکمل نہیں ہوا تھا۔

"اچھا، تم جا کر چینج کرلو؟ ہم لوگ آل ریڈی لیٹ ہو چکے ہیں فریدہ کے کتنے ہی فون آ چکے ہیں جب تک میں سحرش سے کہہ کر ریفریشمنٹ کا انتظام کرواتی ہوں۔"

"تکلف کی بالکل ضرورت نہیں ہے آنٹی!" ماہ کنعان نے روکنا چاہا تھا۔

"ارے کیسے نہیں ہے، تم تو چلو آتے رہتے ہو۔ لاج بیٹی تو سالوں مہینوں میں ہی آتی ہے، پوری شادی گزر گئی نہ لاج آئی اور نہ ہی تمہارے پرانٹس۔"

"مام اینڈ ڈیڈ، یو کے گئے ہوئے ہیں اور طبعیت کی خرابی کی وجہ سے میں نہیں آسکی، ورنہ تو خود میرا بہت دل تھا کہ میں فیصل لالہ کی شادی میں شرکت کروں۔" ماہ لاج نے نہ آنے کا عذر اداسی سے بتایا۔

"ماما! ایسا کریں کہ آپ لوگ نکل جائیں میں تیار ہو کر کنعان کے ساتھ آ جاؤں گا۔" سمیرا کے ساتھ آتی ہوئی سحرش کو دیکھ کر کہا اور سحرش، ماہ لاج سے ملتی ڈیڈی کو بلانے چلی گئی تھی سمیرا اس کے نظر انداز کرنے پر بری طرح ہرٹ ہوئی تھی، مگر اس نے کہا کچھ نہیں۔

"ہم لوگ جا رہے ہیں سمیرا! تم فیصل کی تیاری میں اس کی مدد کروا دینا اور اس کے ساتھ ہی آ جانا۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے ماما! میں خود ہی تیار ہو کر آ جاؤں گا، تم بھی ساتھ ہی چلی جاؤ، مجھے کچھ وقت لگے گا۔" اس نے اچٹتی ہوئی نظر سمیرا پر ڈالی، ساڑھی میں اس کا متناسب سراپا خوب جچ رہا تھا، مگر وہ اسے نظر انداز کرتا کمرے کی طرف بڑھ گیا اور اس کے ساتھ ہی ماہ کنعان بھی اٹھ گئی سمیرا بے دلی سے ان سب کے ساتھ ہی چل دی تھی، اس کو بہت رونا آ رہا تھا وہ بمشکل خود پر کنٹرول رکھے ہوئے تھی، ان سب کا استقبال بہت اچھے طریقے سے ہوا۔ ماہ لاج کا تعارف سن کر حنین نے ہاتھ ملانے کے لئے ماہ لاج کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو نظر انداز کر دیا اور ایکسکیوز می کہہ کر اس کے سامنے سے ہٹتی صوفے پر جا کر بیٹھ گئی اس کی اس حرکت کو ماہ لاج سمجھ نہیں پائی اور سحرش شرمندہ ہو گئی حنین کی حرکت پر۔

"آئی ایم سو، سوری لاج! یہ حنین"

"اٹس او کے سحرش!" وہ محض اسے شرمندگی سے نکالنے کے لئے بولی تھی ورنہ تو وہ بھی بہت ہرٹ ہوئی تھی۔

"حنین! تم نے لاج سے ہاتھ کو کیوں نہیں ملایا تھا، وہ ہماری مہمان ہے اور تمہارا فرض ہے کہ ہمارے مہمانوں کے ساتھ اچھے سے پیش آؤ۔" سحرش موقع ملتے ہی بولی تھی۔

"میرا دل نہیں چاہ رہا تھا تو نہیں ملایا اس سے ہاتھ اور وہ کون سی کہیں کی منسٹر ہے کہ جن کی عزت کرنا مجھ پر فرض ہے۔" نہایت جلے ہوئے کڑوے لہجے میں کہا تھا۔

"حنین! مجھے یقین نہیں آ رہا، تم اتنی بدتمیز بھی ہو سکتی ہو۔" سحرش ہونق رہ گئی تھی۔

"میں اتنی ہی بدتمیز ہوں سمجھیں تم اور جو لوگ مجھ سے تمیز سے پیش نہیں آتے میں بھی ان لوگوں سے خوش دلی سے نہیں ملتی۔" اس کا لہجہ نہایت سخت تھا اور سحرش اسے عجب نگاہوں سے تکنے لگی تھی۔

"ماہ لاج نے تم سے کون سی بدتمیزی کی ہے، وہ تو تم سے ملی ہی فرسٹ ٹائم ہے۔" حنین کی بے تکی باتیں اسے غصہ دلانے لگی تھیں۔

"اس نے نہیں تو اس کے بھائی نے تو کی ہے نا اور یہ تم بھی جانتی ہو۔" وہ دونوں لان میں کین کی کرسیوں پر بیٹھی ہوئی تھیں فیصل اسے دیکھنے لگا تا کہ یہ جان سکے کہ حنین کون سی بدتمیزی کی بات کر رہی ہے، مگر کنعان کے کچھ کہنے سے پہلے ہی حنین نے خود ہی جواب دے دیا۔

"وہ مجھے جتنی دفعہ ملے مجھے انہوں نے تکلف پہنچائی اور جس وقت ہم نزہت کو فون کرنے گئے تھے انہوں نے جو میرے ساتھ کیا تھا میں اگر تمہیں وہ سب بتا دوں تو تم بھی میری طرح ان کو نا پسند کرو گی۔" آنکھوں میں آنسو جمع ہونے لگے تھے۔

"ایسی کیا بات ہوئی تھی؟ حرکت سے پوچھنا چاہا تھا۔

"میں نہیں بتا سکتی۔" سختی سے بولی تھی۔

"لیکن کیوں؟ ایسی کیا بات ہے کہ تم مجھ سے شیئر نہیں کر سکتیں؟

"ہاں ہے ایسی بات اور مجھے ارحم بھائی نے بھی کسی کو بھی بتانے سے منع کیا ہے اسی لئے تو میں نے زرمین آپی تک سے ذکر نہیں کیا، ورنہ تم جانتی ہو میں چھوٹی سے چھوٹی بات ہو یا بڑی کوئی غلطی، وہ سب میں صرف زرمین آپی سے شیئر کرتی ہوں تمہارا اور پھپھو کا نمبر تو بعد میں آتا ہے۔ پھپھو سے بعض باتیں میں نہیں کر پاتی مگر زرمین آپی سے کہے بغیر مجھے چین نہیں ملتا، ارحم بھائی کے منع کرنے پر میں نے وہ سب آپی کو بھی نہیں بتایا جبکہ ان کی شادی کے بعد اس پورے ہفتے ہی میں بیمار رہی ہوں اور وہ مجھ سے پوچھ پوچھ کر تھک گئیں۔"

"ایسی کیا بات ہے کہ تم نے بھابی سے بھی شیئر نہیں کی؟ تو پھر تم نے ارحم بھائی سے وہ سب کیسے کہہ دیا؟" وہ از حد متحیر سی سوال کر رہی تھی۔

"وہ بضد ہو گئے تھے اور اس وقت مجھے سہارے کی ضرورت تھی اور تم جانتی ہو کہ ارحم بھائی مجھے کتنے عزیز ہیں اور وہ بھی میرا کتنا خیال رکھتے ہیں، بس اسی لئے ڈرتے جھجکتے میں نے انہیں سب بتا دیا مگر تم سے

نہیں کہہ سکتی، اتنا بھی نہ کہتی کہ اگر تم مجھ کو اس بات کیلئے مجبور نہ کرتیں کہ میں اس شخص کی سسٹر کے ساتھ اچھے سے پیش آؤں۔" وہ ناگواری سے بول رہی تھی۔

"مجھے تمہاری باتیں سمجھ نہیں آ رہیں حنین! مگر اس سب میں لاج کا تو کوئی قصور نہیں ہے، ہرٹ تمہیں کنعان بھیا نے کیا ہے اور تم نے جولاج کے ساتھ کیا وہ ہرٹ ہوئی ہے، تمہیں زیادہ نہیں تو کم از کم اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو تو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے تھا، وہ تمہارے بارے میں کیا سوچ رہی ہوگی؟"

" کچھ بھی سوچے، میری بلا سے۔" وہ اپنے موقف سے ہٹنے کو تیار نہ تھی کہ دفعتاً ان دونوں پر اس کی نظر پڑی تھی اور کنعان کو دیکھ کر وہ بڑی پھرتی سے اندر کی طرف بڑھ گئی اور سحرش بھی ان دونوں کو دیکھ کر چائے کے خالی کپ اٹھاتی لان سے نکل گئی تھی۔

"میں جانتا ہوں، تم مجھ سے بہت کچھ پوچھنا چاہتے ہو، ابھی نہیں میں تمہیں بعد میں سب بتا دوں گا، اسی لئے تو میں نہیں آنا چاہتا تھا، مگر تجھے ناراض بھی تو نہیں کر سکتا تھا کہ تجھے منانا بھی بڑے دل گردے کا کام ہے۔" ماہ کنعان غیر معمولی سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

"میں نے تجھ سے کچھ پوچھا...! نہیں نا؟ تو تو کیوں پریشان ہو رہا ہے؟ آ جا اندر چلتے ہیں۔" فیصل ہلکے پھلکے انداز میں کہتا اسے لئے اندرونی حصے کی جانب قدم بڑھانے لگا تھا۔

"بھئی! کہاں رہ گئے تھے، مہمان خصوصی ہو کر اب پہنچ رہے ہو؟" یوسف الحسن بغل گیر ہوتے ہوئے شگفتگی سے پوچھ رہے۔

"پاپا! دیر سے پہنچنا بھی رعب جتانے کا سب سے خوبصورت طریقہ ہے، فضیل بھیا کو ہی لے لیں، کمرے سے ہی نکل کر اب آ رہے ہیں۔" راحم نے ان دونوں کو ایک ساتھ ہنستے ہوئے رگیدا تھا۔

"جناب! اہمیت جتانے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے جس پر آپ عمل پیرا ہیں کہ ہر معاملے میں ٹانگ اڑا دو۔" فضیل اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس کے برابر صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

"فضیل بھیا! آپ کو تو لگتا ہے فیور ہو رہا ہے۔" ہاتھ ملاتے ہوئے گرماہٹ محسوس کر کے بولا تھا۔

"جناب! اسی لئے آنکھ لگ گئی تھی اور آپ نے لڑاکا ساسوں کی طرح طنز کرنے شروع کر دیئے کہ کمرے میں ہی گھسے بیٹھے رہنا، آئے گئے کا بھی کوئی خیال نہیں ہے۔"

"قسم سے فضیل بھیا! لڑاکا ساس بن جانے کے فن سارے آپ میں موجود ہیں، اللہ زرمین کے حال پر رحم کرے؟ مہوش آنٹی سے نہ سہی اسے آپ سے تو باخبر ہی رہنا پڑے گا۔" راحم کے انداز میں شرارت تھی اور وہ سب ہی ہنس دیئے اور وہ راحم کو گھورنے لگا۔

"مائنڈ مت کریں، میں مذاق کر رہا تھا، یہ بتایئے میڈیسن لی ہے؟"

"ہاں، لے چکا ہوں۔" مختصراً بتایا اور کنعان کی طرف متوجہ ہو گیا، مردوں کے درمیان کسی سیاسی موضوع پر بحث چھڑ گئی تھی' اسی لیے خواتین دسترخوان لگانے کی تیاریاں کرنے لگی تھیں جبکہ وہ سب کی سب شازمین کے کمرے میں ڈیرا جما کر بیٹھ گئیں۔

"سمیرا بھابی! آپ کچھ افسردہ سی لگ رہی ہیں؟" شازمین نے اسے پہلی دفعہ فیصل کے رشتے سے پکارا ، اسے عجیب تو لگا، مگر مہوش کے سختی سے کہنے پر سحرش نے اسے بھابی کہنا شروع کر دیا تھا اور ان تینوں کو بھی یہی کہا تھا کہ وہ سمیرا کو بھابی کہیں، اس لئے آج شازمین نے اسے بھابی کہہ کر پکارا تھا۔

"نہیں، ایسی بات نہیں ہے۔" بدقت تمام مسکرا کر بولی۔

"شازمین بجو! یہ بھیا کی وجہ سے پریشان ہیں، پہلے تو فیصل بھیا بغیر بتائے کنعان بھیا سے ملنے چلے گئے اور واپس آئے تو زخمی ہاتھ کے ساتھ اور یہ نہ ان کی خیریت پوچھ سکیں اور نہ ہی انہیں ان کی تعریف کرنے کا موقع ملا، بس اسی لئے یہ اداس ہیں، ٹھیک کہہ رہی ہوں نا سمیرا بھابی!" سحرش شوخ ہو رہی تھی اور وہ مسکرا بھی نہ سکی، زرمین البتہ چونک گئی، مگر اس وقت اس سے کچھ بھی پوچھنا غیر مناسب ہی تھا، اس لئے وہ خاموش بیٹھی ماہ لاج سے مخاطب ہوئی تھی۔

"تم کیوں خاموش بیٹھی ہو،کوئی بات کرو،کیا ہمارے ہاں آنا اچھا نہیں لگا؟"

"نہیں،ایسی بات نہیں ہے،میں آپ سب کی گفتگو سن رہی تھی۔"

"اچھا،تو اپنے بارے میں کچھ بتاؤ،کیا کرتی ہو،کس کلاس کی اسٹوڈنٹ ہو،مجھے تو بالکل جنین کی ہی ہم عمر لگ رہی ہو۔"

"میں نے انٹر کے ایگزامز دیئے ہیں،رزلٹ آنے کے بعد یونیورسٹی میں ایڈمیشن لوں گی،گھر میں تو فارغ ہی ہوتی ہوں۔"اس نے دھیمے دھیمے اپنے بارے میں بتایا۔

"شادی میں کیوں نہیں آئی تھیں؟"مائدہ نے پوچھا تھا۔

"مام اینڈ ڈیڈ،یو کے گئے ہوئے ہیں اور میں بیمار تھی،اس لئے میں نہیں آسکی اور آج لالہ جان کے ساتھ فیصل لالہ گھر آئے تو میں ان کے کہنے پر آگئی کیونکہ ان کی شادی میں کر دینے کا افسوس تو مجھے بھی ہے۔"

"چلو آج آگئی ہو نا،تو بس آتی رہنا اور پھر ہماری شازمین اور مائدہ کی شادی میں بھی شرکت کر لینا۔"

زرمین اپنائیت سے بولی۔

"کب ہے ان کی شادی؟"مسکرا کر پوچھا۔

"تقریباً!5 سے 6 ماہ میں اور شازمین کی شادی ہے،تم ابھی جن سے لاؤنج میں ملی تھیں،راحم الحسن ان سے ہوگی اور مائدہ ہمارے اکلوتے بھائی کی بیوی بن کر ہماری پیاری بھابی بن جائے گی۔"زرمین نے مسکراتے ہوئے اسے چھیڑا،وہ دونوں ہم عمر تھیں اور ان میں دوستی بھی خوب تھی۔مائدہ کے ہونٹوں پر شرمیلی مسکراہٹ بکھر گئی۔

"آپ سب لوگوں میں اپنائیت اور محبت بہت ہے،آئی رئیلی امپریس۔"

"ارے،اس میں امپریس ہونے والی کیا بات ہے،انسان کی پہچان اس کے رشتے ہی تو ہوتے ہیں۔"

یہ شازمین تھی۔

"شازمین بجو! جہاں پیسوں اور رتبے کا خیال رکھا جاتا ہو وہاں رشتوں کی اپنائیت کیسے بھلی لگتی ہے ،طاقت کے زور پر لوگوں کو سرنگوں کیا جاتا ہے اور دوسروں کو بے بس کر کے وہ خوشی محسوس کرتے کمال کی اداکاری کرتے ہیں کہ ہم سے زیادہ اچھا اور شریف تو کوئی ہوگا ہی نہیں جبکہ اندر سے یہ کتنے گھناؤنی شخصیت کے حامل ہوتے ہیں یہ کسی کو اندازہ ہو ہی نہیں پاتا ، کیونکہ وہ اپنے چہرے پر نقاب چڑھا کر دنیا سے ملتے ہیں اور ہم جیسے مڈل فیملی سے تعلق رکھنے والے ماڈرن واپر ہائی کلاس فیملی سے ملتے ہوئے ان کی طاقت کے سحر میں جکڑ کر ان کی اصلیت جان نہیں پاتے اور نہ ہی جاننے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کے درپردہ راز کھل بھی جائیں تو ہمیں اپنے لئے خاموش ہونا پڑتا ہے، کیونکہ ان کی طاقت کا اثر ہوتا ہی اتنا ہے کہ ہم نہ چاہتے ہوئے بھی خاموش رہتے ہیں۔" حنین کے انداز میں حقارت اور لہجے میں نفرت اور ناگواری سی تھی ، ماہ لاج تو سن ہوگئی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اس نے یہ سب کس کے بارے میں کہا ہے، مگر کیوں وہ یہ نہیں جانتی تھی ،ان میں سے کوئی اسے اس کے برے رویے کا احساس دلاتا کہ وہ ایکسکیوز کہتی وہاں سے اٹھ گئی تھی۔

"شاید انہیں میرا یہاں آنا اچھا...!"

"نہیں ماہ لاج! ایسی بات نہیں ہے، بٹ اگر حنین کی کسی بات نے تمہیں ہرٹ کیا ہے تو میں اس کی طرف سے تم سے سوری کرتی ہوں۔" زرمین بری طرح شرمندگی کے حصار میں بندھ گئی تھی۔

"پلیز، آپ کو سوری کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" ماہ لاج جلدی سے بولی تھی کیونکہ وہ اسے بہت اچھی لگی تھی ،ان کی سوسائٹی میں اور گیدرنگز میں اس طرح کی پرخلوص لڑکیاں نہ ہونے کے برابر تھیں۔

"تم مجھے حنین اور شازمین کی طرح آپی کہہ سکتی ہو۔"

"نہیں لاج! تم بھابی کو میری طرح ہی کہنا۔" سحرش نے مداخلت کی اور وہ مسکرادی۔

"جیسے تم لوگوں کی مرضی۔"

"میں جا کر دیکھتی ہوں، ہم سب یہاں بیٹھے ہوئے ہیں اور مامی اور مماوغیرہ کام میں لگی ہوں گی۔" مائدہ کے ساتھ ہی شازمین بھی چلی گئی تھی۔

"سحرش! ایسا کرو تم لاج کو پورا گھر دکھادو۔" زرمین کے کہنے پر وہ اسے لئے باہر نکل گئی۔

"سمیرا! کیا بات ہے؟ تم اتنی خاموشی کیوں ہو، اتنی دیر میں ایک لفظ نہیں بولا تم نے، فیصل نے تم سے کچھ کہا ہے؟" کمرے میں بس وہی دونوں رہ گئی تھیں، سمیرا کو لیکن احساس نہیں ہوا تھا وہ انگلی میں انگوٹھی اتار اور چڑھا رہی تھی، زرمین کی آواز بہت قریب گونجی تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی اور زرمین نے اپنی بات دہرائی، کیونکہ اسے لگا تھا کہ اس نے کچھ سنا نہیں ہے۔

"بھابی! انہوں نے مجھ سے کچھ نہیں کہا، میرے کمرے میں جا کر انہیں مخاطب کرنے پر وہ کمرے سے ہی نہیں گھر سے بھی نکل گئے تھے اور ہمارے آنے سے 10?15 منٹ پہلے ہی آئے ہوں گے، ان کے چہرے و انداز میں اتنی سختی تھی کہ میں تو انہیں مخاطب کرنے کی بھی ہمت نہ کر سکی اور یہ بھی نہ پوچھ سکی کہ ان کے ہاتھ میں کیا ہوا؟ میں ہی اس سب کی ذمے دار ہوں نہ میں ان سے جھگڑا کرتی اور نہ ہی وہ غصے میں گھر سے نکلتے اور نہ ہی ان کا ہاتھ زخمی ہوتا۔" وہ کب سے بند باندھے بیٹھی تھی، سارا ضبط ٹوٹ گیا اور وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپائے رونے لگی۔

"سمیرا! پلیز چپ کر جاؤ، رونا مسائل کا حل نہیں ہوتا۔"

"وہ مجھے جان کر اگنور کر رہے ہیں۔"

"کب تک کریں گے، تم حوصلہ رکھو، اس طرح ری ایکٹ کرو گی تو سب کو پتہ چل جائے گا اور یہ بات فیصل کو پسند نہیں آئے گی، فیصلہ کرنا سیکھو سمیرا! وہ اگر تمہیں اگنور کر رہے ہیں تو فی الحال ایسا کرنے دو، موقع ملتے ہی پوچھ لینا، اپنی غلطی کا اعتراف کر لینا، وہ سب بھول جائیں گے، مگر تمہارا یہ کھویا کھویا انداز سب کو ہی تشویش میں مبتلا کرے گا۔" زرمین نے اسے سمجھایا۔

"میں کیا کروں بھابی! مجھ سے روتے ہوئے دل کے ساتھ ہنسی کے ڈرامے نہیں ہوتے، میں ہی جانتی ہوں کہ میں نے اب تک خود پر کیسے کنٹرول رکھا ہے، ورنہ تو میں ذرا سی پھانس بھی چبھ جاتی تھی تو دوڑ کر ڈیڈی کے پاس جاتی تھی اور آج ڈیڈی کو اداس ہونے کا سبب بھی نہ بتا سکی۔" زرمین نے اس کے آنسو صاف کیئے۔

"میں ہوں نا، جو بھی بات ہوا کرے تم مجھ سے شیئر کرلیا کرو، اس طرح تمہارے دل پر بوجھ بھی نہیں پڑے گا، تم یہ سب باتیں اگر انکل سے کہوگی تو وہ پریشان ہوں گے اور ماما سے کہوگی تو وہ فیصل سے جواب طلبی کریں گی اور یہ تمہارے رشتے کے حق میں مضر ثابت ہوگا اور تم بھی خود کو چھوٹی چھوٹی باتوں کیلئے پریشان نہ کرو، فیصل ابھی ناراض ہیں تھوڑی دیر بعد راضی ہو جائیں گے، مگر اتنے عرصے میں تم اپنا سیروں خون جلا چکی ہوگی، اس لئے مائی لٹل سسٹر! چھوٹی چھوٹی باتوں پر پریشان ہونا چھوڑ دو اسی لئے تو میں کہتی ہوں کہ تم حنین کے جیسی ہو، وہ بھی اسی طرح ذرا ذرا سی بات پر پریشان ہو جاتی ہے۔" زرمین نے پیار سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اسے سمجھایا اور وہ دونوں باہر آ گئی تھیں۔

"ارے، یہ دو پیاری سی حوریں کہاں سے آئی ہیں، اس دنیا کی تو نہیں لگتیں۔" وہ دونوں تقریباً ایک جیسی ڈریسنگ میں بہنیں ہی لگ رہی تھیں۔ یوسف الحسن کی شرارت پر وہ دونوں ہی جھینپ گئیں اور باپ کے اشارے سے بلانے پر سمیرا چلتی ہوئی ان کے پاس جا رکی اور انہوں نے اسے اپنے برابر بٹھالیا اور وہ ان سے بات کرنے لگی، جان بوجھ کر اس نے ساتھ والے صوفے پر کنعان اور فضیل کے ساتھ بیٹھے فیصل کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

"بچو! آج کی محفل کچھ پھیکی پھیکی سی نہیں لگ رہی؟" یہ فیاض صاحب تھے۔

"وہی تو انکل! خواتین اپنے مشغلوں میں مصروف ہیں اور ہم فضول کے مباحثوں میں، کچھ اسپیشل تو ہونا چاہئے۔" راحم جلدی سے بولا۔

"تمہارا کیا خیال ہے یوسف! کچھ رونق تو لگنی ہی چاہئے کہ یہ وقت بھی یادگار بن کر ہماری یادوں میں ہمیشہ کیلئے محفوظ ہو جائے۔"

"یار! اب اس عمر میں کیا کریں گے؟ اتنا تک شری تو مہندی کی شب کھیل لی تھی، اب کیا ڈانس کرنے کا ارادہ بن گیا ہے؟" یوسف الحسن ہنس تھے۔

"ویسے آئیڈیا برا نہیں ہے۔" فیاض کے کہنے پر ان دونوں نے ہی ساتھ قہقہہ لگایا تھا۔

"میں آپ دونوں کی مسز کو بلا لاتا ہوں، آج زبردست کپل ڈانس ہو ہی جائے۔" راحم مزے سے کہتا ہوا کچن کی جانب بڑھ گیا۔

" کھانا لگ گیا ہے، پہلے سب کھانا کھا لیں اس کے بعد جیسے چاہیں رونق لگائیں۔" فریدہ کے کہنے پر وہ سب ڈائننگ ہال میں آ گئے۔

"شازمین! یہ جنین کہاں ہے، کب سے نظر نہیں آئی، جا کر دیکھو ذرا، کھانا نہیں کھائے گی؟" وہ تھوڑی ہی دیر میں واپس آ گئی۔

"وہ کھانا نہیں کھا رہی، اسے بھوک نہیں ہے۔" کچن میں اس وقت فریدہ کے ساتھ ساجدہ تھیں اور پانی لینے آئی زرمین چونک اٹھی۔

"یہی حرکتیں ہیں فریدہ! اس کی جو مجھے چین سے جینے نہیں دے رہیں، ہر دوسرے دن ایک نیا ڈرامہ، نئی فرمائش وضد، مجھے تو اس لڑکی نے تنگ کر کے رکھ دیا ہے۔" ساجدہ اس کے ایک دم کمرے میں بند ہو جانے پر اپ سیٹ تھیں۔

"بھابی! میں دیکھتی ہوں جا کر۔" وہ بھی اس کی کمی محسوس کر رہی تھیں۔

"نہیں ضرورت نہیں ہے، کوئی یہاں مہارانی صاحبہ کے ملازم نہیں بیٹھے کہ " کہ منت منت میں انہیں کمرے میں بلانے جائیں گے نہیں کھانا تو نہ کھائے۔" وہ بریانی کی ڈش لئے وہاں سے نکل گئی تھیں۔

”زرمین بیٹا! آجاؤ کھانا نہیں کھارہیں؟“

”پھپھا جان! میں بس ابھی آرہی ہوں، آپ لوگ شروع کریں۔“ وہ تینوں سمجھ گئی تھیں کہ وہ حنین کو بلانے جارہی ہے۔

”حنین! کھانا کیوں نہیں کھارہیں؟ چلو سب تمہارا انتظار کررہے ہیں۔“ اس نے سرہانے بیٹھتے ہوئے اس کے بال ہٹا کر چہرہ سامنے کیا تھا۔

”آپی! مجھے بھوک نہیں ہے، آپ جا کر کھالیں، میں بعد میں کھالوں گی۔“

”تمہیں کسی نے کچھ کہا ہے؟ میں نوٹ کررہی ہوں کہ تم کافی دیر سے اپنے کمرے میں ہو۔“

”نہیں آپی! بس میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔“

”ادھر دیکھو میری طرف۔“ اس کے لہجے میں نمی محسوس کر کے اس نے اس کا چہرہ اپنی طرف کیا تھا۔

”کیا چھپا رہی ہو مجھ سے، بولو؟“

”آپی! سچ کوئی بات نہیں ہے۔“ اس نے اپنے آنسو رگڑے تھے۔

”کوئی بات نہیں ہے تو رو کیوں رہی ہو؟“ وہ متحیر ہوئی تھی اور وہ اس کا ہاتھ اپنے کاندھے سے ہٹاتی واش روم میں جا بند ہوئی تھی۔

”کوئی بات تو ضرور ہے، مگر میں پوچھوں کس سے؟ کھانے کے بعد شازمین سے پوچھوں گی۔“ وہ دل میں ارادہ کرتی سب لوگوں کے خیال سے ڈائننگ ہال میں آگئی۔

”حنین کہاں ہے، اسے کھانے کیلئے نہیں بلایا؟“ یوسف الحسن بولے۔

”بھائی صاحب! زرمین بیٹی بلانے گئی ہے آپ بسم اللہ کریں۔“ ساجدہ نے اپنی چیئر سنبھالی تھی۔

”زرمین! حنین نہیں آئی؟“ نوید عالم نے بیٹی سے پوچھا تھا۔

”ابو! وہ سوگئی ہے، اٹھے گی تو کھالے گی۔“ جواب دیتے ہوئے وہ اپنی چیئر پر بیٹھ گئی، ماہ کنعان کو اپنا

آپ مجرم لگنے لگا تھا۔

" کنعان بیٹا! آپ کچھ لے کیوں نہیں رہے؟" فیصل کے برابر براجمان ماہ کنعان کو فیاض نے ٹوکا تو وہ چونک اٹھا اور بے خیالی میں اس کے ہاتھ سے اسپون چھوٹ کر پلیٹ میں جا کر گرا اور بریانی کے دانے ادھر ادھر بکھرتے رائیتے کے چھینٹوں کے ساتھ اس کے کوٹ پر بھی نشان چھوڑ گئے تھے۔

" آر یو او کے؟ کنعان؟" فیصل نے تشویش سے پوچھا تھا۔

" اوہوں... ہاں سوری!" اس کے خیال کی طنابیں یکدم ٹوٹی تھیں اور وہ کرسی کھسکا کر اٹھ گیا۔

" اسجد! انہیں اپنے کمرے میں لے جاؤ تا کہ یہ کپڑے واش کر لیں۔" نوید عالم نے کہا اور وہ اٹھنے لگا تھا کہ ماہ کنعان روکا گیا۔

" آپ پلیز مجھے صرف یہ بتا دیجئے کہ مجھے کس طرف جانا ہے، آپ میری وجہ سے کھانا چھوڑ کر نہ اٹھیں۔" اسے سب کے ہاتھ روک دینے پر شرمندگی سی محسوس ہونے لگی تھی۔

" اٹس او کے کنعان!" اسجد نے چیئر کھسکا کر اٹھتے ہوئے کہا تھا۔

" میں نے کہا ناں آپ میری وجہ سے پریشان نہ ہوں۔"

" اسجد! رہنے دو کنعان خود ہی چلا جائے گا۔ کنعان! تم اسٹیئرز کے اوپر جا کر لیفٹ سائیڈ پر بنے اسجد کے روم میں چلے جانا۔" فیصل کے کہنے پر وہ بیٹھ گیا اور """ کنعان ڈائننگ ہال سے نکل گیا، تیزی سے اسٹیئرز چڑھتا اوپر پہنچا تھا اس کے ذہن سے نکل گیا کہ فیصل نے لیفٹ سائیڈ کی بات کی تھی یا رائٹ کی، وہاں تین کمرے تھے اور جس میں سے ایک کے دروازے کے ہینڈل پر اس نے ہاتھ رکھا، جو گھمانے سے کھل گیا، کمرے میں قدم رکھا، کمرہ نیم تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا، لائٹ پنک کلر کے کمبی نیشن میں کمرہ ڈیکوریٹ تھا اور ڈیکوریشن سے ہی وہ کسی کم عمر لڑکی کا روم لگ رہا تھا، در و دیوار سے ہوتی اس کی نظر بیڈ پر سوئے وجود پر پڑی اور اس کی نگاہ ساکت ہوگئی، بیڈ کے عین وسط میں وہ پہلو کے بل لیٹی ہوئی تھی، اس کا

فیروزی آنچل سائیڈ میں اس طرح رکھا ہوا تھا کہ آدھا بیڈ سے نیچے لٹک رہا تھا، داہنا ہاتھ اس نے ماتھے پر الٹا رکھا ہوا تھا اور بایاں ہاتھ گال کے نیچے رکھا ہوا تھا، فیروزی رنگ کی کاٹن کی قمیض میں اس کے جسم کے نشیب و فراز عیاں تھے ٹراؤزر کے پائنچے قدرے اوپر تھے، ایک پاؤں میں پائل تھی جو اس کے سرخ و سپید خوبصورت پاؤں کی خوبصورتی کو مزید بڑھا رہی تھی، دوسری پائل گر گئی تھی یا اس نے پہنی ہی نہیں تھی۔ یہ وہ نہیں جانتا تھا، پیروں سے ہوتی اس کی نظر چہرے کے خدوخال پر اٹک گئی شنگرفی لب آپس میں باہم پیوست تھے، سرخ اناروں جیسے مژگاں، لانبی ستواں ناک آنکھیں بند ہونے کی وجہ سے وہ ان کا کلر اور گہرائی تو نہیں دیکھ سکا، بند آنکھوں پر سایہ فگن سیاہ پل""" سیاہ پلکیں اور آنکھوں کے کناروں پر اٹکے چند موتی کان میں پڑی ننھی سی گولڈ کی بالی اور تکیہ کے دائیں بائیں بکھرے سیاہ ریشمی بال بال توجہ کے طلب گار معلوم ہو رہے تھے، کوئی انجان قوت اسے اس کی جانب کھینچ رہی تھی، وہ یک ٹک مبہوت سا اسے دیکھتا عجیب دیوانگی کے عالم میں اس پر جھکنے کو تھا کہ وہ رک گیا اور ایک نظر اسے دیکھ کر جلدی سے باہر نکل گیا تھا کہ کہیں اس سے کوئی غلطی یا گناہ سرزد نہ ہو جائے، وہ اس کے برابر کے کمرے کے بجائے لیفٹ سائیڈ پر بنے کمرے میں داخل ہو گیا اور لانبے لانبے گہرے گہرے سانس لینے لگا۔

"او مائی گاڈ! یہ مجھے اسے دیکھ کر کیا ہونے لگا تھا؟" وہ سر تھام گیا اور وقت گزرنے کا خیال جیسے ہی آیا وہ واش روم کی جانب بڑھ گیا، کوٹ دھونے کے بجائے اس نے لٹکا دیا اور منہ پر پانی ڈالتا، ٹاول سے خشک کرتا وہ روم سے نکل آیا۔

"یار! بڑی دیر کردی؟" فیصل نے اس کے سنجیدہ چہرے کا جائزہ لیا تھا۔

"ہاں... میں نے وہ کوٹ اسجد کے واش روم میں ہی چھوڑ دیا ہے۔"

"اچھا کیا بیٹا! ہم ڈرائی کلین کروا کے تم کو دے دیں گے، تم آکر کھانا کھالو۔"

"نہیں آنٹی! میں کھا چکا ہوں۔" آستین فولڈ کرتے ہوئے راشدہ سے کہا تھا۔

"یار! کیا کھا چکے ہو، بمشکل چند نوالے ہی لیئے ہوں گے۔ آ جاؤ کھانا...!"

"بس فیصل! میرا موڈ نہیں ہے۔" وہ غیر معمولی سنجیدگی سے بولا تھا۔

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟" وہ اس کے پاس آ رکا تھا۔

"مجھے اپنی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی۔ اس وقت تم مجھے اجازت دو اور پلیز تم لاج کو گھر چھوڑ دینا۔

" فیصل نے دوست کا جائزہ لیا، بلیک پینٹ، وائٹ شرٹ میں اس کا لانبا قد بڑا ہی نمایاں تھا اور وہ کافی ڈسٹرب لگ رہا تھا۔

"اوکے! میں لاج کو ڈراپ کر دوں گا۔" فیصل نے حامی بھر لی اور وہ اس کے ساتھ اس کے جانے کا بتانے آیا، مگر نوید عالم نے اسے اس طرح جانے سے منع کر دیا، انہیں یہ بات اچھی نہیں لگ رہی تھی کہ وہ ان کے گھر سے ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھنے کے بعد بھی کچھ کھائے بغیر چلا جائے۔

"انکل! مجھے ایک ایمرجنسی کال...!"

" کچھ نہیں ہوتا یار! ساتھ مل بیٹھنے کا موقع کہاں روز روز ملتا ہے۔" اور وہ سب کے انسسٹ کرنے پر نہ چاہتے ہوئے بھی رک گیا، مگر کچھ کھانے پر پھر بھی راضی نہیں ہوا تھا۔

"چلو جیسے تمہاری مرضی بیٹا! اور ابھی ارحم آنے والا ہے، تم اس کے ساتھ کھانا کھا لینا۔" یوسف الحسن کے کہنے پر وہ صوفے پر آ بیٹھا، مگر اس کا ذہن بری طرح منتشر تھا۔

"انکل! پھر کیا ارادے ہیں کپل ڈانس کر رہے ہیں یا بس ویسے ہی مذاق کیا تھا؟" راحم نے شرارت سے پوچھا۔

"بیٹا جی! ہم تو تیار ہیں مگر آپ کی آنٹی راضی نہیں ہوں گی۔" فیاض نے ہنستے ہوئے بیوی کو دیکھا۔

" کیوں آنٹی! پھر کیا خیال ہے؟"

"آپ کا خیال بہت ہی برا ہے، اس لیئے چپکے بیٹھے رہیئے۔" مہوش نے اس کے ایک دھپ لگائی تو وہ

ہنسنے لگا۔

"انکل! یہ پروگرام تو کینسل ہو گیا، کچھ نیا سوچیں۔" وہ کہاں باز آنے والوں میں سے تھا۔

"بیت بازی کیسی رہے" شاکر نے پوچھا تھا۔

"زبردست آئیڈیا... !بٹ سب کو اس میں حصہ لینا پڑے گا، یہ نہ ہو ہم دو چار لوگ ہی شعر پڑھتے رہیں بھائی صاحب اور بھابی جان بھی کھیلیں گی تو ٹھیک ؟ورنہ سب کینسل۔" یوسف الحسن نے حمایت کرنے کے بعد فیصلہ سنایا۔

"آپ میری وجہ سے کچھ کینسل نہ کریں جناب! ایک دو شعر تو ہمیں بھی آتے ہی ہیں، وہی سنا دیں گے۔" نوید عالم کے شگفتگی سے کہنے پر وہ سب ہی الرٹ ہو گئے اور دو ٹیمیں بن گئیں۔

"شازمین بیٹا! ایسا کرو حنین کو بھی اٹھا لاؤ، اس کے بغیر محفل کچھ سونی سونی لگ رہی ہے، اس کی شرارتیں محفل میں جان ڈال دیتی ہیں۔" یوسف الحسن چائے سرو کرتی بھتیجی سے بولے۔

"ہاں بھئی پاپا! بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں، حنین کے بغیر محفل کچھ جم نہیں رہی۔" راحم نے حسب عادت ٹکڑا لگایا تھا۔

"السلام علیکم!" ارحم نے داخل ہوتے ہوئے سلامتی بھیجی تھی۔

"کافی دیر نہیں کر دی بیٹا! تم نے آنے میں؟" راشدہ پیار سے بولی تھیں۔

"مامی! ڈیوٹی آف کر کے سیدھا آ رہا ہوں، شازمین! مجھے پانی پلا دو۔"

"کھانا کھا لو بیٹا!" ساجدہ نے کہا۔

"نہیں ابھی تو بھوک نہیں ہے، ٹھہر کر کھاؤں گا، تم مجھے بھی چائے دے دو۔"

"شازمین! میرے لئے بھی چائے لے آنا، میری آدھی چائے اس ارحم کے بچے نے پی لی ہے۔" فضیل نے جاتی ہوئی شازمین کو آواز لگائی، کیونکہ ارحم نے اس کا چائے کا کپ اٹھا کر چائے پینا شروع کر دی۔

"پاپا! شروع کریں ناں، ٹائم ویسٹ ہو رہا ہے۔"

"ممی...!" چیخ کی آواز پر وہ سب ہی پریشان ہو گئے تھے۔

"حنین یقیناً سوتے میں ڈر گئی ہو گی، میں دیکھتی ہوں۔" ساجدہ پریشانی سے اٹھی تھیں۔

"چچی! آپ رہنے دیجیے، میں جا رہی ہوں۔" زرمین نے ساجدہ سے کہا تھا اور چائے کا آدھا کپ یونہی چھوڑ کر وہ عجلت میں وہاں سے نکل گئی تھی۔

"تم چائے نہیں پی رہے؟" اس نے فضیل کو ٹہوکا دیا تھا۔

"میری چائے تم پی چکے ہو اور میں تو حیران ہوں کہ ایسا تم نے کیسے کر لیا؟"

"سب تیری صحبت کا نتیجہ ہے اور چائے کا کپ سامنے تو رکھا ہے، پی لو تمہاری بیوی نے ہی پی ہے، اس لئے نو پرابلم۔" وہ مذاق کے موڈ میں تھا۔

"صحیح کہا، مجھے تو خیال ہی نہیں آیا تھا، یاد دلانے کا شکریہ۔" وہ دونوں دھیمے دھیمے گفتگو کر رہے تھے اور اس نے مسکراتے ہوئے ادھا پیا چائے کا کپ منہ سے لگا لیا تھا۔

"شرم کر لے کچھ بجائے مجھے منع کرنے کے، غٹا غٹ چڑھا گیا۔" اس نے اسے کچھ شرم دلانی چاہی تھی۔

"ہم بے شرم تو بے شرم ہی سہی۔" اس نے آنکھ ماری تھی اور وہ اسے گھور کر رہ گیا۔ جبھی حنین اور زرمین وہاں چلی آئی تھیں۔

"ہیلو پریٹی گرل! خیریت آج اتنی جلدی کیسے سو گئی تھیں؟"

"وہ بس آنکھ لگ گئی تھی ارحم بھیا! مگر آپ کب آئے؟" اس نے جمائی روکتے ہوئے استفسار کیا اور فریدہ کے برابر جا بیٹھی۔

"بس تھوڑی ہی دیر ہوئی ہے، تم سناؤ، تم کب بڑی ہو گی، بچوں کی طرح نیند میں ڈر جاتی ہو۔" اس نے ہنستے ہوئے مذاقاً کہا تھا، لیکن اس کا منہ بن گیا۔

"سب تو میرا مذاق بناتے ہی ہیں، مگر آپ سے مجھے یہ امید نہیں تھی۔" ماہ کنعان کی نگاہ اس کے سوئے ہوئے خفا چہرے تک گئی، اس کی بھوری آنکھوں میں نیند کا ہلکا سا خمار اب بھی جاگزیں تھا، اس نے دوسرے ہی پل نگاہ چرالی کہ کہیں پھر سے وہ اس کے سحر میں نہ جکڑنے لگے۔

"میں تمہارا مذاق نہیں بنارہا تھا یہ بتاؤ کھانا کھالیا ہے؟"

"نہیں اور ابھی مجھے بھوک نہیں ہے۔" ہنوز خفگی سے بولی تھی۔

" گڈ مجھے بھی بھوک نہیں ہے، کچھ دیر بعد ساتھ ہی کھائیں گے۔"

"آپ لوگوں کی باتیں ختم ہوگئی ہوں تو ہم بیت بازی شروع کریں؟"

"بیت بازی کیا ہوتی ہے راحم بھیا؟" کہتے ہوئے نظر اٹھا کر اسے دیکھا مگر اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر موجود ماہ کنعان کو دیکھ کر اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا جو راحم سے چھپا نہیں رہ سکا تھا۔

"چلو بھئی! ہوگیا مقابلہ ان محترمہ کو یہ بھی نہیں پتہ کہ بیت بازی کیا ہوتی ہے۔تو یہ کھیلیں گی کیسے؟" انداز سراسر چڑانے والا تھا۔

"اب نہیں پتہ تو آپ کی طرح جھوٹ نہیں کہہ سکتی کہ مجھے سب معلوم ہے مجھے اپنی کمزوریوں کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کی طرح ڈر نہیں لگتا۔" وہ نروٹھے انداز میں بولی اور مہوش اسے گیم اور اس کے رولز بتانے لگیں۔

"لیکن آنٹی! مجھے شعر نہیں آتے تو میں سناؤں گی کیسے؟" اسے نئی فکر لاحق ہوئی تھی۔

"تم شعر نہیں گیدڑ سنا دینا۔" فضیل نے کہا تھا۔

"اور یہ مت کہنا کہ تمہیں نہیں آتے۔" فضیل کے شرارت سے کہنے پر ارحم نے بھی ٹکڑا لگایا تھا اور وہ غصے سے وہاں سے واک آؤٹ کرنے لگی تھی کہ فریدہ اس کا ہاتھ تھام گئی تھیں۔

"ہم سب ہیں ناں تمہاری ہیلپ کیلئے۔" وہ کنعان کی وجہ سے جانا چاہ رہی تھی مگر سب کے اصرار پر لا

محالہ رکناپڑا۔

"اورتم کم ازکم بیٹھ کردیکھ اورسن توسکتی ہو۔" زرمین نے اسے اپنے ساتھ بٹھالیا اور طے پایا کہ یہاں موجود سب ہی لوگ کوئی نہ کوئی شعر ضرور سنائیں گے اور گیم کا با قاعدہ آغاز کیا، کیونکہ اس گیم کا مشورہ ان ہی کی جانب سے آیا تھا اس لئے سب ان کے پیچھے پڑ گئے کہ پہلا شعر وہی پڑھیں اور وہ مان بھی گئے تھے۔

"رکھتے ہیں جواوروں کیلئے پیار کا جذبہ

وہ لوگ کبھی ٹوٹ کر بکھرا نہیں کرتے"

شاکر نے بڑی خوبصورتی سے محفل بیت بازی کی شروعات کی ان کے بعد ساجدہ نے شعر پڑھا۔

"یہ ظرف کی بات ہے کوئی سمیٹے رکھتا ہے کس طرح خود کو

جتنے دکھ ملتے ہیں اتنے دامن کشادہ نہیں ہوتے"

"بھائی صاحب!"یہ" سے نہیں تو "ہے" سے شعر پڑھ دیں۔" فیاض، نوید عالم سے بولے تھے۔

"ہم کہ روٹھی ہوئی رت کو بھی منالیتے تھے

ہم نے دیکھا ہی نہ تھا موسم ہجراں جاناں"

"واہ بھائی صاحب! کیا خوبصورت شعر پڑھا ہے۔" یوسف الحسن نے ان سب کے دل کی بات کو زبان دے دی تھی۔

"بھابی بیگم! آپ نے زبردست جواب دینا ہے بس لفظ کی کوئی قید نہیں ہے۔" یہ فریدہ تھیں۔

"زندگی تیری عطا تھی تو ترے نام کی ہے

ہم نے جیسے بھی بسر کی ترا احساں جاناں"

انہوں نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ شعر پڑھا، ان دونوں میاں بیوی کی نگاہیں ٹکرائی تھیں اور وہ دونوں ہی

مسکرا دیئے، سب ہی داد دینے لگے۔

"آپی! یہ گیم بہت فضول ہے، میں جا رہی ہوں۔"

"ارے بیٹھی رہو ناں، اتنا تو مزہ آ رہا ہے۔" زرمین کے کہنے پر وہ مجبوراً بیٹھ گئی۔

"قربتوں میں بھی جدائی کے زمانے مانگے

دل وہ بے مہر کہ رونے کے بہانے مانگے"

زرمین نے ایک نظر اس کے سنجیدہ چہرے پر ڈالی، یہ سنجیدگی اس کی شخصیت کا خاصہ ہرگز نہیں تھی۔

"بارہا دل تری قربت سے دھڑک اٹھا ہے

گو ابھی وقت حقیقت میں وہ آیا بھی نہیں"

فضیل نے بھی اسے دیکھا اور اس کی پلکیں عارضوں پر جھک آئی تھیں اور اس کے گلنار چہرے کو دیکھ کر اسے لگا شاید کہ اس کا انتظار ختم ہونے کو ہے، اس کے لبوں پر اسی سوچ نے مسکراہٹ بکھیر دی۔

"اگر میں سویا تو وہ کیوں نہ سویا' اگر میں جاگا وہ کیوں نہ جاگا'

وہ میرا تھا تو اسے میرے حسب حال ہونا تو چاہئے تھا"

فیصل نے سمیرا کے اداس چہرے کو دیکھ کر شعر میں دل کی بات کہی تھی، فیصل کے بعد سمیرا کی باری تھی، مگر اس نے معذرت کر لی، اس کی جگہ شازمین نے نوشی گیلانی کا شعر پڑھا۔

"کوئی خواہش نہیں تجھ سے اے مری عمر رواں

میرا بچپن' میرے جگنو' مری گڑیا لا دے"

راحم جو کسی رومینٹک شعر کا منتظر تھا، سخت بور ہوا تھا۔

"محبت اپنی بھی اثر رکھتی ہے فراز

بہت یاد آئیں گے ذرا بھول کر تو دیکھو"

راحم کے بعد باقی سب نے معذرت کر لی، ماہ کنعان جو خاموشی سے بیٹھا محفل انجوائے کر رہا تھا اس نے یکدم نگاہ اٹھائی، جو جنین کے دلکش چہرے سے ہوتی اس کے خوبصورت ہاتھوں پر رک گئی، وہ ہاتھ میں پڑیں چند چوڑیوں سے کھیل رہی تھی، یہ محفل نہ اس کے مزاج کے مطابق تھی اور نہ وہ یہاں دل سے بیٹھی تھی، وہ تو زرمین اور فریدہ کے بیچ میں گویا پھنسی ہوئی تھی اور محفل جو برخاست ہونے لگی تھی، ماہ کنعان کی خوبصورت آواز پر ایک بار پھر سج سی گئی اور محفل کا آخری شعر تھا، اس لئے سب نے ہی کہا کہ اگر اسے پوری نظم یاد ہے تو وہ پڑھ سکتا ہے اور اس کے تو دل کی کلی کھل گئی تھی۔

"کاش میں تیرے حسین ہاتھ کا کنگن ہوتا

تو بڑے پیار سے، بڑی چاہت سے، بڑے مان کے ساتھ

اپنی نازک سی کلائی میں سجاتی مجھ کو

اور بے تابی سے فرقت کے خزاں لمحوں میں

کسی سوچ میں ڈوبی جو گھماتی مجھ کو"

وہ حتی المقدور کوشش کر رہا تھا کہ نگاہ اس تک نہ جائے، مگر بے خودی سی بے خودی تھی، نگاہ تھی کہ بھٹک بھٹک جا رہی تھی اور وہ جو ہاتھ میں پڑیں کانچ کی چوڑیوں کو بائیں ہاتھ کی انگلیوں سے جنبش دے رہی تھی، نگاہ اٹھائی اور اس کی نگاہ خود پر محسوس کرتی وہ لمحہ کے ہزارویں حصے میں نگاہ ہٹاتی اپنے دلچسپ فعل کی انجام دہی سے یکدم رک گئی، یہ اس کی پختہ عادت تھی کہ جب کبھی فرصت سے اکیلے میں ہوتی یا محفل اس کے مزاج کے مطابق نہیں ہوتی تو وہ ہاتھ میں موجود چوڑیوں، بریسلیٹ یا پھر گھڑی کو گھماتی اوپر سے نیچے کرتی رہتی تھی اور دوسرا یہ کہ وہ اپنے بالوں میں انگلیاں پھیرتی رہتی تھی اور اس وقت نجانے کیوں اسے لگا کہ وہ اس پر چوٹ کر رہا ہے، اس لئے وہ نہ صرف اپنی حرکت سے باز آئی بلکہ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں باہم پیوست کر لیں اور اس کے لبوں کو مسکراہٹ چھو گئی۔

''اور جب کبھی موڈ میں آ کر تو اسے چوما کرتی

تیرے ہونٹوں کی حدت سے میں دہک سا جاتا

اور جب کبھی بند قبا کھلنے لگتی جاناں

اپنی آنکھوں کو تیرے حسن سے خیراں کرتا

مجھ کو بے تاب سا رکھتا تیری چاہت کا نشہ

میں تیری زلفوں کے آنگن میں مہکتا رہتا''

ایک عجیب سا احساس اس کی رگ و جاں میں اترنے لگا اور وہ ہاتھ اپنی پونی ٹیل سے ہٹاتی اٹھ گئی اور اس کے ہاتھ ہٹانے پر اس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھری تھی کہ اس کے اٹھ جانے پر سمٹ گئی، فیصل حیران سا اسے دیکھنے لگا اور ارحم الحسن کے چہرے پر غصے کے اثرات نمودار ہونے لگے۔

'' کچھ نہیں تو یہی بے نام سا بندھن ہوتا

کاش میں تیرے حسیں ہاتھ کا کنگن ہوتا''

وہ کسی کو بھی دیکھے بغیر کمرے سے نکل گئی، سب اس کے انداز اور کلام کی تعریف میں رطب اللساں ہو گئے تھے، ڈرائیونگ کرتے ہوئے بھی اس کا چہرہ اس کی مرمریں کلائی اور اس میں کھنکھناتی چوڑیوں کو تصور کی آنکھ سے دیکھتا، وہ دل ہی دل میں ان آخری 2 شعروں کو دہرائے جا رہا تھا اور مسکراہٹ تھی جو اس کے جو اس کے شنگرفی لبوں پر ٹھہر سی گئی تھی۔

☆☆☆ (باقی آئندہ)

افسانچہ☆اعتبار☆

تحریر: آمنہ نثار

ایم ایس اردو (بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد)

کچھ لوگ رنگ بدلنے میں بہت ماہر ہوتے ہیں ۔۔۔اتنی جلدی رنگ بدلتے ہیں کہ گرگٹ بھی سوچ میں پڑھ جاتا ہے۔۔۔کہ یہ انسانوں میں کون سی قسم ہے جس نے مجھے بھی پیچھے چھوڑ دیا ۔۔۔۔دکھاوے میں اتنے ماہر کہ حقیقت کا گمان ہونے لگتا ہے۔۔۔مگر وقت بہت سفاک ہوتا ہے جتنا بھی چھپا لو ایک نہ ایک دن انسان کا اصل چہرہ دکھا دیتا ہے۔۔۔ پھر چہروں پر جمی منافقت کی دھول بھی اصلیت کو چھپا نہیں سکتی۔۔۔شرافت کا لبادہ بھی حقیقت کو ڈھانپنے میں ناکام رہتا ہے۔۔۔اصل چہرہ عیاں ہو جاتا ہے۔۔۔خلوص اور احساس کا پیکر ۔۔۔۔ہاں ہاں۔۔۔وہی۔۔۔۔ذہن کے کسی گوشے سے ہلکی ہلکی آواز سماعتوں سے ٹکراتی ہے۔۔۔اور۔۔دل مسلسل نفی کرتا ہے۔۔۔۔پھر۔۔نہ سانس رکی۔۔۔نہ آخری ہچکی۔۔۔۔بس موت ہوئی۔۔۔جس کا کسی نے جنازہ نہ پڑھا۔۔۔نہ میت کو دیکھا۔۔۔۔نہ آنسو نکلے ۔۔۔۔نہ فاتحہ خوانی ہوئی۔۔۔۔بس دفنا دیا گیا۔۔۔۔بہت گہری قبر میں۔۔۔۔اس کی قبر پر پہچان کے لیے تختی نصب نہیں کی گئی۔۔۔تاکہ پھر سے اس کی بے حرمتی نہ ہو۔۔۔ہاں سچ ہے یہ۔۔۔دفنا دیا ۔۔۔۔دفنا دیا ہے۔۔۔۔اعتبار کو بہت گہری قبر میں۔۔۔۔

☆......☆......☆

افسانہ☆اکیلا چاند☆

تحریر: نبیلہ خان (ڈیرہ اسمائیل خان)

.....سمندر کے کنارے ہلکے آسمانی رنگ کے ریشمی لبادے میں لپٹے وجود کے ساتھ وہ مکمل چاند کو تکتے ہوئے یہ سوچے جارہی تھی کہ کاش اسوقت اسکے ساتھ اسکا محبوب اسکی جان متاع اسکی زندگی کا محور بھی اسکے ساتھ ہوتا تو یہ منظر کتنا خوبصورت کتنا مکمل ہوتا... بلکل اس مکمل چاند کی طرح...... جسے دیکھنے کی اسکو ہمیشہ خواہش رہتی.......

تب اسکا محبوب اسکا شوہر اسکی خواہش کا احترام کرتے ہوئے ضرور چاندنی رات کی فسوں خیزی دکھانے کے لیے سمندر کے کنارے لے کر آتا.......... اور وہ بچوں کی طرح خوشی مناتی... اسپر ہاتھ سے پانی اچھالتے ہوئے کسی معصوم اپسرا کی طرح لگتی........ مگر آج وہ تنہا اس منظر میں کھوئی کھوئی کھڑی تھی.......... دکھ اسکے چہرے سے عیاں تھا...... اور اسکی جھیل جیسی آنکھوں میں سمندر کے پانی سے بھی زیادہ نمکین پانی ہلکورے لے رہا تھا......... چاند کو ٹکٹکی باندھے دیکھتے رہنے کی وجہ سے نین کٹوروں سے پانی بھرنے کی صورت بہنے لگا تھا.......... اسکے دل کی دھڑکن معمول سے زیادہ تیز تھی..... اور وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی.......... ماتھے پہ آئے پسینے کو دوپٹے سے پونچھتے ہوئے.....وہ اس خواب کی تمام جزئیات کو سوچ گئی..... جو وہ پچھلے ایک ماہ سے متواتر دیکھ رہی تھی.......... اور ہمیشہ اپنے رونے پر اسکی آنکھ کھل جاتی....... اپنے اکیلے پن اور مکمل چاند کی چاندنی کو پوری طرح اپنے حواسوں پر چھایا ہوا محسوس کرتی....... اسے اس خواب سے ڈر لگنے لگا تھا......... بظاہر چاند کی فسوں خیزی کی وہ بچپن سے ہی شیدائی رہی تھی...... مگر اس خواب کی وجہ سے مکمل چاند بھی اب اسے خوفزدہ کرنے لگا تھا......... جیسے اسکی زندگی میں کچھ انہونی ہونے والی ہو......... اسکا دل بھی اس

انہونی کی گواہی دینے میں پیش پیش تھا......... مگر وہ دل و دماغ کی ہر ایسی سوچ کو سختی سے رد کرتے ہوئے ادھر ادھر کے کاموں میں مصروف ہو کر اپنی توجہ ہٹانے کی کوشش کرتی..... مگر رات کا اندھیرا چھاتے ہی وہ پورا چاند اسکے اعصاب پر سوار ہو کر بے چین کرنے لگتا.....

کیپٹن شہزاد کو ضربِ عضب پر گئے چوتھا ماہ ہونے کو آیا تھا ......اس دوران وہ دو بار گھر بھی ہو آیا تھا کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ اسکی محبوب بیوی عینا اسکی جدائی میں ادموئی ھوئی جا رہی ہے........... شہزاد کی کوشش ہوتی تھی کہ وہ روز نہیں تو کم از کم دو تین دن میں بات ضرور کر لے ...... کیوں کہ عینا کا اسکے علاوہ دنیا میں کوئی تھا ہی نہیں.... شہزاد ہی اسکی کل کائنات تھا.....عینا شہزاد کی چچا زاد تھی....عینا کے والدین بچپن میں ہی حج کے دوران خیموں میں لگنے والی آگ کی وجہ سے چل بسے تھے.... تب سے عینا اپنے چچا کے زیرِ نگرانی رہی. اور انہوں نے کبھی شہزاد اور عینا میں کوئی فرق روا نہی رکھا..... شہزاد بھی والدین کا اکلوتا فرزند تھا اور بہت سلجھی طبیعت کا مالک تھا........ مجید صاحب یعنی شہزاد کے والد آرمی میں تھے اور ان کا جزبہ حب الوطنی ایسا تھا کہ لوگ اسکی مثالیں دیتے تھے..... انہوں نے شہزاد کے لئے بھی آرمی کو ہی پسند کیا.... اور شہزاد ایسا فرمانبردار کہ اسکے لئے باپ کی بار پتھر پر لکیر ہوتی ...... سو وہ شروع سے ہی بورڈنگ میں ہی رہا اور اپنے باپ کے خواب کو پورا کرنے کے لئے دن رات ایک کر دیا....... آخر کار وہ کیپٹن کے عہدے پر فائز ہوا...... ادھر عینا نے بھی گریجویشن کر لیا تو چچا چچی کو اسکے ہاتھ پیلے کرنے کا خیال بڑی شدت سے ہوا...

چچی نے پہلے تو جاننے والوں کو کہا کہ کوئی اچھا رشتہ ہو نظر میں تو عینا کے لیے کوشش کریں....... ابھی یہ سرگرمیاں شروع ہی تھیں کہ ایک دن مجید صاحب نے کچھ سوچتے ہوئے عینا کو مخاطب کیا....... عینا بیٹا اگر آپکی نظر میں کوئی لڑکا ہے یا آپ کسی کو پسند کرتی ہیں تو بلا جھجک اپنی رائے کا اظہار کر سکتی ہیں۔

.... مجید صاحب بہت دھیمے مزاج کے انسان تھے.... وہ سب کے ساتھ بہت اچھے انداز میں

بات کرنے کے عادی تھے.... چاہے وہ گھر کے نوکر ہی کیوں نہ ہوں.......... انکی بات سن کر عینا نے سر جھکا کر کہا....... چچا جان ایسی کوئی بات نہیں ھے.... آپ میرے لیے جو بھی فیصلہ کریں گے مجھے بخوشی منظور ہوگا...... آپ کا ہر حکم سر آنکھوں پر......... عینا نے اپنی آنکھوں میں لہراتے شہزاد کے عکس سے نظریں چراتے ہوئے مجید صاحب کو مطمئن کیا..... حالانکہ شہزاد اسکی آنکھوں کا وہ سنہرا خواب تھا جو نجانے کب سے اسکی آنکھوں میں ستاروں کی مانند جگمگانے لگا تھا مگر وہ یہ بار خود سے کہتے ہوئے بھی گھبراتی تھی...... کیوں کہ وہ اپنے چچا چچی کے احسانات کا تہِ دل سے اعتراف کرتی تھی. اور اپنے کسی عمل سے بھی انکو تکلیف دینے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی.......... اس لیے اپنے تمام جزبوں کو ہمیشہ احسان مندی کے بوجھ کے نیچے دبا کے رکھتی......... جیتی رہیے بیٹا.... آپ نے میرے دل سے بوجھ ہٹا دیا..... اب میں بے فکر ہو کر کوئی فیصلہ کر پاؤں گا......... مجید صاحب نے عینا کی بات سے مطمئن ہوتے ہوئے کہا..... اور دوبارہ ناشتے کی طرف متوجہ ہو گئے......... شاہینہ چچی نے ان کی طرف سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا اور اندازہ لگانے کی کوشش کی...... آیا مجید صاحب کسی فیصلے پر پہنچ چکے تھے...... کیوں کہ وہ بات تب ہی کرتے جب وہ فیصلہ کر چکے ہوتے
اور وہ دوٹوک ہی ہوتا.... ان کی اس عادت سے شاھینہ چچی کو ہمیشہ اختلاف ہی رہا. مگر اس ایک بات کے علاوہ مجید صاحب نے کبھی کسی کمی یا سختی کا. مظاہرہ نہی کیا..... ہمیشہ ان دونوں کی مثالی زندگی کی مثالیں ہی دی جاتی تھیں.... دونوں میں میاں بیوی سے زیادہ دوستی اور محبت کا رشتہ ہی قائم رہا.... انکا گھرانہ مثالی گھرانہ تھا....

شہزاد کی اسلام آباد پوسٹنگ ہوئی تو وہ کچھ دن کی چھٹی پہ کراچی آیا....

اسکی اچانک آمد شاہینہ چچی اور عینا دونوں کے لئے خوشگواریت کا باعث بنی جبکہ مجید صاحب اپنے جذبات پر قابو رکھنے والے انسان تھے.... ہاں یہ ضرور تھا کہ شہزاد کے ساتھ گھنٹوں ملکی حالات پر

بحث و مباحثہ کرنا انکا پسندیدہ مشغلہ ہوتا ....اس دن بھی جب دونوں باپ بیٹا شام کی چائے کے ساتھ لوازمات سے بھی لطف اندوز ہورہے تھے کہ اچانک مجید صاحب نے شہزاد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا.... برخوردار... شادی کا کیا ارادہ ہے؟ کوئی کرنل بریگیڈیر کی لڑکی پسند ھو تو بتاؤ تا کہ تمھارے فرض سے بھی سبکدوش ھو سکیں..... مجید صاحب نے بڑے خوشگوار انداز میں بات چھیڑی.... شہزاد نے بڑی حیرت سے باپ کو دیکھا.... کیوں کہ اس سے پہلے کبھی یہ موضوع زیرِ بحث نہ آیا تھا.... بلکہ شاھینہ نے بھی کبھی یہ ذکر نھیں کیا تھا انکے خیال میں شہزاد کی عمر ایسی زمہ داری سنبھالنے کی نھیں تھی...

بابا جانی میں کیا کہہ سکتا ھوں...اور ویسے بھی میں نے اس بارے میں ابھی سوچا ہی نہیں .... شہزاد نے قدرے جھجکتے ھوئے کہا.... باپ کے ساتھ بہر حال ایسی فرینکنس کا مظاہرہ نھیں کرسکتا تھا .... وہ سچ ہی کہہ رھا تھا..... اسکی زندگی میں کوئی لڑکی تھی ہی نہیں.... اسکا مطلب یہ کہ یہ ذمہ داری بھی مجھ بڈھے کو ہی پوری کرنی پڑے گی..... تمھیں کوئی اعتراض تو نھیں ہوگا میرے انتخاب پر.؟

مجید صاحب کے استفسار پر شہزاد نے نفی میں سر ہلا دیا. مگر دل ہی دل میں حیران ضرور ہورھا تھا کہ آج بابا جانی کیسی باتیں کررہے ہیں........ چائے پیو برخوردار... ٹھنڈی ہورہی...... انہوں نے شہزاد کو مخاطب کرتے ھوئے اپنا کپ بھی ہونٹوں سے لگا لیا.......

آنے والے جمعہ کے مبارک دن میں تمھارا اور عینا کا نکاح ہے تم نے اگر اپنے دوستوں کو بلانا ہے تو کال کرلو تا کہ وہ وقت پر آ سکیں ...... مجید صاحب نے بڑے اطمینان سے شہزاد اور شاھینہ کے سر پر بم کا دھماکہ کرڈالا ..... ان دونوں کے لیے یہ خبر کسی دھماکے سے کم نہ تھی..... شہزاد تو بلکل گمصم ہی ہوگیا گیا..... جبکہ شاھینہ نے کافی واویلا مچایا......وہ ان کی اسی عادت سے ہی تو عاجز تھیں.... جو ٹھان لیتے پتھر پر لکیر ھوتا.... پھر ان کی کوئی بھی ناراضی اور بائیکاٹ کام نہ آیا......جمعہ کا دن آیا اور عینا کو عینا شہزاد بنا دیا گیا .... اور عینا اپنی تقدیر کی خوش بختی پر کتنے ہی لمحے فرطِ حیرت میں ڈوبی رہی جو چاھا بن مانگے

رب نے اسکا نصیب کر دیا.......

اسکا رواں رواں اپنے رب کا شکر گزار تھا اس پل........... شہزاد نے باپ کے فیصلے کو دل و جان سے قبول کیا... کیوں کہ اسے اپنے باپ کے انتخاب اور فیصلے پر مکمل یقین تھا کہ وہ اسکے لیے غلط فیصلہ کر ہی نہیں سکتے...... سو اس نے عینا کو دل و جان سے اپنی زندگی میں خوش آمدید کہا...... ویسے بھی اسکی زندگی میں عشق محبت کا دور آیا ہی نہیں تھا.... اور جب سے اسے عینا کی والہانہ محبت کا اندازہ ھوا تو وہ بھی اسکی محبت کا دم بھرنے لگا............ البتہ شاھینہ چچی کا رویہ شروع میں اکھڑا اکھڑا رہا... کیوں کہ وہ شہزاد کے لیے شینا کو پسند کر چکی تھیں.... جو ان کی اکلوتی بھتیجی تھی.... مگر رفتہ رفتہ سب کچھ معمول پر آ تا گیا.... کیوں کہ بہر حال عینا سے انھیں بھی محبت تھی.......

شادی کے دو سال گزرنے کے باوجود بھی ان کی زندگی میں بچوں کی قلقاریاں نہیں گونجی تھیں..... عینا اکثر اس بات کی وجہ سے پریشان رہنے لگی تھی...... اور شاھینہ چچی بھی اس بات کو اٹھتے بیٹھتے بار بار دھراتی کہ ان کے اکلوتے بیٹے کے گھر میں کوئی پھول نہیں کھلا..... عینا اندر ھی اندر کڑھتی. مگر شہزاد اس ہمیشہ دلاسہ دیتا اور مثالیں دیتا کہ لوگوں کی تو کافی عرصے بعد بھی اولاد ہو جاتی ہے... ھماری بھی ہو جانی..... ابھی تو دو سال ہی ہوئے ہیں، تب عینا کچھ شانت ہو جاتی.... ان دو سالوں کے دوران شہزاد کی دو تین جگہ پوسٹنگ بھی ہوئی.... اور وہ عینا کو ساتھ ہی رکھتا... کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ عینا اسکے بغیر نہیں رہ سکتی اور اب تو خود شھزاد بھی اسکے عشق میں پوری طرح ڈوب چکا تھا......... ان دونوں کی خوشگوار زندگی میں دکھ کا پہلا پتھر مجید صاحب کی اچانک اور ناگہانی موت کا آ لگا........ مجید صاحب کو ہارٹ اٹیک ھوا اور وہ جانبر نہ ھو سکے...... یہ صدمہ ان تینوں کے لیے بہت بڑا تھا.... شہزاد ایک ماہ تو چھٹی پر گھر رہا مگر پھر ایمرجنسی کی وجہ سے اسکی چھٹی کینسل کر دی گئی....... اور اسے واپس بلا لیا گیا..... مگر عینا شاہینہ چچی کے پاس ہی رہ گئی.... کیوں کہ شاہینہ چچی عدت میں تھیں ان کو ایسی

حالت میں اکیلا چھوڑنا دونوں کو ہی گوارہ نہ تھا.........پورے گھر کو عجیب قسم کی سوگواریت نے لپیٹ میں لے رکھا تھا......مجید صاحب اپنے ساتھ گھر کی تمام رونقیں بھی سمیٹ کے لے گئے تھے اس کا اندازہ شاھینہ چچی اور عینا کو اب ہو رہا تھا......

وقت کا کام گزرنا ہے اور وہ گزر ہی جاتا ہے. چچی کی عدت بھی مکمل ہو چکی تھی ...اس دوران شہزاد صرف دو بار ہی آ سکا.... کیوں کہ وہ ضربِ عضب کا حصہ تھا .وہاں سے بار بار آنا بہر حال اس جیسے فرض شناس افسر کے لیے مشکل ہی تھا.........شاہینہ کی عدت مکمل ہوئی تو انکے بھائی نے انکو اپنے پاس انگلینڈ بلا لیا......تاکہ وہ کچھ بہل جائیں وہ جانا تو نھیں چاھتیں تھیں مگر شہزاد اور عینا کے سمجھانے پر مجبوراً جانے کے لیے راضی جو گئی.....انکے جانے کے بعد عینا کے پاس گھر کے وفادار ملازمین ہی رہ گئے تھے جو بچپن سے ہی عینا کے ساتھ مانوس تھے .اور عینا ان کے ساتھ ...اس لیے اسے اکیلے رہنا زیادہ مشکل نھیں لگ رہا تھا......یہ الگ بات کہ شہزاد کی جدائی نے اسے اندر ہی اندر ادھ مواضرور کر رکھا تھا.......اور تب اچانک ہی وہ خواب اسے روز دکھائی دینے لگا..جسے پہلے پہل تو اس نے زیادہ توجہ نہ دی مگر اب اس خواب کی وجہ سے رات کو سونے سے بھی ڈرنے لگی تھی. ....یہ بات اس نے شہزاد کو بھی نھیں بتائی تھی.... کیوں کہ وہ جانتی تھی کہ اس نے الٹا اسے ہی سمجھانا شروع کر دینا ہے ... کہ سب تمھارا وھم ہے وغیرہ وغیرہ......

وانا میں حالات روز بروز کشیدہ ہوتے جا رہے تھے...فوج اور قبائلی لوگوں میں جنگ زور و شور سے جاری تھی.... آئے دن خبروں میں شھادتوں کی خبریں گردش کرتی رہتی تھیں....عینا نے تو نیوز چینل دیکھنا ہی چھوڑ دیا تھا...وہ پہلے ہی خوف و ہراس کا شکار تھی ایسی خبروں سے مزید پاگل ہونے لگتی.....

آج پھر چودھویں کا چاند پوری آب و تاب کے ساتھ آسمان پر اپنی روشنی بکھیرنے میں مصروف تھا...عینا نے معمول کے کام نپٹانے کے بعد کھڑکی میں کھڑے ہو کر چاند کو تکنا شروع کر دیا .....اسکا دل بہت

اداس تھا... آنسو اسکی آنکھوں سے غیر محسوس طریقے سے موتیوں کی صورت گر رہے تھے..... اور وہ ان سے مکمل بے نیاز چاند کو تکے جا رہی تھی....... مکمل چاند کا فسوں اب اسکو سکون کی بجائے بے سکون کرنے کا باعث بن رہا تھا......... اچانک موبائل کی تیز رنگ ٹون نے اس کے اعصاب کو جھنجھوڑ کے رکھ دیا...... دل سینے سے باھر آنے کو تیار تھا.... دھڑکتے ہوئے دل سے موبائیل کو اٹھایا تو unknown نمبر سکرین پر جگمگا رہا تھا. پہلے سوچا کال ریجیکٹ کر دے پھر کچھ سوچتے ہوئے کال ریسیو کی .... آرمی ھیڈ کوارٹر سے کال کی گئی تھی.... اور جو اطلاع اسے دی گئی تھی وہ اسکی زندگی میں مکمل اندھیرے کا باعث بن چکی تھی.... اسکے دل کی انہونی ہونے والی گواہی اور مکمل چاند کے سائے میں کھڑی عینا ہمیشہ کے لیے تنہا رہ گئی تھی.... کیپٹن شہزاد نے جامِ شھادت نوش کر لیا تھا..... آج تو اتر سے دیکھا خواب بالآخر سچ ثابت ہو گیا تھا۔

☆......☆......☆

ناول ☆تیرے بن جی نا سکے☆
(قسط نمبر:7)

مصنف:نعیم سجاد

خلاصہ :

ایشاء جو گھر کے حالات سے تنگ تھی ایک شہری لڑکے کے ساتھ بھاگنے کا پلان کرتی ہے ، لیکن وہ اس کو دغا دے جاتا ہے۔ اس کی پھو پھو زبیدہ اپنے بھائی سے بہت محبت کرتی تھیں اور اس میں کسی کو حائل ہونے کی اجازت نہ تھی ۔ اس کا ٹکراؤ دائم سے ہوتا ہے جو اس کو گھر لے آتا ہے ۔ ایاز خان مکروہ شخصیت کے مالک ہیں ان کے دو بیٹے صائم اور دائم ہیں ۔۔ ان کی ملاقات نور فاطمہ سے ہوتی ہے جو منسٹر کی بیٹی ہے' بیوی وفات پا چکی ہے ان کا ٹیکسٹائل انڈسٹری میں ایک بڑا نام ہے ۔ صائم ایشاء کی طرف پیش رفت کرتا ہے ۔دائم ایشاء کو اس کے گھر والوں سے ملانے کا کہتا ہے جس پر وہ ڈر جاتی ہے لیکن دائم اس کو سمجھا کر راضی کر لیتا ہے ۔دائم جب ایشاً کو لے کر اس کے گھر جاتا ہے تو راستے میں ایک لڑکی ان کو عجیب القابات سے نوازتی ہے ۔ ایشاً کے گھر والے سخت غصہ میں ہوتے ہیں اس کے ابا اس کو کبھی دوبارہ یہاں نہ آنے کا کہتے ہیں ۔ ایشاً کو صائم ایک کلب میں دوستوں کے ساتھ لے جاتا ہے وہاں وہ اس سے بدتمیزی سے پیش آ تا ہے ، عین وقت پر دائم کی انٹری ایشاً کو بچا لیتی ہے اس لمحے دائم کو ادراک ہوتا ہے کہ وہ ایشاً سے محبت کر تا ہے ۔اور بلا شبہ یہی وہ لڑکی ہے جس کو و ہ خواب میں دیکھتا تھا ۔صائم ' دائم اور ایشاً سے سوری کر لیتا ہے جبکہ ایاز خان کی نظر ایشاً پر ٹھہر جاتی ہے۔

اس خوبصورت وادی میں پلوشہ اپنے اماں،ابا، بھائی گل جان کے ساتھ رہتی ہے ۔ ان دنوں اپنے کزن شہریار کو وادی دکھانے میں مصروف ہے جو ہفتہ بھر قیام کے لئے آیا ہوا ہے ۔ وہ اس کی ملا قات اپنے خالا خالو سے کراتی ہے جو شہریار سے بڑی محبت سے پیش آتے ہیں ۔پلوشہ شہریار کو بتاتی ہے کہ میری ایک کلاس فیلو ہاتھ دیکھا کرتی تھی اور کہتی تھی میں جو کہوں 90%درست ہوتا ہے ۔ میں اپناہاتھ اس کو نہیں دکھانا چاہتی تھی لیکن باقی کلاس فیلوز کے اصرار پر دکھا دیا ، اس نے مجھے بتایا کہ کوئی تم کو دل سے چاہے گا ، لیکن تم کو خبر نہیں ہو گی اور جس کے پیچھے تم بھاگو گی وہ تم کو توجہ نہیں دے گا ۔ مزید کہ تم دل برداشتہ ہو کے خودکشی کی کوشش کرو گی اور میں نے اس کو پتہ ہے کیا کہا ، میں نے کہا ہاں وہ جو ہنزہ کا سب سے پُرانا ، برسوں پُرانا قلعہ (Altit fort) ہے ناں میں اس پر سے کود کر جان دے دوں گی۔ اور شہریار کو اپنا بزنس شروع کرنے کا کہتی ہے جس کے

بارے میں وہ سنجیدگی سے سوچتا ہے ۔ اور پلوشہ شہریار کے کہنے پر اس کی پورٹریٹ بناتی ہے ۔بالآخر شہریار واپس چلا جاتا ہے ۔احسن بابا کی طبیعت یکدم خراب ہو جاتی ہے اور وہ انتقال کر جاتے ہیں اسی صدمے میں گُلِ نین بھی چل بستی ہیں ۔شہر یار کے والد پلوشہ کا رِشتہ مانگنے میں دل چسپی کا اظہار کر تے ہیں' شہریار کی دلی خواہش پوری ہو جاتی ہے ۔کسی دور پرے کے رِشتہ دار کا پتہ کرنے گئے پلوشہ کے ابا حادثے کا شکار ہو جاتے ہیں اور وفات پا جاتے ہیں جبکہ ان کے ساتھ گیا ہوا گل جان غائب ہے۔

راعنہ کو ڈبے میں بند چاکلیٹ اور سُرخ گلاب کسی انجان کی طرف سے ملتے ہیں ۔سہیلیوں کو بتانے پر وہ اس کا مزاق اُڑاتی ہیں ۔بعد میں یو نیورسٹی میں بھی اس کی طرف ایک رُقعہ پھینکا جا تا ہے جو موبائل نمبر ہوتا ہے لیکن اس کا آخری لفظ حذف ہوتا ہے ۔کومل سے یونیورسٹی میں ایک لڑکا بدتمیزی کرتا ہے وہ بدلے کے طور پر اس پر پانی پھینک دیتی ہے ۔لڑکا کھُل کر میدان میں آنے کو کہتا ہے ۔ساشے کومل کا مزاق اُڑاتی ہے۔ان کی یو نیورسٹی سر گیلانی چلے گئے اور ان کی جگہ ان کا بیٹا عازب بیرونِ ملک سے آیا ہے۔نئے سر سے راعنہ ٹکرا جاتی ہے اور نہ جاننے کی وجہ سے ان کو خوب سنا دیتی ہے ۔ بعدمیں سخت شرمندہ ہو تی ہے۔راعنہ کے ساتھ اس کی دوست ساشے' اور بھائی ایپل نے مل کر گیم کھیلی ۔ یونیورسٹی کا ایک فیلو راعنہ کو پسند کرتا تھا مگر اس سے اظہار نہیں کرتا تھا اور اس سلسلے میں انہوں نے رومان کی بہت مدد کی جو ساری بات ساشے راعنہ کو بتا دیتی ہے۔

کائنات اپنی خالا اور اماں کے ساتھ ایک پُرانے محلے میں رہتی ہے ، جو اس کو بالکل پسند نہیں ۔ خالا کا ذہنی توازن درست نہیں ۔ کائنات کالج میں پڑھتی ہے ۔ محلے میں ایک بابا اس کو اپنے قدم سیدھے رکھنے کا کہتے ہیں مگر وہ خاطر میں نہیں لاتی ۔ اس کی ملاقات کالج سے واپس آتے ہوئے ایازخان سے ہوتی ہے ان کے لائف اسٹائل سے کائنات بہت متاثر ہوتی ہے ۔کائنات خواب میں دیکھتی ہے کہ ایک بادشاہ ہوتا ہے اور وہ ملکہ زیورات کی چوری کا الزام وہ نوکر پر لگاتی ہے مگر بعد میں اصلیت کھل جا تی ہے اور اس کو جلتے آگ کے کنویں میں لٹکا دیا جاتا ہے وہ بہت فریاد کرتی ہے اپنی محبت یاد دلاتی ہے مگر وہ بادشاہ بالکل نہیں سنتااور وہ آگ میں گر جاتی ہے۔

---ماضی ---

نزہت کی شادی ہونے جا رہی تھی کہ عین شادی کے دن لڑکے نے انکار کر دیا جس کا نزہت کو سخت صدمہ ہوا ۔ نزہت کی چھوٹی بہن کے لئے بھی انکار کر دیا گیا ۔ نزہت میں انتقام کا جوش مزید بڑھ گیا وہ اس کی تکمیل کے لئے ایاز خان کے گھر کام کے سلسلے میں جاتی ہے تو وہاں اس کی مُلاقات ایاز خان کی بیوی' نور فاطمہ سے ہوتی ہے جو ایاز خان سے سخت نالاں رہتی ہے ۔نور فاطمہ اور ایاز خان کے جھگڑے نزہت کو دلی سکون پہنچاتے ہیں ۔

جوزی اور جوزف کٹر قسم کے عیسائی تھے ، اپنے مذہبی فرائض میں کوئی غفلت برتنا ان کا شیوہ نہ تھا ان کے ماں باپ نے ان کو بہترین عیسائی بنا کر اپنے حصہ کا کام کر دیا تھا ۔ دونوں بچپن کے دوست تھے۔ اور اپنے مذہب کے خلاف سننا ان کے لئے ناقابلِ برداشت تھا ، جوزی کے فادر ان لوگوں کو ان کے بچپن میں ہی داغِ معارفت دے گئے تھے ، جبکہ مادر حیات تھیں ۔ جوزی سے پانچ سال چھوٹا ایک بھائی مائیکل تھا جو جسم میں کسی قسم کے disorder کی وجہ سے حتی الامکان معذور تھاوہ اپنے سارے غم جوزف سے شیئر کرتی تھی ، جوزف اپنے ماں باپ کا اکلوتا تھا ، اور والدین حیات تھے، بینک میں ایک اچھی پوسٹ پر تھا ۔ جوزی نے intermediate کے بعد ایک پرائیویٹ فرم میں جاب شروع کر دی تھی ۔ جوزفین کی ماں اکیلی تھی مائیکل سال بھر کا تھا، جب اس کا باپ وفات پا گیا تھا اس وقت جوزی کی ماں کو صرف جوزف کی ماں کرسٹینا نے ہی سہارا دیا تھا ۔جوزی ' نیناں کے بُرا بھلا کہنے جاب چھوڑدیتی ہے جس کی وجہ سے سکندر بہت پریشان ہے جوزی کا آفس چھوڑ دینے کی وجہ کا سکندر کو علم نہیں ہوتا نیناں جہانگیر'(ہما جہانگیر علی) سکندر عرف رحیم بخش کی کزن ہے ۔سکندر کو اس کی بڑی بہن زبیدہ نے پالا ہے' جو اس کا بہت خیال رکھتی ہیں ۔وہ سکندر کی شادی چاہ رہی تھیں کیوں کہ ان کو پتہ تھا کہ ان کی شادی کے بعد سکندر کا کوئی خیال رکھنے والا ہو۔زبیدہ کے گھر سے چار گھر چھوڑ چچا چچی کا گھر تھا ۔نیناں' چچا جہانگیر کی اکلوتی بیٹی تھی چچا اور چچی دونو ں حیات تھے ۔ چچا نرم مزاج جبکہ چچی کا مزاج مرچ تھا۔ سکندر باس کے کہنے پر جب جوزی کو تنخواہ دینے جاتا ہے تو وہاں اس کی ملاقات جوزی کے بھائی سے ہوتی ہے جو سخت بُری حالت میں ہوتا ہے واپس آتے ہوئے اس کا ٹکراؤ اس کے کزن جوزف سے ہوتا ہے جو اسے سب سچ بتا دیتا ہے کہ جوزی نے جاب کیوں چھوڑی ۔ سکندر غصہ میں واپس گھر آتا ہے اور زبیدہ کو نیناں کو بُلانے کا کہتا ہے۔ اور نیناں کوسخت سست سناتا ہے اور اسے جوزی سے معافی مانگنے کا کہتا ہے' جس سے وہ سکندر سے بالکل مایوس ہو جاتی ہے ۔جوزف کے گھر والے جوزی کی ماں سے شادی کے لئے کہتے ہیں جو وہ مان جاتی ہے جب یہی بات جوزی کو پتہ چلتی ہے تو جوزی انکار کر دیتی ہے اور کہتی ہے کہ اس کو ابھی شادی نہیں کرنی۔ جس پر جوزف کو سخت غصہ آتا ہے ۔ سکندر جوزی سے ملنے آتا ہے جوزی کو اس کی شخصیت اچھی لگتی ہے۔

(اب آپ آگے پڑھیے)

قسط نمبر :۷

کپڑے دھوتی زُبیدہ بار بار سکندر کو دیکھتی 'جو صحن میں درخت کے نیچے لیٹا کسی غیر مرئی نقطے پر غور کرنے میں مشغول تھا۔ وہ چپکے چپکے نظر سکندر پر بھی ڈال لیتی ۔ وہ کافی پریشان لگتا تھا ۔ کپڑے دھو کر اس نے کھانا تیار

کیا اور سکندر کے لئے لے آئی ۔ جب وہ جوزی کے گھر جاتا یا اس کا نام تک سُنتا خوش ہو جاتا اور آج پتہ نہیں جب سے اُدھر سے آیا تھا گم صم تھا ۔ سکندر اُٹھ بیٹھا۔

'' کیا بات ہے پریشان ہو۔ مجھے بتاؤ کیا مسئلہ ہے ،''زبیدہ بھی پاس بیٹھ گئیں

'' نہیں بس ٹھیک ہوں ۔'' سکندر نے روٹی توڑی۔

'' ماں نہیں ہوں، مگر ماں بن کر تم کو پالا ہے۔ساری سوچیں جانتی ہوں میں تیری ۔ ''

'' وہم ہوا ہے آپ کو میں بھلا پریشان کیوں۔؟''

'' تم جب سے جوزی کے گھر سے آئے ہو چُپ چُپ سے ہو کوئی بات ہوئی ہے کیا وہاں ۔کہیں نیناں نے تو بدتمیزی نہیں کی پھر۔ معافی تو مانگ لی ہو گی اس نے میں جانتی ہوں نیناں کو۔''

'' نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے نیناں نے کچھ نہیں کیا ،''

'' پھر۔'' سکندر نے پانی منہ سے لگایا۔

''پھر ۔۔پھر یہ کہ آپا وہ لوگ جوزی کی شادی کر رہے ہیں اس کے کزن سے ۔ میں میں جوزی کے بغیر نہیں رہ سکتا ۔ یہ تو آپ جانتی ہیں زندگی ہے وہ میری اور میں بھلا زندگی کے بغیر کیسے جی سکتا ہوں ۔ میں بھلا کسی اور کے حوالے بھلا کیسے کر سکتا ہوں ۔'' سکندر کے لہجے میں دُکھ تھا۔

''یہ کیسی باتیں کر رہے ہو سکندر وہ تمہاری کبھی نہیں ہو سکتی ۔ وہ لوگ غیر مذہب ہیں وہ تمہارے رشتے کے لئے کبھی راضی نہیں ہوں گے ۔ اس کا رشتہ طے ہو گیا اسے بھی تمہاری دلی کیفیات کا اندازہ نہیں تم کیوں اس طرح ہلکان ہوئے جا رہے ہو۔ تم سب چھوڑو۔ کیوں اپنی زندگی کے دُشمن بنے ہوئے ہو۔ دیکھو نیناں ایک بہت اچھی بچی ہے۔۔'' زبیدہ نے سمجھانے کی کوشش کی ۔

'' مجھے نہیں پتہ میں صرف جوزی کو پسند کرتا ہوں اس کو حاصل کر کے رہوں گا چاہے کچھ بھی ہو جائے ۔ '' سکندر نے ہاتھ جھاڑے۔

''بیٹھو، ارے سنو ۔ تو۔ کھانا کھا کر جاؤ۔۔۔۔'' سکندر نے ایک نہ سنی' زبیدہ نے سر پکڑ لیا۔

☆☆☆

کچن سے اشتہا انگیز خوشبو سارے میں پھیلی تھی' نزہت سرعت سے ہاتھ چلا رہی تھی ۔ آج اُسے جلد گھر جانا تھا ' غزالہ کی طبیعت تھوڑی خراب تھی ۔ ' اسے دوائی دینی تھی جو اس نے محلے کے ہی ایک حکیم سے لی تھی مگر دن بدن غزالہ کی ذہنی کیفیت نے نزہت کو بے طرح پریشان کر دیا تھا ۔ ہر وقت سوچوں میں مُبتلا رہنا ' کہو کچھ تو

سنتی کچھ' کہو کچھ تو کرتی کچھ' اور کچھ سنی ان سنی کر دیتی ۔ نزہت کو اس صورت حال سے سخت پریشانی تھی ۔ محلے کی بتول خالہ کو اس کا خیال رکھنے کو کہا تھا ۔مگر انہوں نے تو اپنا گھر بھی تو دیکھنا تھا ان کی بہو باہر کہیں کام کرتی تھی بیٹا بیرونِ ملک تھا ۔ ان کے چار پوتیاں پوتے تھے اور گھر کے ساتھ ساتھ ان کو بچوں کو بھی دیکھنا تھا ۔ بہو شام کو کہیں چار بجے آتی تھی، نور فاطمہ نے چھٹی دے دی تھی۔ نزہت نے شکریہ ادا کیا۔

اسے یہاں کام کرنے کو تین ماہ ہونے کو تھے مگر ان تین ماہ میں بھی با ضابطہ ایاز خان سے مُلاقات نہ ہوئی تھی ۔ ایک دفعہ نسرین کے نہ آنے سے اس نے ایاز خان کے کپڑے استری کیے تھے وہ کس قیامت سے گزری تھی ۔ اسے پتہ تھا اس کا جی چاہتا تھا یہ گرم گرم استری اُٹھا کر ایاز خان کے منہ پر لگا دے۔ اور اس وقت تک نہ اُتارے جب تک کہ اس کا منہ سارا جل کر استری کی تہہ سے نہ جا چمٹے ۔ وہ کپڑے کم استری کر رہی تھی اور ایاز خان کو زیادہ جلا رہی تھی ۔ ۔

اس کو خبر نہ تھی وہ انجانے میں خود کو ہی جلا رہی تھی اُس کو نزہت کے جلنے کا کوئی نقصان نہیں ہو نے والا تھا ۔

جب وہ کمرے میں کپڑے دینے گئی تو وہ کسی سے فون پر مصروف تھا بستر کی دوسری طرف منہ کئے ہوئے۔دستک ہوئی۔ اس نے مُڑ کر دیکھنے کی بھی زحمت نہ کی اور یہ نزہت نے اپنے لئے مناسب ہی سمجھا ۔

"come in. "اجازت ملنے پر اندر داخل ہوئی۔

" صاحب آپ کے کپڑے ۔۔" بس نہیں چل رہا تھا ان ہی کپڑوں کا پھندا ڈال کر وہ ایاز خان کو اُلٹا لٹکا دے ۔

" رکھ دو کہیں بھی ۔ اور جاؤ۔" ایک سرسری سی نگاہ اس نے نزہت پر ڈالی تھی مگر شناسائی کا ذرہ بھر بھی شائبہ نہ تھا ۔ نزہت واپس مُڑ گئی ۔ اس بات سے نزہت کو اندازہ ہوا کہ یا تو اس نے نزہت میں کبھی دِل چسپی رکھی ہی نہ تھی' اور وہ جو رِشتے والی اس کی تصویر لے کے گئی تھی ۔ تو یقیناً ایاز خان نے اس کو نہ دیکھا تھا۔ اگر کوئی اچٹتی ہوئی نِگاہ بھی ڈالی ہو تی تو تو بھی اسکو دیکھ کر ٹھٹھکتا ضرور۔اس نے یقیناً نزہت اس لائق نہیں سمجھا تھا کہ وہ اس کی زندگی میں اہمیت اختیار کر پاتی ۔

" نزہت ابھی تم گئیں نہیں ۔۔؟" نزہت چونکی ' دروازے کے بیچوں بیچ نور فاطمہ کھڑی تھی ۔

" نہیں بیگم صاحبہ بس جانے لگی ہوں وہ کھانا دَم پر لگایا ہے باقی نسرین کو بتا کر جاؤں گی ۔۔"

" اچھا چلو' تم ایسا کرو نسرین کو کہو یہ دیکھ لے تم زرا میری بات تو سُن لو۔"

" جی بیگم صاحبہ کہیں ۔۔ کوئی کام ہے ۔۔"

"ہاں تم میرے کمرے میں آؤ ۔۔"

"جی اچھا" نور فاطمہ یہ کہہ کر کمرے میں چلی گئی ۔ نزہت حیران تھی ویسے تو نور فاطمہ کا رویہ نزہت سے اچھا ہی تھا ۔ کبھی نہ جھڑکا تھا بلکہ اس کو کیا نور فاطمہ کا سب کے ساتھ بہت اچھا رویہ تھا ۔ویسے تو وہ منسٹر کی بیٹی تھی مگر گھر میں ملازماؤں' ڈرائیوروں اور دوسرے لوگوں کے ساتھ اس کا رویہ قابلِ دید تھا ۔ دولت و مُقام اپنی جگہ مگر غرور دیکھنے کو بھی نہ تھا ۔ ایاز خان سے اس کو کیا پُرخاش تھی نزہت کو تھوڑا بہت اندازہ تھا ۔ نزہت مخمصہ میں تھی کہ نور فاطمہ نے اس سے کیا بات کرنی ہے ۔ چولہا بند کیا' نسرین کو آواز دے کر کچن دیکھنے کا کہا' نزہت کے ساتھ نسرین کا رویہ بالکل بہنوں کے جیسا تھا اسی لئے نزہت کو کافی ڈھارس تھی ۔ وہ باہر نکلی اور نور فاطمہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئی ۔ دستک دینے پا اندر آنے کی اِجازت مِل گئی ۔

"آ جاؤ نزہت بیٹھ جاؤ ۔۔"

"جی بیگم صاحبہ بتائیں جی کیا کام تھا ۔۔"

"تم اِتنی خوبصورت ہو ۔ جوان ہو' شادی کیوں نہیں کرتی تم ۔نسرین نے مجھے بتایا تھا کہ عین شادی والے دِن انکار ہو گیا تھا مگر زندگی صرف ایک ہی شخصیت کا نام تو نہیں ہے کہ اسی کی وجہ سے اپنی زندگی داؤ پر لگا دے جائے' وہ جو تم کو اہمیت نہیں دیتا تھا' سو تمہاری زندگی میں اس کی اتنی اہمیت کیوں کہ تم اپنی زندگی ہی برباد کرنے پر تُلی ہوئی ہو ۔؟"

"بس بیگم صاحبہ دِل ہی نہیں کرتا ۔ اور ساتھ بہن بھی ہے جس کا دماغ آج کل صحیح کام نہیں کرتا تو ایسے میں یہاں اور پھر گھر میں اس کی مصروفیت میں اپنے بارے میں سوچنے کا وقت ہی نہیں ملتا ،بس قِسمت میں ہوئی تو ہو جائے گی نہیں تو نہ سہی ۔۔"نزہت نے جواب دیا ۔

"ہوں ۔ چلو ٹھیک ہے لیکن اپنے بارے میں سوچو ضرور ۔۔"

"اچھا بیگم صاحبہ میں اب چلوں ۔۔" نزہت کو لگا نور فاطمہ نے اس کو اسی لئے بُلایا تھا ۔

"نہیں ابھی کہاں ۔۔ میں تو تم کو کچھ دِکھانا چاہتی ہوں ۔۔"

"جی ۔۔" نزہت سامنے ہی صوفہ پر بیٹھی تھی وہ مُلازمین کو نیچے نہیں بیٹھنے دیتی تھی ۔

"یہ دیکھو ۔۔ پہچانتی ہو یہ کیا ہے ۔۔" نور فاطمہ نے ایک ہار نزہت کے سامنے لہرایا۔

"جی ہار ہے اور آپ کا ہی ہو گا۔۔"

"ہاں یہ میرا ہے اور یہ خالص سونے اورہیرے کا ہے ۔ اور یہ دیکھو یہ سب ۔۔" نورفاطمہ نے اپنی جیولری باکس اسے دِکھائی ،" یہ سب سونے' ڈائمنڈ' اور پلاٹینم کا بنا ہوا ہے مہنگی ترین چیزیں ۔۔ جو صرف میری ہیں ۔

لاکھوں کروڑوں کی میں اِکلوتی مالک ہوں ۔ ہر چیز ہے میرے پاس ۔ گھر' بار' بیلنس' گاڑی' ۔۔مگر میں تم کو پتہ ہے اس کے علاوہ اور بھی بہت کُچھ چاہیے ہو تا ہے بہت سے لوگوں کے نزدیک یہ بہت ہے' اسی کی طلب ہوتی ہے ۔ دولت ہو' اتنی کہ ساری زندگی عیش سے گُواریں ۔ ہو سکتا ہے تمہاری بھی یہ خواہش پُوری ہو جائے ۔۔"
نزہت کو جھٹکا لگا' کہیں یہ سب میرے بارے میں جان تو نہیں گئیں ۔ کیا یہ مجھ پر طنز کر رہی ہیں۔نزہت مضطرب تھی کیا جواب دیتی کیسے اپنی رائے کا اظہار کرے' ابھی چُپ میں ہی عافیت ہے ۔

" مجھے اس سب کے علاوہ جو چیز سب سے اچھی لگتی ہے وہ محبت ہے ہمیرے ماں' باپ نے مجھے صرف دولت' ہی نہیں دی' بلکہ مجھے پیار دِیا' اعتماد دیا' جینا سکھایا" ہر چیز کیسے حاصل کی جا سکتی ہے سکھایا ۔ اور میں ہر چیز حاصل کرتی گئی' کامیابیاں بٹورتی گئی' سب حاصل ہو گیا ۔ دولت' تعلیم' ہمسفر' اور بچے ۔ مگر محبت۔۔"نورفاطمہ نے ٹھنڈی آہ بھری ،" وہ کہیں بہت پیچھے رہ گئی' ایاز خان کو میں یونیورسٹی کے دور سے پسند کرتی ہوں ۔ جب اس کی صرف کچھ دُکانیں تھیں ان سے حاصل ہونے والے سرمائے سے وہ تعلیم حاصل کرتا تھا پھر ہماری شادی ہوئی' اسے ترقی ہوئی' میرے والد کا سب کچھ بھی میرا ہی ہے میں نے وہ سب ایاز خان کو سنبھالنے کا کہا کہ وہ پاپا سے مِل کر کام کرے' انہیں اپنی سیاسی سرگرمیوں کی وجہ سے فیکٹریوں کو دیکھنے کا ٹائم کم ہی ملتا تھا مگر وہ نہیں مانا وہ سمجھتا تھا میں اس کو اپنے والد کا غلام بنا کر رکھنا چاہتی ہوں' اس بات پر ہماری اکثر تُو تُو مَیں مَیں ہونے لگی' دن رات جھگڑے بڑھنے لگے' میں تو اس بات کو ختم کرنا چاہتی' مگر وہ ہر بات میں مجھے مغرور اور انا پرست کہتا'میرے گھر والوں سے اس کا رویہ دن بدن بگڑنے لگا' وہ سمجھتا ہے کہ میں اس پر اپنی امارات کا رعب جھاڑنا چاہتی ہوں۔ جبکہ میں چاہتی تھی کہ اس کے علاوہ اور بہت سی وجوہات ہیں جن میں سے ایک بڑی وجہ اس کا بہت سی عورتوں سے مراسم تھے اوراب وہ مجھ سے مکمل طور پر بیزار ہے ، اسے میری پرواہ نہیں" گھر کی بھی نہیں' وہ میری پہلی محبت ہے مجھے اس کا ساتھ چاہیے تھا بالکل خالص' بغیر کسی شراکت کے' ۔ دل ایک بار جو اس کا ہوا تو یہ مجھ پر فرض ہوا کہ اگر مجھے زندگی میں اب اگر کسی سے وفا رکھنی ہے تو اسی سے رکھنی ہے' جس سے دل و جان سے محبت کی ہے' چاہت رکھی ہے اگر میری سانسیں چل رہی ہیں تو فقط اس کے لئے ۔ اسی کی وجہ سے محبت اعتبار مانگتی ہے' ساتھ مانگتی ہے' اعتماد مانگتی ہے' اوس پر اعتبار کیا' اعتماد کیا اور اندھا اعتماد کیا ساتھ تو وہ ہمیشہ سے تھا مگر میں۔۔" نور فاطمہ کو لجہ رُندھ گیا نزہت اس کی آپ بیتی سن رہی تھی مگر کس وجہ سے کیا تعلق بنتا تھا اس کا اس ساری کہانی سے ۔"میں اس سے وفا کرتی گئی وہ دغا کرتا گیا ۔ملک کی تقریباً ہر مشہور سیلیبرٹی سے اس کے تعلقات ہیں اور کُچھ سے تو بہت گہرے۔ اب میں اس کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتی میری محبت اس کے لئے باسی ہو چلی وہ ہر دم نئی اُڑان بھرنے کے لئے تیار رہتا ہے۔ میں سمجھتی تھی کہ اگر میری اِتنی ذیادہ دولت سے

ہاتھ دھونے پڑیں تب بھی۔ وہ بلاشبہ کوئی انٹرسٹ شو نہیں کر رہا مگر اِتنا تو میں جان ہی گئی ہوں اس نے مجھ سے شادی محبت کے لئے نہیں کی اُسے پتہ تھا کہ میں اکلوتی ہوں ساری جائیداد میرے مرنے کے بعد اس کی ہو جائے گی اور اب وہ وقت آ چکا ہے۔"

" کیا مطلب بیگم صاحبہ میں سمجھی نہیں ۔۔' نزہت اس کی باتوں سے کُچھ نہ سمجھ پائی ۔

" ہاں نزہت میں سچ کہہ رہی ہوں میں خود غرض رہی تمہارا نہ سوچا ' حیران نہ ہوں تم شاید مجھے نہیں جانتی تھیں مگر میں تم کو جانتی تھی اب سے نہیں کافی عرصہ پہلے سے ۔ تم وہی ہو ناں جس کی ایاز خان سے منگنی ہوئی تھی اور عین شادی کے دن اس نے انکار کر دیا غلطی اس میں ویسے ایاز خان کی بھی نہ تھی اس کے والدین نے زبردستی تم سے اس کا رِشتہ جوڑا تھا وہ مجھے پسند کرتا تھا اور اس ماں کسی غریب گھرانے کی بہو لانے پر مصر تھیں ۔ میں امیر گھرانے سے تھی منسٹر کی بیٹی تو میں ان کی بہو بنتی ناممکن ان کے مطابق امیر لڑکیاں گھر نہیں بسایا کرتیں ۔ ایاز خان نے بہت واویلا کیا مگر اس کی کسی نے نہ سنی اس کی شادی والے دن میں نے اپنی نبض کاٹ لی۔ وہ میرے ساتھ ہسپتال تھا' جب اس کے والد کا فون آیا کہ آ جاؤ' مگر اس نے انکار کر دیا ۔ لعنت بھیجی اس رِشتہ پر اور صاف انکار کرتے ہوئے کہا کہ اگر ان لوگوں نے اس کے ساتھ زبردستی کی وہ نِکاح کے فوراً بعد اس کو طلاق دے دے گا۔ اسی لئے بہتر ہے کہ اس کو مجبور نہ کیا جائے' میں نے تمہاری تصویر دیکھی تھی ۔ ایاز کی ماں نے دِکھائی تھی ۔ نام بھی بتایا تھا ، وہ اس وقت مجھے صرف ایاز خان کی کلاس فیلو ہی سمجھتی تھیں' ایاز خان کو بھی تصویر دیکھنے کا کہا گیا مگر اس کو کوئی اُنسیت نہ تھی اس لئے ایک نظر بھی نہ ڈالی اور شاید کبھی دیکھی بھی نہیں۔ کیا پتہ وہ تم کو پہچان لیتا میں تم کو پانچ چھ سالوں کے بعد دیکھ رہی ہوں مگر جوں ہی تم کو دیکھا فوراً پتہ چل گیا کہ تم ہی وہ لڑکی ہو جس سے ایاز خان کا رِشتہ طے تھا میں نے ایاز خان کو پا تو لیا مگر حاصل نہ کر سکی۔اس نے ہمیشہ مجھ سے جھگڑا رکھا اور۔۔اور اب وہ مجھے جان سے مارنے کی دھمکی دے رہا ہے ۔ مجھے یقین ہے وہ کسی دن مجھے مار ڈالے گا میں تمہاری مدد چاہتی ہوں ۔۔بتاؤ تم کرو گی ناں میری مدد۔" نزہت حیران تھی نور فاطمہ اس کو جانتی تھی تو اب پھر کیا اب کیا ہوسکتا ہے۔وہ کیا چاہتی ہے اس سے ۔؟ اب کیا اس کو نوکری سے نکال دے گی اس کا شاید آج اِدھر آخری دن ہی ہے ۔ بازی پلٹ گئی شاید......

"جی جی بتایئے ۔۔" گھبرائی ہوئی آواز سے اس نے جواب دیا اور سامنے بیٹھی نور فاطمہ کو دیکھا جو بالکل رو دینے کو تھی کسی پر سے اعتبار اُٹھتا ہے تو شاید ایسے ہی ہوتا ہے ۔

" مجھے نہیں پتہ تم یہاں کیوں آئیں ۔ مگر تم یہاں میری مدد کے لئے ہی بُلائی گئی ہے۔ تم میرا یہ موبائل پاس رکھ لو اس میں بہت اہم چیزیں ہیں جو خدانخواستہ اگر کسی سلسلہ میں درکار ہوئیں تو ضرور تمہاری مدد کریں گی

گھبراؤ نہیں مجھے پتہ ہے تم کو ایک بڑی ذمہ داری سونپ رہی ہوں مگر مجھے ایاز خان پر بالکل بھروسہ نہیں اب۔۔چاہوں تو ہزاروں گارڈ رکھ لوں اپنے ساتھ مگر پھر بھی وہ کسی موقع کی تلاش میں ہے' مجھے اس کا اندازہ نہیں کہ کب اس کو موقع مل جاتا ہے۔آج کل اس کا آفس سیکرٹری کے ساتھ افیئر چل رہا ہے۔پانچ دن بعد میری ڈلیوری ہے میری بچے کو سنبھالنے والا کوئی نہیں لڑکا ہوا تو رہنے دینا لڑکی ہوئی تو تم اسے سنبھال لینا کیوں کہ وہ مجھ سے نفرت کرتا ہے اپنی بیٹی سے بھی نفرت کرے گا۔تم اسے پال لینا' میں تمہارے لے کچھ کر تو نہ سکی مگر جو تم کہو میں تمہارے لئے کرنے کو تیار ہوں۔ یہ موبائل لو اس میں ریکارڈنگز ہیں جو وقت پر تم کو کام آ سکتی ہیں تم میری بیٹی لے کر یہاں سے چلی جانا اسے سنبھال لینا تمہارے لئے ایک اکاؤنٹ بنواؤں گی۔جس میں میں ایک رقم منتقل کر دیتی ہوں جو تم اس پر صرف کرو گی۔ بس یہی کام تھا تم سے میرے مرنے کی صورت میں تم میری بیٹی کا خیال رکھنا۔ اسے سنبھال کے رکھنا۔میرا یہ کام کرو گی ناں مجھے میری زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں بلکہ یہ کہو کہ میرے لئے وہی محبت جو کو پانے کی' میں عمر بھر کوشش کرتی رہی۔وہی میرے گلے کا پھندا بننے والی ہے۔ بتاؤ نزہت کرو گی ناں میرا یہ کام۔۔" نور فاطمہ کی آنکھوں میں آنسو ہی نہیں تھے بلکہ یاس کی ایک اَنمٹ لہر بھی دکھائی دے رہی تھی۔ نزہت نے آج پہلی بار نورفاطمہ کو روتے دیکھا تھا' فریاد کرتے دیکھا تھا وہ بھی ایک گھر کی نوکرانی سے وہ تو اسے مغروری عورت لگتی تھی' جو اپنے شوہر پر دباؤ ڈالتی ہے اپنی دولت کا رعب جھاڑتی ہے مگر یہ تو بالکل ہی مختلف مخلوق تھی روتی 'دھوتی اپنے گھر کو بچانے کی خاطر۔

"بیگم صاحبہ آپ پولیس کو کیوں نہیں بتا دیتیں اپنی حفاظت کریں اگر ایسی بات ہو تو اس طرح مایوس ہونے سے کیا ہو گا آپ ہمت کریں، آپ کا بیٹا ہے' عنقریب یہ بھی دُنیا میں آ جائیں گے۔ ماں نے علاوہ کون کسی کی اولاد کو اچھی طرح سنبھال سکتا ہے۔مگر میرا آپ سے وعدہ ہے آپ کی بیٹی میری بیٹی مگر آپ اپنا خیال رکھیں۔ آپ کی ابھی بڑی عمر ہے آپ ایسی مایوسی کی باتیں کرتی اچھی نہیں لگتیں۔نزہت کو یہ ساری حقیقت جان کر دل سے صدمہ پہنچا تھا نزہت کو اب سمجھ آئی تھی کہ اللہ کے ہر کام میں بندے کے لئے حکمت چھپی ہوتی ہے اگر اس کی شادی ایاز خان سے ہو جاتی تو آج ایاز خان' نور فاطمہ کو نہیں اس کو ٹھکانے لگانے کا سوچ رہا ہوتا۔

"تمہیں تصویر بنانی آتی ہے کیا۔۔؟"

"نہیں جی۔۔"

"اچھا اِدھر آؤ میں سکھا دیتی ہوں اگر کبھی کوئی غیر معمولی دیکھو تو تصویر بنا لینا اس میں میموری کارڈ ہے مطلب کہ اس میں تصویر' ویڈیو وغیرہ ڈل جاتی ہیں۔۔ یہ دیکھو اس طرح۔۔" نزہت نے موبائل ہاتھ میں پکڑا، نور فاطمہ اس کو تصویر بنانا سکھانے لگی۔نزہت نے موبائل فوراً ہاتھ سے جھپٹا۔

'' کیا کر رہی ہو تم ۔۔کیوں نکالا ہوا ہے اس کو ۔۔؟''

'' اماں یہ موبائل کس کا ہے اِتنا پُرانا لگتاہے کہاں سے لیا اور مجھے کیوں نہیں دِکھایا ، سچ بتاؤ اماں کیا یہ ابو کی کوئی نشانی ہے۔۔'' کائنات پوچھ رہی تھی نزہت نے موبائل اُلٹ پلٹ کر دیکھا ۔

'' ہزار دفعہ کہا ہے کہ کسی کی امانت نہیں اُٹھاتے یہ کسی کی امانت ہے یہ اس کو واپس کرنا ہے تم پریشان نہ ہو جاؤاپنا کا م کرو۔''

'' ہوں ۔۔'' کائنات منہ بناتی باہر نکل گئی ۔

''جوں جوں دن قریب آتے جارہے ہیں ایازخان تمہاری حالت کا سوچ کر مجھے تصور ہی تصور میں ہنسی آ جاتی ہے میں کیسے دیکھ پاؤں گی تمہاری وہ حالت۔لیکن میں دیکھوں گی میں نے جو' جو دیکھا اس سے بدتر تو ہرگز نہیں ہو گا تمہارے ساتھ۔ اگر تم سے انتقام لینے میں ساری عمرپونجی بھی صرف ہو گئی تو صرف کر دوں گی ۔مگر تم جب تک سکون میں رہو گے میرے کلیجہ میں ہاتھ پڑا رہے گا ۔ اب وہ وقت آ نے کو ہے ایاز خا ن تم بس دیکھتے جاؤ ۔ بس۔''

آج بھی رات گہری ہوتی جا رہی ہے' اور وہ بھی ایک گہری رات ہی تھی لیکن اِس رات میں' اور اُس رات میں بڑا فرق تھا۔

☆☆☆

وہ طوفانی رات تھی ہر طرف جل تھل تھا نسرین نہیں آئی تھی غزالہ کو نزہت ساتھ ہی لے آئی تھی۔ نسرین کو آج کوئی ضروری کا م تھا اسی لئے رات نہ رُک پائی تھی اسی لئے نزہت کا قیام آج رات کا بھی یہیں تھا۔کھانا کھانے کے بعد دوسری ملازماؤں کی مدد سے کھانا چُن دیا گیا جو کُچھ پچھلے دنوں سے نور فاطمہ اکیلے ہی تناول کرتی تھی' اس کے اُٹھنے کے بعد ایاز خان آیا اور اس نے کھانا کھایا اور نزہت اس سے پہلے ہی کچن میں چلی گئی کہ کہیں اس کو اِتنے اطمینان سے بیٹھے دیکھ کرغصہ سے اس کے سر پر گفگیر ہی نہ بجا بیٹھے۔سو احتیاط لازم تھی باہر کی حالت دیکھ کر نزہت ڈر رہی تھی ایسا طوفان اس کے لئے کوئی نئی بات نہیں تھی مگر آج کچھ نیا پن لگ رہا تھا کچھ خطرناک' کچھ زہریلا' اورکچھ بہت ہی ڈراؤنا ۔

'' یہ کھانا جلدی کھائے تو برتن واپس رکھ کر جاؤں ۔ یہ نہ ہو غزالہ اودھم مچا دے ۔۔'' نزہت کوفت میں مُبتلا تھی رات کا دوسرا پہر تھا۔''مگر ان شہری لوگوں کو کون سمجھائے۔ بُری عادتیں ان کی گُھٹیوں میں ہیں ۔۔''

وہ بظاہر ایاز خان کو سامنے رکھ کر سب کو ایک جیسا ہی کہے جا رہی تھی حالانکہ اسی شہر میں بسنے والی نور فاطمہ تھی اور یہیں نسرین بھی رہتی تھی' گھر کے دوسرے ملازم بھی تھے اور نور فاطمہ کی ماں بھی تھی باپ تھوڑا مغرور

تھا مگر سب ایک سے تو نہ تھے۔بات شہر دیہات کی نہیں' بات ہوتی بلکہ بات فطرت کی ہوتی ہے۔گاؤں ' شہرمحلّہ' قصبہ چھوڑنے یا اپنانے سے اوقات میں تو نہیں ہاں ' مگر جو کسی کا احساس رکھتے ہیں اس کے خیالات ضرور بدل جاتے ہیں۔

نور فاطمہ کے ہاں دو اولادیں ہوئی تھیں ۔ ایک بیٹا اور بیٹی ۔ بیٹے کا نام صائم رکھ دیا گیا ۔ بیٹی کا نام رکھنے کی ابھی زحمت نہ کی گئی تھی ۔ ہاں نور فاطمہ اس کا نام کائنات رکھنا چاہتی تھی ۔اب وہ دونوں دو ماہ کے تھے اور دونوں ہی صحت مند تھے اور ٹھیک ٹھاک ایازخان ان کی پیدائش پر کوئی خاص متوجہ نہ ہوا تھا ہاں ہسپتال ضرور گیا تھااور جب تک نور فاطمہ گھر نہ لائی گئی اس نے ہسپتال قیام کیا ۔ دِکھلاوے کی بات تھی یا نور فاطمہ کے والد کے اثر و رسوخ سے ڈرنے کی' بہرحال جو بھی تھی اس نے ساری رات ہسپتال میں ہی گُزاری تھی ۔

پرندے اپنے گھونسلوں میں دُبکے بیٹھے تھے تیز ہوا ان کے آشیانوں کے بکھرانے کے در پہ تھی پریشان سے بیٹھے پرندے اپنے سے زیادہ اپنے بچوں کی فکر میں ہلکان ہوئے دے رہے تھے اور اگر انہی گھونسلوں والے گھر میں جھانک کر دیکھا جائے تو کچھ کچھ حالات مختلف دِکھائی دیتے تھے ۔ صائم نے اپنے باپ کی شکل لی تھی اور بچی کی شکل اپنی تھی مطلب اس کی شکل خاندان میں کسی اور سے نہ ملتی تھی ایازخان صائم کی طرف ' دائم اور کائنات کے مُقابلے میں زیادہ رُجحان رکھتا تھا۔نورفاطمہ کے والدین ' ایازخان پرسختی نہیں کرنا چاہتے تھے وہ ان کا داماد تھا اس کی اپنی حیثیت ان کی زندگی میں مسلم تھی۔اگر ان کی بیٹی روتی دھوتی ان کے گھر جا کر ایاز خان کے کرتوت بتاتی ' تو وہ غصے میں اس کو ہمیشہ کے لیئے پاس ہی رکھ لیتے ' نور فاطمہ میں بے صبری ضرور تھی مگر وہ گھر کو بچانا چاہتی تھی اور اسی لئے وہ گھر والوں کے ساتھ ہمیشہ محدود ہی رہتی تھی ، ان کے لئے نور فاطمہ بوجھ نہ تھی' چھبیس سال اس کو سونے کے چمچ سے کھلاتے رہے وہ اب بھی اس کو کھلا سکتے تھے مگر وہی گھر کو بچانے کی مسلسل کوشش' بالکل اس چڑیا کی طرح جو ڈری سہی گھونسلے میں بیٹھی تھی اپنے ننھے ننھے بچوں پر' پَر پھیلائے۔

ایاز خان کھانا کھا کر کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھاساری ملازمائیں کوارٹرز میں جاچکی تھیں ۔ کھڑکی سے باہر پانی کی تیز دھاریں گر رہی تھیں ۔ یکدم فون کی گھنٹی بجی۔ ایاز خان نے فون نکالا اور اِدھر اُدھر دیکھا ۔ اور فون کو کان سے لگا لیا ۔

" ہاں سناؤ کیسی ہو ۔یار میں بھی اکیلا ہوں بڑی یاد آ رہی ہے تمہاری ۔۔" آگے مخاطب کوئی عورت تھی جو یقیناً ایازخان سے میٹھے انداز میں ہی بات کر رہی تھی ۔

"ہاں ناں اس کھڑوس کے ساتھ میں خوش رہوں گا بھی کیسے ۔۔ ہر وقت ہری مرچیں چبائے بیٹھی رہتی ہے تم ہو تو اس موسم میں مزہ آ جائے ۔۔"

" چھوڑو بھی اس کا ذکر بھی نہ کیا کرو ۔" کھٹکے کی آواز نے ایاز خان کو بد مزہ کر دیا رُخ موڑا تو نور فاطمہ سامنے کھڑی تھی ۔

" اچھا اس ڈیل کو صبح دیکھتے ہیں کہ کیا کرنا ہے ٹھیک ہے ۔" اس سے پہلے کہ مخاطب جواب دیتا ' فون بند کر دیا اور رُخ دوبارہ موڑ لیا ۔

" ابھی فون آیا ہے تو ڈیل بھی کر لو ناں ۔ایسا کیا ہے کہ آدھی رات کو تمہاری پرسنل سیکرٹری تم سے ڈیلنگ کر رہی ہے جو صبح کو یہ ڈیلنگ نہیں ہو سکتی ۔"

" تم جاؤ کمرے میں میں آتا ہوں ۔" " اچھا کیوں جاؤں ، تم بھی چلو کمرے میں رات بہت ہو گئی ہے ۔" نور فاطمہ نے قصے کو ختم کرنا چاہا ۔

" تم جاؤمیں نے کہا ناں میں اندھا نہیں ہوں' نظر آتا ہے ' رات ہو گئی ہے ۔" ایاز خان نے بُرا سے منہ بناتے ہوئے اسے دیکھا ۔ جو بے بسی سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی مگر لہجہ ہنوز سخت تھا ۔

" چلو تم' تمہارے ساتھ ہی چلوں گی ۔" اندر سے بچے کے رونیکی آواز آئی شاید دائم جاگ گیا تھا ۔اور اس نے اب سب کو اُٹھا دینا تھا ۔نور نے لحہ بھر کے لئے ایاز خان کی طرف دیکھااور اندر کی طرف مڑی ۔سیل فون ایک دفعہ پھر بجا ۔ ایاز خان نے فون کی طرف دیکھا اور پھر نور فاطمہ کو' نور فاطمہ پلٹی ' اور ایاز خان کے پاس آ کر رُکی ' اور فون اس کے ہاتھ سے چھین کر سامنے دیوار پر دے مارا ۔

" یہ اسی لائق تھی ۔ بے شرم آدھی راتوں کو غیر مردوں کو کیوں فون کرتی ہے ۔" نور فاطمہ چلائی ۔

" بکواس بند کرو اور یہ موبائل اُٹھاؤ اور اُسی طرح مجھے جوڑ کر دو۔ ورنہ میں یہ تمہاری مردود شکل مسل کر رکھ دوں گا۔" ایاز خان غصے سے چلایا اور اس کو ایک زور دار دھکا دیا ' نورفاطمہ گرتے گرتے بچی ۔

"ہاں توڑوں گی موبائل کیا میں تو اس کمینی کے ہاتھ بھی توڑوں گی جو میرا گھر برباد کر رہی ہے' سمجھے تم اور میں اس کا صبح کو فیکٹری جا کر اس کا کیا حشر کرنے والی ہوں یہ تم مجھ چھوڑ دو۔ دیکھنا اس نے تمہارا پیچھا نہ چھوڑا تو ۔"

" تم ہو تی کون ہو ۔تم تم دفعان ہو جاؤ ۔

I dont want to see you ever,now get lost

from here. I really dont want to see you ."

" چلی جاتی ہوں مگر تم کو بتا دوں تم کو یہ حرکتیں بہت مہنگی پڑیں گی ۔نور فاطمہ نے اس کو وارن کرتے ہوئے کہا ۔

" تم تم مجھے دھمکیاں دے رہی ہو۔۔۔'ایک گالی دے کر اس نے نور فاطمہ کو بالوں سے پکڑ لیا اور گھما کر منہ پر زور دار طمانچہ رسید کیا ۔ نور فاطمہ نے خود کو بچاتے ہوئے اپنے ناخن ایاز خان کے چہرے پر گاڑ ڈالے' ایاز خان کے چہرے سے خون نکلنے لگا۔

" چھوڑو مجھے ۔۔ نور فاطمہ نے اپنے آپ کو چھڑا نے کی کوششیں شروع کر دیں ۔

" چھوڑوں آ ج تو تم کو میں پکا چھوڑوں گا۔تنگ آ گیا ہوں میں تم سے اور اس روز روز کی مصیبت سے ۔۔"

"ایاز میں تمہاری بیوی ۔میں بیوی ہوں تمہا۔۔ری۔۔" نور فاطمہ کا گلا درد کر نے لگا ۔نورفاطمہ کی ٹانگ میزکو زور سے لگی اور میز اُلٹ کر گرا اور اس پر لگا شیشہ چھناکے سے ٹوٹا۔

نزہت نے چھناکے کی آ واز سنی ساتھ ساتھ اُونچا اُونچا بولنے کی آواز بھی آرہی تھی ۔ غزالہ بے خبر سو رہی تھی ۔موبائل دیکھا وقت دو بجے کے قریب تھا ۔ باہر نکلی ۔

" کیا ہوا کیا کوئی بلی ہے کیا ۔مگر آ واز تو کافی اُونچی تھی ۔کسی چیز کے گرنے کی آ واز اور اتنی وزنی چیز کم از کم بلی تو نہیں گرا سکتی ۔۔۔" نزہت اُلجھی ۔" تو کیا پھر کوئی چور۔۔نہیں نہیں چور کیسے آ سکتا ہے ۔اتنا محفوظ نظام تو کیا ہوا ہے بی بی جی نے ۔۔پھر۔۔" وہ سیڑھیاں چڑھنے لگی ۔

"چھوڑو ایاز خان چھوڑو۔۔" نور فاطمہ کی آ واز اس کے گلے میں دب گئی تھی ایاز خان نے مضبوطی سے اس کا گلا پکڑا ہوا تھا ۔اور یہ مضبوط پھندا اسے بولنے نہ دے رہا تھا ۔آنکھیں باہر کو اُبلنے لگیں۔۔پاؤں ذور زور سے چلنے لگے سانس مدھم ہونے لگی۔

"کائنا۔۔ت۔ داء ۔م ۔۔ صائم۔۔" اپنے آپ کو چھڑانے کی ہر کوشش ناکام ہونے لگی ۔

نزہت کو اپنی آ نکھوں پر یقین نہ ہو رہا تھا سامنے نور فاطمہ کا جسم ٹھنڈا پڑ رہا تھا اور ایاز خان اس کے گلے میں پھندا ڈالے۔۔اُف اس ہیبت ناک نظارے نے نزہت کے اوسان کے ساتھ ساتھ دل کی دھڑکن بھی غیر یقینی بنا دی ۔نور فاطمہ کی باتیں اس کے دماغ میں چلنے لگیں ۔نور فاطمہ کا جسم اب بالکل بے حس و حرکت تھا ۔نزہت نے فوراً موبائل ہاتھوں میں اُٹھا لیا اور پے درپے تصویریں بنانے لگی ۔ بناتی گئی بناتی گئی ۔ملگجے سے اندھیرے کی وجہ سے کیمرے کا فلیش آگے تک نہ جا پا رہا تھا اور تصویر بھی کچھ خاص نہ آ رہی تھی ۔مگر ان کے چہرے واضح نظر آ رہے تھے نزہت کی سانس اُکھڑنے لگی۔ بارش کا شور اور سامنے پڑی نور فاطمہ اور اس کی لاش کو لاتیں مارتا ایاز خان۔نزہت کی حالت غیر ہو رہی تھی ۔تصویریں بناتی گئی اور ہاتھ کانپتے گئے ۔اُسے پتہ تھا اب وہ کچھ نہیں کرسکتی اگر اس نے شور کیا تو اس کو بھی اسی طرح بھیانک موت کا ذائقہ چکھنا ہو گا ۔وہ فوراً بھاگی اپنے

کوارٹر کی طرف۔ دروازہ زور سے بند کیا دل تو پھٹنے کو تھا ۔موبائل سائیڈ پر رکھ دیا۔ اس نے بے اختیار اپنے منہ کو دبوچ لیا جو سچ اُگلنا چاہتا تھا اور نزہت کے سمجھ میں تھوڑا بہت ضرور تھا کہ اس کے سچ میں کیا انقلاب آئے گا ۔ اسے پتہ تھا اب یہاں شیر کی حکومت تھی اور ایسے میں شیر سے دُشمنی کسی کو بھی سستی نہیں پڑے گی ۔

☆☆☆

''تم کیا چاہتے ہو ۔؟'' سوال۔

''سچ بتاؤں یا جھوٹ بولوں ۔''درسوال۔

''سچ جو شاید اب تک تم نے مجھ سے نہیں بولا۔ ''ناراضگی۔

''سچ سننا ہے تو وہ یہی ہے کہ میں تم سے پیار کرتا ہوں ' محبت کرتا ہوں ' ہاں عشق بھی کہہ لو ۔تو یہ میری خوش قسمتی ۔اور اگر مان لو تو میری خوش نصیبی ۔''یقین۔

''تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا'' بے نیازی۔

''بتایا تو بہت مگر تم کو نظر نہیں آیا۔'' افسوس۔

''آج تم مجھے صرف تم ہی کہہ کر مخاطب کر رہے ہو۔ورنہ تو آپ یا پھر میرا نام کہا کرتے تھے ۔''حیرانگی۔

''تم کو پتہ ہے آپ اور تم میں فرق۔ میں بتاتا ہوں میرے مطابق آپ اس شخص کے لئے استعال کیا جاتا ہے جس کو آپ احتراماً پکارتے ہیں ۔ چاہے جانتے ہوں چاہے نہ جانتے ہوں۔اپنے سے بڑوں کو ' جن کا احترام ہم پر فرض ہے اُب اجنبیوں کو جو ہم، کو نہیں جانتے ۔مگر ہم اپنے اچھے اخلاق کی وجہ سے ان پر اچھا تاثر چھوڑنا چاہتے ہیں ۔۔ اور تم ۔۔ تم اس کو کہتے ہیں جس سے بندہ دل کی ہر بات شیئر کر سکے ضروری نہیں کہ وہ تم سے بھی پیار کرتا ہواور تم کو بھی ایسے ہی سوچتا ہو۔جیسے تم سوچتے ہو۔مگر '' تم '' کے لفظ میں ایک احساس ہے اور وہ یہ کہ تم سے ایک طرح کی دوستی ظاہر ہو تی ہے کہ سامنے والا آپ کا احساس کرے گا۔آپ کی بات سنے گا ۔ مانے گا۔دوسرے الفاظ میں ''مان اور اعتماد کا دوسرا نام'' تم ہے اور میرے لیئے تم ہی تم ہو۔''اعتبار۔

''یہی فرق انگلش میں بھی بتا دو تم اور آپ میں ۔'' چیلنج۔

''یہ زُبان کی نہیں دل کی کیفیات بتا رہا ہوں اور دلی کیفیات بتانے کے لئے ہماری قومی زُبان سے اچھی زُبان اور کوئی نہیں شاید جو آپ کے احساسات واضح طور پر دوسرے تک پہنچا دے ۔'' عزم۔

''آپ نے کیا اندازہ لگایا کہ میں آپ کو اس سب کا کیا جواب دوں گی ۔''خوش فہمی۔

'' the rain will stop , the night will end, the hurt will fade, hope is

never lost that it could be found

"اچھا اب انگلش کا استعمال ۔۔" سوال۔

"ہاں تو محبت تو بہت کچھ سکھا دیتی ہے یہ انگلش کیا چیز ہے ۔"جواب

"تم مجھے صرف اپنا ایک دوست سمجھو۔"مختصراً

"دوست تو کب کا سمجھتا ہوں' میں تو اب اپنے آپ کو آزمانا چاہتا ہوں ۔" اِرادہ۔

"کیسے ۔۔"بے رُخی ۔

"تمہاری ہاں سن کر۔" حالتِ دل۔

"اور اگر میں ناں کروں تو۔۔؟" بے اعتنائی۔

wait is painful, but not knowing what to do, is the worst kind of suffering.
"

" مجھے کچھ پچھتاوا نہیں ہو گا ۔ "کھسک۔

" لیکن میں چاہتا ہوں تم سوچ کر جواب دو۔"

" اگر سوچ کر بھی ناں ہی کرنا ہے تو ناں ہی ٹھیک ہے ابھی کا ۔"

"مجھے یقین ہے کہ میری محبت تم پر اثر کرے گی ۔"

" تم ہمیشہ میرے دوست رہے ہو اور دوستوں میں محبت تو ہوتی ہی ہے جس طرح کا جواب تم چاہتے ہو ، میں شاید تم کو نہ دے سکوں ۔"

"مجھے اپنی محبت پر خو د سے بڑھ کر بھروسہ ہے اور یقین ہے میری محبت جیت جائے گی ۔"

" میں سوچوں گی مگر میرا نہیں خیال کہ میں مثبت جواب دے پاؤں۔"

" ایسے نہ کہو سوچ لو۔۔"

" سوچنا کیا ہے فیصلہ کرنا ہے ۔۔"

"تو فیصلہ ہی سوچ کر ہی کر لو مگر میرے حق میں ۔۔یہ میری التجا ہے کہ میں نے جب سے تم کو دیکھا ہے ہلگتا ہے کہ اگر کوئی میری منزل ہے تو وہ تم ہی ہو ۔ تم کو حاصل کر لیا تو لگے گا سارا جہاں حاصل ہو گیا اور کھونے کا تو میں سوچ ہی نہیں سکتا ۔ میری محبت میں کتنی شدت ہے یہ تم کو وقت بتائے گا۔ "کیفیتِ دِل۔

"سو زُمان محمود میں تم کو نصیحت کروں گی کہ وہ وقت آنے دو ۔ میں اپنے لیئے ہو سکتا ہے تمہارے حق میں کوئی فیصلہ نہ کر سکوں مگر وقت کرا لے ۔ تھوڑا وقت گزرنے دو۔ دیکھنے دو مجھے ۔ کیا ہے تمہاری محبت میرے لئے اور تم

بھی دیکھو ۔ کہ کہیں جلد بازی سے کام تو نہیں لے رہے ۔ ساتھ رہنے کی وجہ سے پیدا ہونے والی اُنسیت اور محبت میں بڑا فرق ہوا کرتا ہے ۔تم اس کو محبت کا نام نہیں دے سکتے ۔ رُمان محبت پہلی نظر میں ہو جاتی ہے میں اس بات پر یقین نہیں رکھتی ۔ محبت وقت کے ساتھ ہو جاتی ہے ۔ اس پر یقین کر سکتی ہوں مگر تم جلدی میں کوئی ایسا فیصلہ نہ کر لو کہ بعد میں تم کو پچھتانا پڑے ۔" نصیحت۔

" تم کو حاصل کر لیا تو میرا ہر پچھتاوا' مداوے میں بدل جائے گا۔ میری تو ہر سوچ تم سے شروع اور تم سے ختم ہوتی ہے ۔" محبت۔

"چلو دیکھتے ہیں ۔ کہ کیا تمہاری محبت تم کو کسی آزمائش کے بغیر مل جاتی ہے یا یہ ساری ریاضت بے فائدہ ثابت ہونے والی ہے ۔"چیلنج

" مجھے تم چاہیئے ہو ، تمہارے بعد کسی چیز کی طلب نہیں ۔ اور تم کو پانے سے میں ایک خوش قسمت شخص بن جاؤں گا۔"یقین۔

☆☆☆

" آپا جی خوش ہو جائیں اس کی شادی ہونے والی ہے ۔" نیناں کے چہرے سے پھوٹتی خوشی زبیدہ کو عارضی ہی لگ رہی تھی ۔

" زیادہ خوش نہ ہو' یہ نہ ہو خوشی تجھے راس نہ آئے ۔ وہ اس کی شادی نہیں ہونے دے گا یہ بات میری تم لکھ لو خالی کاغذ پر ۔" زبیدہ نے کس کر وار کیا نیناں کی خوشی کو بھک سے اُڑانے کے لئے ۔

" کیا آپا خوش تو ہونے دے سارا مزہ کرکرا کر کے رکھ دیا ہے ۔تم بس دیکھو اب سکندر کیسے میری طرف پلٹتا ہے ۔" نیناں مٹک کے بولی ۔ اسے اب یقین ہونے لگا تھا کہ سکندر اب صرف اس کا ہے ۔

" ارے بے وقوف وہ کہتا ہے کہ وہ مر کر بھی نیناں سے شادی نہیں کرے گا۔" زبیدہ نے ہاتھ نچا کر کہا ۔نیناں کا دماغ آسمان پر تھا ابھی اسے ساتویں آسمان تک پہنچنے سے پہلے ہی وہ واپس زمین پر لانا چاہتی تھیں ۔ وہ چاہتی تھیں کہ ابھی گر جائے کیوں کہ جتنی اُونچی ہو گی اتنا ہی گرنے پر چوٹ لگے گی ۔ سو پچھتائے گی مگر وہ بے وقوف تھی اور بھلا بے وقوف کسی کی بات کو دماغ میں بٹھا تے ہیں ۔

" نہ کرے اب اس کی شادی جوزی سے بھی تو نہیں ہو گی ناں ۔" چہکتی نیناں کو لگتا تھا کہ اب اسے سارا جہاں مل گیا تھا اور سکندر اس کے لئے سارا جہاں ہی تو تھا ۔

" یہی تو مسئلہ ہے وہ اس کو چھوڑنے کو کسی طور تیار نہیں وہ اس کو ہر حال میں حاصل کرنا چاہتا ہے وہ کہتا ہے کہ جوزی اس کی نہیں تو کسی کی نہیں ۔ تو وہ کسی کی نہیں ہونے دے گا۔ اس کا رویہ بڑا عجیب سا ہے اور مجھے

ڈر لگتا ہے کہ کہیں کچھ بُرا نہ ہو جائے۔" اب کے نیناں ٹھٹکی تھی ، زبیدہ بلاوجہ خوف کا شکار نہ تھی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور تھی اور اسے رہ رہ کر سکندر کی گاڑی میں کہی گئی باتیں ذہن میں دوڑنے لگیں ۔ وہ زبیدہ کے پاس آ کر بیٹھ گئی ۔

" کیوں آپا ایسا کیا ہے ۔ اب تو جوزی کی شادی ۔۔"

" وہ نہیں ہونے دے گا شادی' اتنا تو مجھے یقین ہے ۔اور تم یہاں بے خبری میں لڈیاں ڈال رہی ہو۔ کہیں وہ کم بخت سکندر سے بھاگ کر ہی شادی نہ کر لے ۔" زبیدہ کو جو بدترین خیالات ستا رہے تھے' آخر کار ان کا تذکرہ کر ہی ڈالا۔

" کیا واقعی وہ ایسا کرے گی ایسا ہی ہو گا ۔" زبیدہ ساتھ ساتھ گردن ہلا رہی تھی ۔" مجھے نہیں لگتا آپا اور میں خوش ہوں پلیز مجھے خوش ہی رہنے دو۔"

"ہاں تو اور کیا تُو خوش ہی رہے گی ۔ ان بہن بھائی کے ڈرامے ہر روز نئی اقساط لاتے ہیں ۔ اب اس سے یہ تو ہو نہیں سکتا ناں کہ اپنے بھائی کو کہے ۔کماتا ہے اب شادی کر لے ۔ مگر ناں یہ سمجھتے ہیں تیرے وہاں جانے سے ان کے ہاں فاقے پڑ جائیں گے سب سمجھتی ہوں میں بیٹا بس تیرے اور تیرے باپ کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہے اور جب اُترے گی ناں سب مِٹ چکا ہو گا ۔" چاچی تنفر سے کہتی اندر داخل ہوئی ۔

" ایسی بات بھی نہیں ہے بھابھی میں نیناں ہی کو بھابھی بنانا چاہتی ہوں ۔ ۔"

" رہنے بھی دو ۔ پانچ سال ہو گئے ہیں ۔ وہ ہمارے گھر نہیں آیا اور جب جب آیا نیناں سے لڑکر ہی گیا ۔ اس کا مجھے پتہ ہے وہ میری بیٹی سے شادی کرنا ہی نہیں چاہتا ۔ میں نے تو اس کے ابا سے بھی کہا ڈھونڈ کہیں اس کا رِشتہ ۔ عمر نکلتی جا رہی ہے ۔ اب ہر ایک کی طرح اس کی عمر بھی تو نہیں نکال سکتے ناں۔ بائیس' چوبیس سال ہوتی ہے شادی کی عمر ۔تیس سال کی کر کے کسی کو سیاپے ڈالنے ہیں کیا ۔ اور تم نیناں کی فکر نہ کرو اس کی ماں'باوا دونوں زندہ ہیں ۔ ہاں بھئی کسی کی' کی ہوئی نیکی کون یاد رکھتا ہے ۔" چاچی کی حقیقت پسندانہ طبیعت اور خاردار لہجے نے زینب کو بہت کچھ باور کرا دیا تھا ۔اسے پتہ تھا کہ سارا طنز اس کی ذات پر کیا جارہا ہے ۔

"جومرضی ہو اماں مگر میں نے شادی کرنی ہے تو صرف سکندر سے ۔" نیناں نروٹھے پن سے بولی۔

" ارے چپ کر کم بخت ۔ وہ تیری جیسی کو گھاس بھی نہ ڈالے ۔ اعلیٰ کماتا ہے' گاڑی میں جاتا ہے تیرے مٹی کے گھروں میں تو وہ بھولے سے بھی قدم نہ رکھے ۔کہتی ہوں تیرے باپ کو اب ادھر دال گلنے کا سوچے بھی مت کہیں اور ڈھونڈے تیرا بر۔ان کی نیت ہو تی ناں تو سکندر کو نوکری کرتے چھٹا سال جا رہا ہے ۔" چاچی کو کون سمجھاتا ۔

''اچھا بھابھی میں چلتی ہوں۔'' زبیدہ جانے کے لئے اُٹھی ۔

''ہاں ہاں ضرور ۔ اور ہاں اپنے بھائی کی شادی کے لڈو بھی اب کھلا ہی ڈالو۔ میں بھی نیناں کی شادی جلد کرنے لگی ہوں اپنی بہن کے بیٹے سے ۔ اب میں اپنی بیٹی کو آس پر بوڑھا تو نہیں کر سکتی ناں۔''پیچھے سے بھابھی نے ایک اور انگارہ پھینکا ۔ زبیدہ سر ہلاتی باہر نکل گئی ۔

''مجھے پتہ ہے چاچی تم مجھ پر طنز کرتی ہو ۔ بڑی عمر کی ہوگئی ہوں ۔ بھائی کا کمایا ہڑپ کر جاتی ہوں۔ مگر تم نہیں جانتی کہ جن کے سروں پر بڑے نہ ہوں' وہ ایسے ہی ہوتے ہیں'تم چاچی' چاچااپنے کاموں سے ہی فارغ نہ ہو سکے ۔ ہم دونوں پر کیا توجہ دیتے ۔اور میں' مَیں اپنی مرضی سے اپنے لئے کوئی رشتہ تو نہیں ڈھونڈ سکتی ۔ یہ کام تو بڑوں کا ہوتا ہے لیکن دوسروں کو تو ہر کوئی کریدتا ہے ۔اگر ہماری طرف تم لوگوں کا کوئی فرض بنتا تھا بھی تو تم لوگوں نے ادا نہ کیا اور اب اپنی بار کیسے مرچیں چبا رہی ہیں ۔ سب جانتی ہوں مگر میں اپنی کزن کی بھلائی چاہتی ہوں کہ وہ اگر اس گھر میں ہو گی تو میں کسی نہ کسی کونے کھدرے میں پڑی رہوں گی مگر ۔چلو جو قسمت کو منظور۔ اب اس سکندر کو کون سمجھائے اللہ ہی عقل دے تو ہی بات ہے ۔'' سرد آہ بھرتی وہ اپنے گھر میں داخل ہوئی ۔

سارے کام بکھرے پڑے تھے ۔ صبح صبح نیا سیاپا گلے پڑ گیا تھا سکندر کام سے باہر گیا ہوا تھا ۔ آج اتوار تھا مگر پھر بھی وہ جلدی جاگ جاتا تھا ۔اس نے برتن دھوئے 'کپڑے مشین میں ڈالے ' جھاڑو لگایا اور دوسرے روز مرہ کے کام کئے ۔ کام کرنے کے بعد تھوڑی دیر کے لئے ستانے کے لئے لیٹی اور سوگئی ۔ اور جب سامنے لگی گھڑی کی سوئیاں ڈیڑھ بجا رہی تھیں اس کی آنکھ کھلی ۔ اُٹھی اور باہر نکلی سکندر ابھی تک نہیں آیا تھا اتنی دیر اس نے کہاں کر دی ۔ خیر دوستوں کی طرف گیا ہو گا اچھی بات ہے اس طرح اس کی عشق تو دماغ سے نکلے گا۔ انہی سوچوں میں وہ دوپہر کے کھانے کا انتظام کرنے لگی ۔ ابھی سالن ہی چڑھا تھا کہ دستک ہوئی گیٹ کھولا تو سامنے سکندر کھڑا تھا ۔عجب بُرے حال میں وہ کچھ کہے بغیر اندر داخل ہوا۔ تھکا ہارا ' شکست خوردہ ۔ زبیدہ کا دل کسی نے آہنی زنجیر سے جکڑ دیا ہو جیسے ۔ دل تو کبھی کبھی چاہتا تھا کہ دو چار تھپڑ سکندر کو کس کے لگائے اور راستے پر لے آئے مگر وہ جو محبت تھی وہ اسے کچھ نہ کرنے دیتی تھی ۔ وہ سکندر کی بہتری چاہتی تھی مگر اس پر سختی کرنا کسی طور مناسب نہیں سمجھتی تھیں ۔ کھانا مختلف سوچوں کے ساتھ تیار ہوا سکندر کے لئے

کھانا الگ کیا اور اس کے دروازے کے سامنے آئی دستک دی ' تھوڑی دیر انتظار کیا مگردروازہ نہ کھلا دوبارہ دستک دی اور ساتھ ہی اس کو پکارا۔'' سکندر بیٹا دروازہ کھولو اور کھانا کھا لو ۔ '' تھوڑی دیر پھر انتظار کی اور پھر کھڑکایا ۔ا ب کی بار سکندر بولا۔

"لے جائیں کھانا ۔نہیں مرتا میں ۔ میری بہتری چاہتی ہیں تو بس اتنا کر دیں ۔ چلی جائیں یہاں سے ۔
" زُبیدہ روہانسی ہو گئی ۔ وہ تو گِھن چکر بن گئی تھیں ۔ اب ان کی کوئی نہ سنتا تھا ۔ وہ اب تھالی کے بینگن کی طرح ہی رہ گئی تھیں ۔

سکندر سخت کبیدہ خاطر تھا جوزی اس کی نظروں کے سامنے سے جاتی ہی نہ تھی ۔ وہ اس کا مُقابلہ نیناں سے کیوں کر کرتا ' جوزی کا مُقابلہ بھلا کسی سے ہو سکتا تھا ۔ وہ انوکھی تھی' دل کی مُراد تھی' سکندر کی دُنیا تھی ۔ وہ کیسے کسی اور کی ہو سکتی تھی ۔اسے اس سے ملنا ہو گا اس کو یہ بزدِلانہ رویہ چھوڑ کر اب اس کے گوش گزار اپنی دلی کیفیات پیش کرنی ہوں گی۔ اسے اب بتانا وہ گا کہ وہ اس کو پسند کرتا ہے اور اس سے شادی کرنا چاہتا ہے ۔ اب اُسے مزید وقت ضائع نہیں کرنا تھا ۔ اگر وہ یہ ہمت کچھ ماہ پہلے ہی کر لیتا تو اِتنے مسائل پیش نہ آتے ۔ مگر اب اسے ملنا تھا ' بات کرنا تھی' اسے باتانا تھا کہ وہ اس سے کتنی محبت کرتا ہے' اسے کتنا چاہتا ہے ۔ اس نے وَدجوتے پہنے' اور بال سیدھے کئے ۔ آج اسے کسی اور کام سے نکلنا تھا' ہمت کرنا تھی' اور یہ کام اب اس کی ساری زندگی کا احاطہ کئے ہوئے تھا۔ جب وہ باہر نکلنے لگا' توزُبیدہ لپک کر سامنے آئیں ۔

" کیا ہوا بیٹا ناراض ہو گیا ۔تم کو پتہ ہے میں تم کو ناراض نہیں دیکھ سکتی اور آج پہلی بار تم مجھ سے ناراض ہو اور مجھ پر کیا بیت رہی ہے تم کیا جانو۔" زُبیدہ سکندر کو احساس دِلانا چاہ رہی تھیں کہ اس کی ناراضگی میں وہ سخت پریشان ہوتی ہیں ۔

" نہیں ۔ناراض کیوں ۔۔؟" سکندر نے لاعلمی کا اظہار کیا ۔

" تم جانتے ہو ۔۔"

" میں جانتا ہوں کہ میں آپ سے ناراض نہیں ہوں۔" اس نے زُبیدہ کے خیالات کی نفی کر دی ۔" اور یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ جوزی سے میری شادی پر بھی راضی ہیں ۔"

"میں راضی ہوں مگر بیٹا ہو غیرمذہب ہے' وہ تم سے کبھی شادی نہیں کرے گی اس کی بات طے ہے اس کی شادی ہونے کو ہے ۔اور ہم خاندان کو کیا جواب دیں گے ،سکندر اِتنے مسائل ہیں ان کو دیکھ لو کیا ان کا سامنا کر لو گے اور تمہاری چچی چچا نیناں کے لئے آس لگائے بیٹھے ہیں اور اب بتاؤ میں کہاں جاؤں چچی مجھے بات بے بات سناتی ہیں میں کس کس کا سامنا کروں گی سکندر سمجھنے کی کوشش کرو۔" زُبیدہ نے سکندر کو ہر طرح سے اس فعل سے ٹالنے کی کوشش کی مگر بے سود۔

" وہ شادی کرے گی تو صرف مجھ سے ۔ میں چاہتا ہوں اسے ۔ خوش رکھوں گا اسے ۔ سب سے زیادہ ۔ جوزف سے بھی زیادہ ۔ میں اسے یقین دِلاؤں گا کہ میں جتنی محبت اس سے کرتا ہوں دُنیا میں کوئی مجھ سے بڑھ کر

اس سے محبت نہیں کرتا ۔ اسے مجھ سے زیادہ نہیں چاہ سکتا ۔" سکندر کے جواب میں شدت تھی جو زبیدہ محسوس کر سکتی تھی ۔

"مگر۔۔" زُبیدہ کو سکندر نے ہاتھ کے اِشارے سے روک دیا ۔

" اگر مگر چھوڑیے۔بس آپ اپنی بات پر قائم رہیۓ گا ۔" سکندر ایک عزم کے ساتھ باہر نکلا ۔ زُبیدہ کو اندازہ ہو گیا تھا کہ سکندر کو روکنا نا ممکن ہو گیا ہے ۔وہ جی داماں ہو رہی ہیں اس کا اندازہ ان کو اب صحیح طرح ہو گیا تھا ۔

☆☆☆

باہر موتیا کی تازہ اور بھینی بھینی خوشبو پھیلی تھی اور گھر کے اندر دال کا زبردست سا لگایا گیا تھا جس کی مہک سارے میں پھیلی تھی ۔باہر دروازے پر دستک ہوئی یہ وقت کول کا یونیورسٹی سے لوٹنے کا وقت تھا ۔گیٹ کھولا تو پسینے میں شرابور کول ہاتھوں میں جرنلز اور کندھے پر بیگ لٹکائے اندر بڑھ گئی ۔ بجلی نہیں تھی مارچ کے اختتام میں بھی چلنے کی وجہ سے گرمی کا احساس ہونے لگتا تھا ۔مسلسل چلنے کی وجہ سے اسے تھکن ہو گئی تھی ،جرنلز اور بیگ بیڈ پر رکھے اسی اثناً میں زہرہ اس سے لئے پانی کا گلاس لے آئیں ۔

" امی یہ بجلی کب گئی ۔" اس نے ساکت پنکھے کی طرف دیکھا اور دوپٹے سے پسینہ پونچھنے لگی ۔

" ابھی بارہ بجے ہی تو گئی ہے تم پانی پیو نہا لو اور آج لگتا ہے تم کو گرمی زیادہ ہی لگی سلام بھی نہ کیا ۔ بھول گئیں تم ۔" زہرہ برابر اس کو پنکھا جھولتی رہیں ۔

" ہاں سوری امی وہ پیدل آئی تو ۔۔" پانی پی کر اس نے گلاس سائیڈ پر رکھ دیا ۔

"اچھا چلو اب اُٹھ کر نہا لو گرمی کم ہو جائے گی پھر کھانا کھا لو ، تیار ہے ۔"

" آج مُرغی بنائی ہے کیا ۔ بڑی اچھی خوشبو آ رہی ہے" کول نے سسپنس سے پوچھا ۔

"نہیں دال پکائی ہے مزے کی ہے تم دیکھنا کھا کر مُرغی بھی بھول جاؤ گی۔" زہرہ اپنے طور پر شرمندہ تھیں ۔کول علیحدہ شرمندہ ہوئی اس کا مقصد ماں کا دل دُکھانا نہیں تھا۔

" اچھا جی میں مجھے تو مُرغی کی خوشبو آ رہی تھی واقعی آپ کی ہاتھ میں ذائقہ ہے اور دال بھی مرغی بن جاتی ہے۔ اچھا امی میں نے آپ سے ایک بات کرنی تھی ۔" زہرہ نے بغور کول کو دیکھا ۔

" امی وہ پیپرز قریب آ گئے ہیں اور ان بیکسٹ سمسٹر کی فیس بھی ادا کرنی ہے ففٹین لاسٹ ڈیٹ ہے ۔"

زہرہ نے کول کو دیکھا جو پریشان نظر آتی تھی ۔ زہرہ اس کے معصوم مطالبہ پر مسکرائی ۔

" بیٹا تو تم پریشان کیوں ہو ۔تم کو پتہ تو ہے میں تمہارے اگلے سمسٹر کی فیس پہلے ہی جمع کیئے رکھتی ہوں ۔تم فکر نہ کرو ۔تم بس پڑھ لکھ جاؤ ۔اپنے قابل ہو جاؤ بس میرے لئے اس سے بڑی کوئی بات نہیں ۔تم ہی تو ہو جس کے سہارے میں نے زندگی گزار دی ۔ تمہارے باپ نے جس طرح مجھے گھر سے نکالا تھا اس کے بعد مجھے زندگی بہت مختصر اور بے معنی لگنے لگی تھی مگر پھر جب تم میری گود میں آئیں تو مجھے لگا کہ ابھی میری زندگی کا مقصد ہے اور پھر میں نے اپنی تمام توجہ تم پر مرکوز کر دی سلائی کرتی ' جاب کرتی ۔ پیسے اکھٹے کئے اتنے پیسے ہیں میرے پاس کہ تم کو آسانی سے پڑھا سکوں۔ بس گھر کے اخراجات کچھ کنٹرول کرنے ہوتے ہیں ۔" زہرہ کے مدہم لہجے میں ایک جوش واضح محسوس کیا جا سکتا تھا ۔

"ساری عمر آپ نے میرے بارے میں ہی سوچا ۔میری پڑھائی لکھائی پالنے پوسنے میں ۔ آپ کو کبھی کوئی خواہش پوری کرتے نہیں دیکھا۔ ان فیکٹ آپ کی کوئی خواہش ہی نہیں دیکھی ۔"

" ارے بیٹا تم کو پڑھانا لکھانا کسی قابل بنانا یہ میری خواہش ہی تو ہے جس کی میں تسکین چاہتی ہوں ۔ میں نے اپنی زندگی میں کیا ' کیا برداشت کیا اور کیا کیا سہا ' نہیں چاہتی کہ تم کو بھی ایسی مشکلیں اٹھانی پڑیں۔"

" امی آپ کے والدین اور بہن بھائی مطلب ۔ ان کے بارے میں آپ نے کبھی نہیں بتایا ہمیشہ ٹال دیا ۔" کومل بضد تھی ۔

" باپ تو بچپن میں ہی وفات پا گیا تھا ماں بھی کچھ عرصہ بعد چل بسی شکر کہ اس وقت میں کچھ نہ کچھ کمانے کے لائق تھی ۔ایک بدنصیب بھائی تھا بس وہ بھی اس دُنیا سے چل بسا۔"

" آپ مجھے ان کی قبروں پر لے جائیں ناں۔" کومل نے اصرار کیا۔

"ہاں کبھی لے جاؤں گی ،تم کھانا تو کھا لو ناں۔ پھر ریسٹ کر لو۔ دیکھو آج بجلی بھی جلدی آ گئی ۔" زہرہ گلاس اُٹھا کر باہر جانے لگی ' کومل نے ہاتھ پکڑ لیا ۔

" اور ابو وہ کہاں ہیں ۔ کیا امی آپ مجھے سچ بتائیں گی کیا راز ہے اس سب کے درمیان۔" زہرہ اس بات سے بھاگنے لگی تھی مگر کومل نے پکڑ لیا۔

" وہ اِدھر ہی ہیں اور ٹھیک ٹھاک ہیں مل جائیں گے کبھی تم کو فکر نہ کرو چلو اُٹھو دیر ہو رہی ہے کھانے کو تم کو بھوک لگی ہو گی ۔" ٹالتا سے لہجہ اختیار کرتے ہوئے زہرہ باہر نکل گئی ۔اس نے اپنا بیگ کھولا اور شناختی کارڈ نکال کر اس پر والدیت میں درج

نام پر انگلیاں پھیرنے لگی ۔

" کیاامی ابو کی کوئی لڑائی ہوئی تھی کیا ابو امی کو چھوڑ کر چلے گئے ۔ اگر چھوڑ کر چلے گئے تو کیوں امی تو اتنی

اچھی ہیں ۔ کہیں میری پیدائش کی وجہ سے ۔ تو پھر کیا مسئلہ اور وہ اتنا تو کر سکتی تھیں ناں کہ مجھے ایک بار میرے باپ سے ملا دیں ۔ اور میں ان سے قصور پوچھوں ۔ اس نے تو اپنے باپ کی شکل بھی نہ دیکھی تھی بس یہ نام ۔ ہاں نام اسے ضرور مل گیا تھا ۔

☆☆☆

دو ہفتوں بعد دُعا ہو گئی گم صم سی گھر کی فضا خاموش ہی رہی ۔ کیسے پل بھر میں اپنے ساتھ چھوڑ جاتے ہیں پلوشہ کے ساتھ ایسے ہی تو ہوا تھا کہ اب اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ زندگی کا کوئی اعتبار نہیں ۔ شہریار اور نعمان چچا اس کو اور ذرنین بی کو لینے آئے تھے ۔ کافی پس و پیشت کے بعد وہ اپنا آبائی گھر چھوڑنے کے لئے رضامند ہو گئی تھیں ۔ بے شک وہ مضبوط تھیں مگر ایک مرد کا سہارا بہر طور چاہیئے تھا اور اب اس گھر کے علاوہ اور گھر کے مکینوں کی یادوں کے علاوہ ان کے پاس تھا ہی کیا ۔ صبح پانچ بجے وہ گھر سے نکل پڑے ۔ پلوشہ نے اپنے سامان کے ساتھ ساتھ اپنی چھوٹی مینا کو بھی ساتھ لے جانے کی خواہش کی' اور اس کی اس معصوم خواہش کا خیر مقدم کیا گیا۔وین میں وہ اور زرنین بی آگے بیٹھیں جبکہ شہریار اور نعمان بٹ پچھلی سیٹس پر بیٹھ گئے ۔ مینا بھی شہریار نے سنبھالی ہوئی تھی ۔باقی سامان بھی لوڈ ہوا 'ہوا تھا ۔شہریار کو بار بار فون آ رہے تھے جو یقیناً اس کو دُکانوں سے آ رہے تھے اس کا کاروبار پچھلے کچھ مہینوں میں بہت ترقی کر گیا تھا اب اس کے پاس ایک کی بجائے چھ دُکانیں تھیں اور

پانچ مزدور آگے کام کرتے تھے وہ دس دنوں سے اِدھر تھا اور اس دوران اُن مزدوروں نے ہی دُکانیں سنبھالی ہوئی تھیں ۔ رومان 'سمعان اور زاویار میں سے کوئی اتنا فارغ نہیں تھا کہ دُکانوں کو دیکھتا ۔ رُومان پڑھائی میں' سمعان اُٹھک بیٹھک میں' اور زاویار ہوٹل میں مصروف رہتا ۔دس دن دُکانیں بند نہیں کی جاسکتی تھیں ۔ اور پھر مزدور بھی قابلِ بھروسہ تھے سو وہ دُکانوں کے معاملات بہت اچھے سے دیکھ رہے تھے ۔جب معاملات میں مدد کی ضرورت ہوتی وہ اس سے فون پر بات کر لیتے کیوں کہ خود شہریار فون نہ کر سکتا تھا'وجہ وہی سگنلز کا معطل ہونا ۔

گھر پہنچنے تک نو بج چکے تھے ذرنین بی اور پلوشہ نے کپڑے بدلے سمعان گھر تھا' باقی زاویار مل کر ہوٹل چلا گیا تھا اور رُومان یونیورسٹی تھا۔ تیار ہو کر زرنین بی اور پلوشہ کو کھانا کھانے کو کہا گیا کیوں کہ ہنزہ سے جلدی نکلنے پر ناشتہ نہ ہو سکا تھا ۔شہریار تیار نان' اور قیمہ ہوٹل سے لے آیا تھا اور اس نے خود ہی چولہے پر دودھ گرم ہونے کے لئے رکھ دیا ۔چاروں بھائی تھے تو گھر کے کام اکثر و بیشتر وہ کر دیتا تھا ۔ اُن تینوں بھائیوں کو ہی گھر کے کام کرنا آتے تھے سوائے رُمان کے ۔ نعمان چچا' زنین بی کے ساتھ اندر بیٹھے تھے اور پلوشہ باہر چنبیلی کے پتے توڑ رہی تھی مینا سامنے کونچھے سے بندھی تھی جو رسی کو توڑنے کی کوشش کر رہی تھی ۔ یہاں پودے تھے اس لئے

اس کو یوں شُتر بے مُہار نہیں چھوڑا جاسکتا تھا ۔

پلوشہ کے آنسو تھے کہ تھمنے کا نام ہی نہ لے رہے تھے اور جب تم جاتے تو لگتا اب آنسو نام کی چیز اس کی زندگی سے دور جا چکی ہے ۔ شہریار نے اس کو بہت سہارا دیا' تسلی دی۔ مگروہ اس دل کا کیا کرتی وہ چار لوگ جو اس کو زندگی سے بھی بڑھ کر

عزیز تھے ایک پل میں دور جانے سے یوں لگتا تھا جیسے کہ زندگی اَدھوری ہے' بے مقصد ہے ۔ یوں اچانک ہی اس کو چھوڑ کر لے جائیں گے اس بات کا اندازہ اس کو کیا کسی کو بھی نہ تھا ۔ رحیم بابا ' گُلِ نین' احسن بابا سب اتنے آرام سے پلک جھپکنے میں اس سے ہمیشہ کے لئے دور ہو گئے کہ چند ثانیوں کے لئے یوں لگتا تھا جیسے کہ یہ سب مزاق ہو' ڈراؤنا خواب ہو ۔ اور وہ جھٹ سے کہیں سے آ نکلیں گے اور اس سے کہیں گے پگلی یہ تو مزاق تھا تم سچ سمجھ بیٹھیں' اور وہ آنسو پُونچھتی پھر ان کے گلے لگ جاتی ۔ مگر اسے اندازہ تھا کہ یہ سب وقتی خیالات تھے اور حقیقت سے کسی طور نظریں نہیں چُرائی جاسکتیں ۔

اندر سے نعمان بٹ اور زرنین بی کی باتوں کی آواز آرہی تھی ۔گل جان کی گمشدگی علیحدہ مسئلہ بنی ہوئی تھی ۔ پولیس ابھی تک اس کو ڈھونڈنے میں کامیاب نہیں ہو سکی تھی اِردگرد کے علاقوں' ہسپتالوں سب کو دیکھ لیا گیا تھا مگر اس کا کہیں کوئی نام و نشان نہ تھا۔ وین کے کھائی میں گرنے سے نو افراد جاں بحق ہوئے تھے' ان میں چار مرد' چار خواتین اورایک پانچ چھ سال کا بچہ تھا ۔اس پر گل جان ہونے کا کوئی دعوی نہیں کیا جاسکتا تھا ۔ اس بچے کا باپ زندہ تھا اور ماں اس کے ساتھ ہی چل بسی تھی ۔ وین کے گرتے ہی اس میں آگ لگ گئی تھی اور لوگ جل گئے تھے لیکن گل جان کی گم شدگی بڑی پُراسرار بات تھی ۔ جہاں رحیم بابا اور وہ گئے تھے وہاں بھی پتہ کیا گیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ انہوں نے خود گل جان کو اسٹاپ تک رحیم باباکے ساتھ چھوڑا تھا اور گاڑی میں بچ جانے والوں نے بھی اس بات کی تصدیق کی تھی کہ انہوں نے ایک بچہ دیکھا تھا جو وین میں سوار تھا اور حلیے کے مُطابق وہ گل جان ہی تھا اس

کو کھائی میں اِدھر اُدھر بھی بہت ڈھونڈا گیا مگر کہیں نہ ملا ۔ فوت ہو جانے والے پر پھر بھی صبر آ ہی جاتا ہے اور جو گُم ہو جاتا ہے اس کے لئے تو ساری عمر کا روگ ہوتا ہے ۔ اس کی یاد میں بندہ لمحہ لمحہ کرب سے گُزرتا ہے ۔

شہریار دودھ کا کپ لے کر اس کے پاس ہی آ گیا اور کافی دیر ہو گئی تھی وہ اِدھر ہی گم صُم کھڑی تھی ۔ شہریار نے پہلے بابا اور زرنین بی کو کپ پکڑائے اور پھر پلوشہ کے لئے لے کر باہر آ گیا ۔

" کیا ہو رہا ہے ۔" شہریار سامنے پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا ۔ دُھوپ نکلتی آ رہی تھی مگر سامنے جامن کا

سایہ ہونے کی وجہ سے دھوپ صحن میں کم ہی گر رہی تھی ۔

'' کچھ نہیں ۔ بس ایسے ہی '' پلوشہ نے کپ پکڑا اور شہریار کی طرف دیکھا ۔

''کچھ تو ہے ایک ڈبیٹر اِتنا مختصر جواب تو نہیں دیتی جتنا تم دے رہی ہو ۔'' شہریا ر نے ٹینشن فری ماحول سازگار بنانے کی کوشش کی ۔

'' بس وہ اماں 'بابا اور گل جان وغیرہ یاد آرہے تھے ۔ وہ کیسے مجھے تنہا چھوڑ گئے ۔'' ٹھہرے ٹھہرے سے لہجے میں برسوں کا کرب تھا جیسے ۔

'' ارے تنہا کیسے ہمارے ابا تمہارے چچا ہیں' تمہاری خالہ ہیں ۔ اور انشأاللہ گل جان بھی جلد مل جائے گا۔ اور میں ہوں ۔۔''شہریار کی زُبان پھسل گئی پلوشہ نے چونک کر دیکھا اس کے لہجے میں کچھ اور تھا پتہ نہیں کیا ۔ شہریار کھسیانا ہوا ۔ (یہ کون سا موقع ہے ڈائیلوگ کا پاگل آ دمی ۔)اس نے خود کو ڈپٹا۔'' میرا مطلب ہے کہ ہم سب تمہارے ساتھ ہیں اُداس نہ ہوں اس سے تم اپنی طبیعت خراب کر بیٹھو گی ۔اللہ سے دُعا کیا کرو کہ ان سب کو اللہ جنت میں اعلیٰ مُقام عطا کرے۔اور گُل جان کے

بارے میں پریشان نہ ہوں وہ بھی جلد مِل جائے گا۔''

'' ہاں تم لوگ ہمارے کتنا ساتھ دے رہے ہو ۔ اس کے لئے آ پ کا شکریہ کرنا بھی آپ سے ناانصافی ہو گی ۔'' پلوشہ کو ان سب کی کوششوں پر کوئی شک نہ تھا ۔

'' شکریہ ادا کرتے ہوئے ناانصافی کیسے ۔۔بات کچھ سمجھ نہیں آئی ۔'' کپ سے سِپ لیتے ہوئے شہریار نے سر کُھجایا۔

'' مطلب یہ کہ تم لوگوں نے جتنی ہماری مدد کی اس میں یہ شکریہ بہت چھوٹی بات ہے ۔''

'' اچھا مگر یہ تم ہم کو بار بار لوگ کہہ کر کیوں پُکار رہی ہو۔ ہم نہیں کریں گے تو کون کرے گا ۔تھوڑی دیر میں' مَیں پولیس کو فون کرتا ہوں ان سے حالات پوچھتا ہوں ، تم فکر نہ کرو۔ اللہ سب اچھا کرے گا ۔''شہریار نے پلوشہ سے بھی کپ لیا اور اندر بڑھ گیا ۔ پلوشہ نے مینا کو دیکھا۔ اور پھراندر کی طرف بڑھ گئی اس کے لئے اور زرنین بی کے لئے ایک ہی کمرے میں بیڈلگا دیئے گئے تھے کمرہ وسیع تھا اور اس میں کافی خالی جگہ تھی ۔اس کا بندھا ہوا سامان اسی طرح پڑا ہوا تھا۔فی الحال تھکن تھی اور اسی لئے پلوشہ سے یہ سب سنبھالنا مُشکل تھا سو وہ سونے کے لئے لیٹ گئی ۔ ان دِس دنوں میں وہ بہت کم سوئی تھی ۔ ہرلحہ لگتا تھا گل جان کے بارے میں کوئی مُثبت خبر سننے کو ملے گی کہ پولیس اس کو ڈھونڈنے یا پھر اس کا سُراغ لگانے میں کامیاب ہوگئی ہے مگر بے سود۔

گیٹ پر ذور سے بجانے کی آواز آئی۔ اسکی آنکھ کُھلی تھوڑی دیر اِدھر اُدھر دیکھا

مگر لیٹی رہی ۔ اب کے گیٹ مزید ذور سے بجا ۔دوپٹہ لے کر وہ باہر نکلی ۔ باہر دھوپ بڑی کرا کے دار تھی ایسی سخت دھوپ ہنزہ میں کم ہی دیکھنے کو ملتی تھی۔" شاید کوئی گھر پر نہیں ۔" اس نے سوچا اور گیٹ کھولا۔

"جی کون۔۔؟"

" اگر یہی سوال میں آپ سے کروں تو ۔۔؟" لڑکا آگے سے بگڑ گیا۔

" آپ خط دیں اوراپنا راستہ ناپیں' سمجھے ۔" پلوشہ کو بھی طیش آ گیا کیسا بدتمیز لڑکا تھا فری ہوا جا رہا تھا ۔

" خط کیا مطلب ۔۔ہٹو آگے سے ۔۔ وہ ذبردستی اندر گھس گیا۔" تم نے مجھے ڈاکیا سمجھ لیا ۔"

" چچا' خالہ یہ دیکھیں کوئی بدتمیز لڑکا اندر گھس آیا ہے ۔" پلوشہ نے باہر سے ہی آواز لگائی ۔

" آپی یہ ڈاکیا نہیں' رُومان بھائی ہیں ۔اور رُومان بھائی یہ۔۔" سمعان نے ہنستے ہوئے کہا ۔

" میں رُومان محمود ہوں نعمان بٹ کا بیٹا ۔ سمجھیں اور اس گھر میں رہتا ہوں ۔۔ اور آپ کی تعریف ؟" اس لڑکی نے نعمان کو پہلی دفعہ دیکھا تھا۔ پلوشہ شرمندہ ہوگئی' سامنے والے کے چہرے سے نظریں ہٹنے کو نام ہی نہیں لے رہی تھیں ۔وہ بھیگے بھیگے حلیے میں' ایک طرف بستہ لگا ئے اور دوسرے ہاتھ میں ہیلمٹ لٹکائے ۔ وہ تو اسے ڈاکیا ہی لگا تھا ۔مگر وہ ڈاکیا نہ تھا ۔ وہ تو شاید ڈاکو تھا ۔ جس نے دن دیہاڑے پلوشہ کا دل چُرا لیا تھا ۔ وہ تھوڑی دیر اس کو دیکھتا رہا اورپھر اندر کی طرف

بڑھ گیا۔

" بابا ۔۔بابا یہ کون ہے ۔۔" وہ پکارتا اندر کی طرف بڑھ گیا اور پیچھے پیچھے سمعان تھا ۔

وہ کافی دیر وہاں سے ہل نہ سکی ۔

☆☆☆

ریسٹورینٹ میں کافی رش تھا ۔ لوگ آتے چلے جا رہے تھے ۔ ہفتہ کادن تھا اور یہ ریسٹورینٹ شہر کے مشہور ریسٹورینٹ میں سے ایک تھا ایسے میں ان دونوں نے بھی گاڑی پارکنگ ایریا میں لگائی اور اندر چلے آئے ۔ چاروں طرف نظریں دوڑانے پر ان کو ایک خالی میز نظر آئی۔ وہ آ کر اس پر بیٹھ گئے ۔

" ہاں تو اب بول کیوں بُلایا ہے مجھے ۔" سعد نے بیٹھتے ساتھ ہی پوچھا۔

" سانس تو لے' لے ٹھہرو ملک شیک منگواتا ہوں ۔" دائم نے سعد کی عُجلت دیکھتے ہوئے کہا ۔

" ہاں وہ تو ظاہر ہے تو ہی منگوائے گا مگر ہم صرف ملک شیک پینے یہاں نہیں آئے ۔" سعد نے اسے یاد دہانی کرائی ۔

"یار تم بزی ہی رہتے ہو' تھوڑی دیر کے لئے دوست کے پاس بھی بیٹھ جاؤ ۔"

" ہم کو گھر سے نکلے ایک گھنٹا ہونے کو ہے تم جانتے ہو اور اس ایک گھنٹے میں مَیں تمہارے ساتھ ہی رہاہوں ۔ مگر مسئلہ کیا ہے اس کی تم نے ہوا بھی نہیں لگنے دی۔" سعد جی بھر کر بدمزہ ہوا۔

" اچھا تم بتاؤ تمہارا بزنس کیسا جا رہا ہے ۔"

" ہاں ٹھیک ٹھاک اگلے ماہ میں مالے جا رہا ہوں۔ شاید ہمیشہ کے لئے ۔۔" سعد نے سامنے دیکھا ویٹر ان کے پاس آیا ۔

" کیا ۔۔ کیا کہا تم نے تم اتنے مغرور کہ دوست کو بتانا بھی ضروری نہیں سمجھا ۔" دائم سخت خفا تھا ۔

"میں کیا کروں یار اچانک ہی جانا پڑ رہا ہے ، بزنس بھی اب وہیں سیٹل کر رہا ہوں میرا بزنس مالے میں پاکستان کی نسبت ذیادہ اچھا منافع دے گا۔"

" ہاں مگر پاکستان ہی میں کرتے تم دو لوگ ہی تو ہو۔ایک تمہارے ابا اور ایک تم ۔کیا تُک بنتی ہے باہر جانے کی ۔"

"یار وطن سے دوری پر تو میں خود بھی خفا ہوں مگر بابا کی ضد ہے کہ میں بزنس مالے میں سیٹل کروں ؛ ان کا کہنا ہے کہ کل میری شادی ہونی ہے اور یہاں جو بھی کماتا ہوں' سارا اُڑا دیتا ہوں۔ابروڈ جاؤں گا تو کچھ بچت کر پاؤں گا۔" سعد نے کان کھجاتے ہوئے کہا ۔" ہاں اب تو بول کیا مسئلہ ہے تیرے ساتھ ۔" انہوں نے ویٹر کو ملک شیک آرڈر کیا۔" اور کچھ ۔؟" دائم نے سعد سے مرضی دریافت کی ۔

" نہیں بس اٹس اوکے ۔" ویٹر چلا گیا ۔

" دراصل یار بات یہ ہے کہ مجھے محبت ہوگئی ہے ۔" بالآخر بھانڈا پھوٹ گیا۔

" ڈونٹ ٹیل می کہ تم کو محبت ہوگئی ہے ایک آدم بیزار بندے کو بلکہ یوں کہو لڑکیاں بیزار بندے کو تو غلط نہ ہو گا ۔ یاد ہے کالج اور یونیورسٹی دور میں تمہاری کوئی فرینڈ نہیں رہی اس معاملے میں صائم تم سے آگے نکل گیا۔"

" میرے حصے کی بھی تُو جو اُڑا لیتا تھا ۔۔"دائم نے سچ اس نے منہ پر دے مارا۔

"ارے یار میں تو اپنا حصہ لیتا تھا تُو خود ہی بھاگتا تھا لڑکیوں سے ۔اچھا یہ تو بتاؤ کس سے ہوئی تم کو محبت ۔یقیناً کوئی خاص لڑکی ہی ہو گی۔بات کون ہے ۔۔" سعد متجسس تھا۔

" یار کچھ عرصہ پہلے ایک لڑکی میری گاڑی سے ٹکرائی تھی ۔وہ کسی کے ساتھ بھاگ رہی تھی مگر اس نے اُسے دھوکہ دیا میں اسے گھر لے آیا ۔ میں اسے اس کے گھر بھی لے کر گیا مگر اس کے گھر والوں نے غصہ میں اس کو گھر سے نکال دیا ۔اور کبھی واپس نہ آنے کو کہا ۔پھر سے وہ ہمارے گھر ہی ہے ۔"

" اچھا تو تم اس لڑکی سے محبت کرنے لگے ہو ۔ شادی بھی کیا کرو گے اس سے ۔؟"

" یار یہ پاکستان ہے اور میں سمجھ بوجھ والا ہوں تم کم از کم ایسی باتیں تو نہ کر ۔"

"مطلب یہ کہ تم اس سے شادی نہیں کرو گے ۔

" کروں گا۔ اسی لئے تو تم سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ اسے کیسے بتاؤں۔"

" میں کون سا اکسپیرئنسڈ بندہ ہوں شادیوں میں ۔"سعد نے کہا۔ویٹر ان کے آگے ملک شیک رکھ کر چلا گیا ۔

" یار میں سوچتا ہوں ہم نے اسے گھر رکھا ہوا ہے کہیں وہ یہ نہ سمجھ لے کہ میں

ایک طرح سے اس پر ملکیت ظاہر کر رہا ہوں ۔"

" تم میری بات مانو پتہ ہے یہ میرا خالص دوستانہ مشورہ ہے تم کو ۔۔"

" ہاں ہاں بتاؤ"

"تم محبت کرنا چھوڑ دو۔"

" بکواس نہ کر ۔۔"

" یا پھر ڈرنا چھوڑ دے ۔"

" کیا مطلب۔؟؟"

" ارے دوست سمپل ۔۔ محبت رکھتے ہو تو جرأت بھی رکھو اسے بتانے کی ۔ اسے سمجھاؤ کہ تم اس سے شادی کرنا چاہتے ہو ۔ ہمیشہ کے لئے اپنی زندگی میں لانا چاہتے ہو۔" اس کے لئے understanding کرو۔ اس کو بتاؤ ۔ اور اگر یہ one-sided love ہے تو میرے بھائی میری تم کو نصیحت یہی ہے کہ اسے چھوڑ دو کوئی اور ڈھونڈو جو تم کو بھی چاہتی ہو ۔ اسے مجبور نہ کرو۔ اور اگر وہ تم سے محبت کرتی ہے تو جوکہ possible بھی ہے تو بہت اچھی بات ہے ۔ اللہ میرے دوست کو محبت مُبارک کرے ۔" سعد نے ایک خالص دوست ہونے کے ناطے اس کو اپنی طرف سے اچھے مشورے سے نوازا۔

" تم صحیح کہتے ہو ۔ میرے حق میں دُعا کرنا ۔"

" تم میرے اچھے دوست ہو میری دُعا ہے کہ زندگی کے لئے تم کو بھی ایک اچھا ساتھی ملے ۔" اس کے بعد سعد اپنے باہر جانے کے بارے میں بتانے لگا۔

☆☆☆

گاڑی کی آواز کر گیٹ پر رُکی ۔ دروازے پر دستک ہوئی ۔

" کائنات ۔۔ کائنات نکلو دیکھو گیٹ پر کون آیا ہے ۔'

”میں دیکھوں باجی سراج آیا ہو گا۔“ ملگجے سے حلیے میں غزالہ للچاتے ہوئے گیٹ کی طرف بڑھی۔

”نہیں تم رکو میں دیکھتی ہوں۔“نزہت نے سبزی ایک طرف رکھی اور ہاتھ جھاڑے اور کپڑوں سے پونچھتی چارپائی سے اُٹھی۔غزالہ منہ بسورنے لگی۔نزہت نے

گیٹ کھولا' سامنے پشت کئے ایک مرد کھڑا تھا۔

”جی۔۔؟“نزہت نے پوچھا تو مرد نے چونکتے ہوئے مڑ کر دیکھا۔اور گلاسز آنکھوں سے نیچے کیں۔

نزہت اِن آنکھوں اس چہرے کو میلوں سے پہچان سکتی تھی اور یہ تو اب اس کے دروازے پر کھڑا تھا۔نزہت کی سانس بھڑک اُٹھی۔وہ سب اس کی آنکھوں کے سامنے کسی فلم کی طرح چلنے لگا۔

”میں ایاز خان ہو۔میں کائنات سے ملنے آیا ہوں،۔“

”تم ۔۔“نزہت کی زُبان ہلی۔”تم نام نہ بتاؤ میں تم کو اچھی طرح سے جانتی ہوں۔“ سامنے کھڑا شخص مسکرایا۔اور گلاسز جیب میں اٹکائے۔

”اچھا میں تو آپ کو نہیں جانتا۔پُوچھ سکتا ہوں کہ آپ مجھے کیسے جانتی ہیں۔؟“

☆☆☆

(اگلی قسط انشاٗاللہ اگلے شُمارے میں)

افسانہ ☆ جناح کے وارث ☆

تحریر:ڈاکٹر صباء اکبر گل

منصف ہی میرے وطن میں مجرم سے ملا ہے
ایسے میں کہاں جائے گا مفلس وفریادی؟
برسوں گزر گئے ہیں آزادیءوطن کو
لیکن نظر آتی نہیں "گل"،ہم کو آزادی۔

اماں بی آج بھی حسب معمول محلے کے بچوں کو قرآن پاک پڑھا رہی تھیں۔وہ تب سے یہ نیک کام کرتی آرہی تھیں جب وہ صرف تیرہ سال کی تھیں۔انہوں نے قرآن مجید ماشاءاللہ سے گیارہ سال کی عمر میں حفظ کیا تھا۔اور آج وہ پچاسی سال کی بڑھیا بن چکی تھیں۔مگر یہ ان پر خدا کی رحمت تھی کہ وہ آج بھی تندروست وتوانا تھیں۔نظر بالکل ٹھیک اور سیدھی کمر۔سفید بال جو کہ بزرگی کا پتہ دیتے تھے۔پروقار چال اور چہرے پہ سجی دھیمی مسکان آج بھی ان کو دلکش اور منفرد بنائے رکھتی تھی۔وہ پورے محلے کی اماں بی تھیں۔سب ان کو قابل احترام سمجھتے تھے اور اپنے ذاتی مسائل کا حل انکے پاس لینے آتے تھے۔اماں بی سب کی دعائیں مستجب ہوتی تھیں۔ان کی دعا میں روحانی شفا تھی۔چونکہ جو لوگ انسانیت کی خدمت بلا معاوضہ کرتے ہیں،اللہ کریم ان پر کرم کی بارشیں کردیتا ہے۔وہ اپنے ان بندوں کو روحانیت کے درجے پہ فائز کردیتا ہے۔اماں بی بھی ایسی شخصیت تھیں۔وہ بچوں کو دینی تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ ان کی اخلاقی تربیت بھی کرتی تھیں۔ان کے شاگرد زندگی کی عملی شاہراؤں پر پوری آسودگی کے ساتھ گامزن ہوتے تھے۔

""اماں بی۔آپ کو پتہ ہے کچھ دنوں کے بعد چودہ اگست اور ہمیں اسکول سے چھٹی ہوگی"۔حسن نے خوشی سے چہکتے ہوئے بتایا۔اماں بی اسکی بات سن کے مسکرائیں اور بولیں "اچھا۔۔بھئی تو تم سب کو چودہ اگست کا اس لیے شدت سے انتظار ہے کہ چھٹی ملے گی۔"

تو اور کیا۔۔۔ہم سب تو گن گن کے دن گزار رہے ہیں کہ کب چودہ اگست آئے اور ہم سب خوب مستی کریں۔۔علی کب پیچھے رہنے والا تھا خوش ہوتے ہوئے کہنے لگا۔

اماں بی نے جائے نماز تہہ کرکے چارپائی پہ رکھا اور سب سے کہا کہ قرآن پاک بند کردو۔آج ہم چودہ اگست کے بارے میں بات کرتے ہیں۔

سارے بچوں نے اپنے اپنے قرآن پاک بند کرکے ساتھ پڑے ہوئے میز پہ رکھ دیے۔

جی تو میرے پیارے بچوں۔۔۔سب باری باری بتاؤ کہ چودہ اگست پہ کیا کرتے ہو؟؟ کیسے مناتے ہو یہ دن؟؟اور کیوں منایا جاتا ہے یہ دن؟؟اماں بی نے سب کی طرف دیکھتے ہوئے پیار سے پوچھا۔سب سے پہلے میری باری حسن نے ہاتھ کھڑا کرتے ہوئے کہا۔چودہ اگست کو ہمارا وطن پاکستان آزاد ہوا تھا اس لیے ہم اس دن آزادی کا جشن مناتے ہیں۔۔۔ہر طرف رونقیں لگیں ہوتی ہیں۔۔۔ساری

پاکستانی عوام جوش وخروش کے ساتھ آزادی کا دن مناتی ہے۔۔سبز جھنڈیوں سے سجاوٹ کی جاتی ہے گھروں اور بازاروں کی۔۔۔سیمینار منعقد ہوتے ہیں۔۔ملی نغمے گائے جاتے ہیں۔۔حب الوطنی پہ تقریریں کی جاتی ہیں۔۔۔سبز ہلالی پرچم کے رنگ کے سبز،سفید ملبوسات پہنے لوگ خوشی سے ادھر ادھر گھوم رہے ہوتے ہیں۔۔۔

بس۔۔۔اماں بی اسکو چپ کروائیں اب میری باری ہے علی نے شور مچاتے ہوئے کہا۔اچھا بھئی۔۔حسن بیٹا آپ نے بہت اچھے سے بتایا۔۔۔شاباش۔۔اب ذرا علی کی بھی سنتے ہیں۔۔اماں بی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اماں بی۔۔۔اگست کا مہینہ شروع ہوتے ہی تیاریاں زور پکڑ لیتی ہیں۔۔بازاروں،اسکولوں گھروں اور ہر نجی وسرکاری عمارتوں کو رنگ برنگی جھنڈیوں،برقی قمقموں اور سبز ہلالی پرچموں سے سجایا جاتا ہے۔۔چراغاں کیا جاتا ہے۔۔جگہ جگہ پہ سٹالز لگتے ہیں۔۔سبز اور سفید جھنڈے کی شیپ کے کیک آرڈرز پر بنوائے جاتے ہیں۔۔۔پارٹیز ارینج کی جاتی ہیں۔۔۔دعوت نامے نامی گرامی لوگوں کو بھیجے جاتے ہیں۔۔۔یکم اگست سے ہی ہر دکان اور گلی محلے میں بڑے بڑے ٹیپ ریکارڈرز پر ملی نغمے بجنے لگتے ہیں۔۔شور شرابا اتنا ہوتا ہے کہ آذان کی آواز بھی گم ہو جاتی ہے ان سپیکرز کے شور وغل میں۔۔ ہزاروں روپے خرچ کر کے اسپیشل ڈریسز بنوائے جاتے ہیں۔۔بازاروں میں چودہ اگست کے دن لڑکے سبز چٹکی دار بالیاں پہنے،رنگ ،رنگ برنگے حلیے بنائے۔۔۔موٹر سائیکلز کے سائیلنسر زاتارے،منہ میں باجے ڈالے چینگاڑتے پھرتے ہیں۔۔ون ویلنگ کرواتے ہیں۔۔اور لڑکیاں ڈوپٹوں سے بے نیاز،پینٹ شرٹس پہنے۔۔۔رنگ برنگے اسٹیکرز منہ پر لگائے بازاروں کی زینت بنی ہوتی ہیں۔۔۔فل بوفرز کے والیم پہ تھرکتی ہوئی یہ بنت آدم آزادی منا رہی ہوتی ہیں۔۔۔۔رات کو ہونے والی گیٹ ٹو گیدرز میں شرم وحیا اتار کے پھینک دی جاتی ہے۔۔اور غلامی میں جکڑے ضمیر بے حیائی اور فحاشی میں ڈوب کر آزادی مناتے ہیں۔۔۔رقص وسرود کی محفلیں پوری رات عروج پہ رہتی ہیں۔۔اور آزادی دور کھڑے ان کو دیکھ دیکھ کے ماتم کرتی ہے۔۔۔بین ڈالتی ہے۔۔۔

اور اگلی صبح تو اور شرمندگی کا نظارہ لے کے آتی ہے۔۔جگہ جگہ پھٹے پڑے سبز ہلالی پرچم قدموں میں رلتے ہوئے خون کے آنسو روتے ہیں۔۔ان پہ بنا ہوا چاند تارہ اپنی آب وتاب کھو کر کسی بیوہ کے آنچل جیسا بدرنگ اور بد بخت سا لگ رہا ہوتا ہے۔۔۔''

اور پھر میونسپل کمیٹی والے آتے ہیں وہ جھاڑو مار مار کر اور پاؤں سے دھکیل دھکیل کر ساری جھنڈیوں کو کوڑے کرکٹ کے ڈبوں میں ڈالتے ہیں۔۔۔اور سبز ہلالی پرچم جو کہ ہمارا فخر ہے،ہماری پہچان ہے

۔۔۔اسے گندگی کے ڈھیر میں دفن کر دیا جاتا ہے۔۔۔اور بابائے قوم جس نے ہم سب کو آزادی کی جنگ جیت کر دی۔۔۔اسکی تصویروں کو خراج عقیدت دینے کی بجائے کوڑے کے ڈھیر میں دفنا کر ہم اپنے بے غیرت اور مردہ ضمیر ہونے کے ساتھ ساتھ بدتہذیب،احسان فراموش ہونے کا عملی ثبوت دیتے ہیں۔۔۔

علی کے منہ سے اتنی تلخ باتیں سن کر اماں بی کانپ اٹھیں اور روتے ہوئے کہنے لگیں۔۔۔علی بیٹا یہ تم کس ملک کی باتیں بتا رہے ہو۔۔۔؟؟؟

علی نے افسردہ سے لہجے میں جواب دیا کہ اماں بھی یہ جناح کا نیا پاکستان ہے۔۔۔ یہ اسکے نئے پڑھے لکھے باشعور وارث ہیں۔۔۔
نہیں۔۔۔ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔۔۔اماں بھی نے غصے سے لرزتے ہوئے چارپائی کو مضبوطی سے پکڑتے ہوئے کہا۔۔۔ایسے لگ رہا تھا
۔۔اماں بی ابھی کپکپاتے ہوئے گر جائیں گی۔۔۔سارے بچے اماں بی کا سرخ چہرہ اور روتی ہوئی آنکھیں دیکھ کے سہم گئے تھے۔۔۔علی
بھاگ کے پانی لایا۔۔۔پانی پینے کے بعد اماں بی نے روتے ہوئے کہا۔۔۔یہ جناح کے وارث ہرگز نہیں ہوسکتے۔۔۔یہ مردہ ضمیر بے
غیرت ہیں۔۔۔جو آج بھی ذہنی طور پہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔۔۔یہ زندہ قوم نہیں پاک وطن کے ماتھے پہ کالک
ہیں۔۔۔ان ضمیر فروشوں کی جن جناح کے وطن میں کوئی جگہ نہیں ہے۔۔۔انھیں پاک وطن کو آلودہ کرنے کی سزا ملنی چاہیئے۔۔۔انھیں
زندہ درگور کردینا چاہیئے۔۔۔یہ ہماری آنے والی نسلوں کے لیے زہریلے کوبرے ہیں۔۔۔غصے سے اماں بی چیخ رہی تھیں۔۔۔
اماں بی۔۔۔آپ کے جناح بابا نے یہ ملک بنایا ہی کیوں تھا؟؟؟ عثمان جو کب سے خاموش بیٹھا ہوا تھا اچانک اٹھ کے اماں بی کے پاس
چارپائی پہ بیٹھ گیا اور ان کے آنسو پونچھتے ہوئے روہانسے لہجے میں پوچھنے لگا۔۔۔
میرے بچوں۔۔۔میرے لاڈلو۔۔۔میرے نزدیک آجاو۔۔۔آج میں تم لوگوں کو بتاتی ہوں کہ بابا نے کیوں اپنی زندگی داو پہ لگا کہ یہ
پاکستان بنایا تھا۔۔۔اماں بی نے نیچے بچھی چٹائی پہ بیٹھتے ہوئے پیار سے ان سب کو اپنے پاس بلایا۔
جناح بابا نے یہ وطن اس لیے بنایا تھا کہ ہم مسلمان غلامی کی زندگی سے نجات پا سکیں۔۔ہماری اپنی پہچان ہو۔۔۔ہماری آنے والی نسلیں
باضمیر اور باشعور پیدا ہوں۔۔اسلامی معاشرے کا قیام ہو ایک ایسا ملک جس میں سچائی اور انصاف کا راج ہو۔۔۔جس میں رہنے والوں کی
جان و مال کی حفاظت ہو۔۔۔اسلامی مساوات کا پرچار ہو۔۔۔غریب زادی کی عزت بھی اتنی قابل عزت ہو جتنی کہ کسی امیرزادے
کی۔۔۔ایک ایسا پاک وطن جس میں رہنے والوں کی سوچ نیک اور دل پاک ہوں۔۔۔ایسی دھرتی جس کے باسی فخر یہ تعارف کرا سکیں کہ
ہم آزاد قوم ہیں۔۔۔اخوت و بھائی چارے کی ایسی مثال قائم کریں کہ کوئی بھی بیرونی شرانگیز ہوا ان کے بیچ سے گزر بھی نہ سکے۔۔۔ایسا
وطن جس میں رہنے والے پہاڑوں جیسے مضبوط حوصلے رکھتے ہوں۔۔ایک دوسرے کی عزت و مال کی حفاظت کرنا اپنا فرض سمجھیں۔۔۔جو
وطن پہ جان نثار کرنے کے لیے ہر وقت تیار ہیں۔۔۔اپنے پیارے وطن کی طرف اٹھنے والی ہر میلی آنکھ کو پھوڑ دیں۔۔۔دشمن کا منہ توڑ
دیں۔۔۔اپنے وطن کی بنیادوں کو اپنے خون سے سینچیں۔۔۔اور ان کو کھوکھلا کرنے والے سرکشوں کو عبرت کی مثال بنا دیں۔۔۔ایک ایسا
سائبان جیسا ملک ہمارے بابا نے بنایا تھا کہ جس کی چھاوں سب کے لیے یکساں ہو۔۔۔"
اماں بی نے روتے ہوئے آج بابا کے وارثوں کو بتایا تھا کہ پاکستان بابائے قوم نے اس لیے بنایا تھا۔۔
اماں بی۔۔۔ہم سب انشاءاللہ جناح بابا کے ایسے ہی وارث بنیں گے کہ ان کو ہم پہ ناز ہو۔۔۔انکی روح ہمیں دیکھ کہ خوش ہوجائے اور انکی
قربانیوں کو ہم ضائع نہیں ہونے دیں گے۔۔۔علی نے روتے
ہوئے بہت پختہ عزم کے ساتھ وعدہ کیا۔۔اور اسکے ساتھ ہی۔اور اسکے ساتھ ہی باقی بچوں نے بھی اور اماں بی نے بھی آمین کہا۔۔۔
عثمان نے پھر سے اماں بی سے نیا سوال کردیا کہ اماں بی۔۔۔کیا آپ نے بھی کوئی قربانی دی تھی اس وطن کے لیے؟؟ کیا بہت سے

لوگوں نے جانیں لٹائیں تھیں اس پاک وطن کی خاطر؟؟؟؟

اماں بی ۔۔۔ یہ سوال سن کہ کچھ دیر فضا میں گھورتی رہیں ایسے جیسے کوئی شناسا چہرہ ڈھونڈ رہی ہوں ۔جیسے دور افق سے کوئی ان کو پکار رہا ہو ۔۔۔اور کہہ رہا ہو کہ ۔۔۔۔ ہماری لاج رکھ لینا ۔۔۔ہمیں تم بھول مت جانا ۔۔۔اس پاک وطن کو ۔۔ جناح کا وطن بنانا ۔۔۔۔"

کافی دیر کی خاموشی کے بعد اماں بی بولیں ۔۔۔ہاں میرے بچوں ۔۔۔اس مٹی کی خوشبو کی قسم ۔۔۔لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کا خون اس میں جذب ہے جو آزادی کی جنگ لڑتے لڑتے اپنی جان کی قربانیاں دے گئے ۔۔۔۔تم نئی نسلیں کیا جانو؟؟ کتنے خون کے دریا عبور کر ہمارے بزرگوں نے اس پاک دھرتی کو حاصل کیا تھا ۔۔۔کتنی ماؤں نے اپنے بیٹوں کی میتوں کو لاوارث چھوڑا تھا ۔۔۔۔کتنی بیٹیوں کی چادریں اتریں تھیں اور عزتیں پامال ہوئیں تھیں ۔۔۔کتنی دلہنوں کے گلوں میں بیوگی کے پھندے پڑے تھے ۔۔۔کتنی بہنوں کے بھائی انکے سامنے سر کٹے پڑے تھے ۔۔کتنی ماؤں کے جگر گوشے ان کی آنکھوں کے سامنے کتوں نے چیرے پھاڑے تھے ۔۔۔کتنے بھائیوں کی عزتوں کو انکے سامنے نیلام کیا گیا تھا؟ تم کیا جانو تمھارے جیسے بے ضمیروں کا کیا قدر کہ یہ ملک یہ آزادی تھالی میں رکھا نہیں ملا تھا ۔۔۔اسکی مٹی کے ہر ہر ذرے میں شہیدوں کا لہو ہے ۔۔۔جو پکار پکار کہ کہہ رہا ہے کہ ہماری قربانیوں کو رائیگاں مت کرو......

☆......☆......☆

☆اے میرے دل کے چین☆

تحریر: ساجدہ ناز

اے میرے دل کے چین ۔۔۔چین آئے میرے دل کو دعا کیجیے۔عمارہ اپنے کمرہ میں گانے سن رہی تھی ۔۔۔۔۔۔۔آج پھر اداس تھا دل ۔۔۔اور وہی روزمرہ زندگی کے کام ۔۔کچھ گرنے کی آواز سے خیالات کا تسلسل ٹوٹا تو دیکھا کے بچوں نے لڑائی کے دوران کمرے میں رکھی ہوئی چار جنگ لائٹ توڑ دی تھی ۔۔۔لو جی ہو گیا کام ۔۔عمارہ نے وہ چار جنگ لائٹ کے ٹکڑے زمین سے اٹھائے تھے کے یک دم ساس کی آواز پر دوڑ کر آگلے ہی لمحے وہ ساسواماں کی بغل میں کھڑی تھی ان کے اندر کے چھپے طنز کے نشتر کو عمارہ سمجھ گئی تھی ۔۔۔اب یہ بات اسکے پردیس میں رہنے والے شوہر تک کس طرح جائیگی یہ بات عمارہ جانتی تھی ۔۔ساسواماں کے پوچھنے پر عمارہ نے کمرہ میں ہونے والا منظر ساس کے سامنے کہہ سنایا تھا ۔۔۔ساس نے بظاہر تو آنکھیں آسماں کی جانب کی تھیں مگر عمارہ نے بات کو طول نہیں دیا اور اک لمبی طویل سانس لے کے وہ پھر سے گھر کے کاموں میں مصروف تھی ۔۔۔عمارہ !!!!!ذرا ادھر آنا ۔۔جی امی بولیں !!عمارہ دوسرے ہی پل ساس کے سامنے تھی ۔۔۔یہ لو اس مہینے کا تمہارہ جیب خرچ ۔۔۔یہ کہہ کے ساس نے اپنے جذبات سے عاری چہرہ عمارہ کی سمت کیا اور ہزار کا ایک نوٹ تھما دیا ۔۔آنکھ میں آئے آنسو کو روکتے ہوئے وہ تیزی سے کمرے سے باہر آ گئی مگر آنسو تھے کے تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے ۔۔۔وہ اپنے پردیس میں رہنے والے شوہر کو دل کی گہرائیوں سے یاد کر رہی تھی کی کاش آج تم ہوتے میرے پاس تو اماں ایسا نا کرتی ۔۔۔۔

میری وہ نازک چوڑی تمہیں بلاتی ہے تم لوٹ آؤ،

جیسے تھامنے کا عہد کیا تھا زندگی بھر آج وہی چاہت تمہیں بلاتی ہے تم لوٹ آؤ۔

اشک بھرے سالوں بیت رہے ہے جو آپ ہی آپ سو کھ رہے ہے تم لوٹ آ وٗ،

میرے جیون میں خوشی صرف تجھ سے تھی اور ہے تم لوٹ آ وٗ مدت ہوئی ہے اس چاہت کی کہ دیکھوں تجھے میں بھی کبھی تم لوٹ آ وٗ،

چار پیسوں کا وجود اب سمبھلتا نہیں خود سے تم لوٹ آ وٗ تم لوٹ آ و شاید بس اک یہی تو رشتہ تھا اب اسکے شوہر کے ساتھ۔۔ پتا نہیں کیوں یہ مائیں ساس بن کے اتنی خودغرض ہو جاتی ھیں۔ بیٹیوں کے شوہر تو ساتھ رہیں مگر اگر بیٹا ذرا زیادہ بیوی کے ساتھ ٹائم گزارے تو رن مرید۔۔ مگر عمارہ کو یہ یقین بھی تھا کیا ایک نہ ایک دن اسے اسکے صبر کا پھل ملے گا کیونکہ دنیا مکافاتِ عمل ہے۔۔۔ آج اگر کسی کی بیٹی کے ساتھ کرو گے تو کل آ پکی بیٹی بھرے گی۔ وہ کھڑا۔۔ امی کھانا دیں نا بھوک لگی ہے عمارہ کے بیٹے نے آواز لگائی تھی۔۔۔۔ ساس نے شور سنا تو عمارہ پہ برسی تھیں۔۔۔ عمارہ نے اپنے بیٹے علی کو آنکھیں دیکھائی ۔۔۔ ساتھ ساتھ اک آواز جو اماں کے دلاسے کے لئے ضروری تھی بیٹا لا رہی ہوں کھانا ۔۔۔۔ آج عمارہ کی نند کی کال آئی تھی۔۔۔ نازک عمر میں عمارہ اپنے شوہر کی تو داد نہیں سمیٹ پائی تھی ہاں مگر اپنی نند کی چہیتی بھابھی تھی اور کیوں نا ہوتی اکلوتی نند کی اکلوتی بھابھی جو تھی۔۔۔ فروہ آج گھر آ رہی ہے اماں۔۔۔

عمارہ نے ساسوں اماں کو بتایا تھا۔۔۔ کئی دنوں کے بعد فروہ نے ماں کو گلے لگا کر اپنی ساس کی خودرفتگی کا حال زاروقطار رو رو کر سنایا تھا ماں کے اندر مامتا امنڈ آئی تھی۔۔ آج پہلی بار ماں نے عمارہ کا درد بہت قریب سے محسوس کیا تھا۔۔۔ ساس کو فروہ کی خطرناک ساس میں ہو بہو اپنی شبہی سی دیکھائی دی تھی ۔۔۔ عمارہ آج اپنے بچوں کے ساتھ چھت پر کھیل رہی تھی کہ یہی تو اسکی کل کائنات تھے اب ۔۔۔۔۔ کہ ہوا میں ایسی خوشبو اس نے پہلے بھی محسوس کی تھی۔۔ عمارہ نے پیچھے جو مڑنا چاہا کسی کا ٹھوس ہاتھ اسے اپنی آنکھوں سے چپکتا محسوس ہوا تھا۔۔۔ دل نے گواہی دی تھی۔۔۔ مجھے چھونے کا حق اک

کے سوا کسی کے پاس نہیں، ہونا ہو یہ حیدر ہی ہیں کچھ آنسوؤں نے تھوڑی ہی دیر میں حیدر کی ہتھیلی کو لبا لب گیلا کر ڈالا تھا۔۔۔دل کا بوجھ تھا کہ ہلکا ہی نہیں ہو رہا تھا عمارہ کو لگا کہ زمین میں خود کو سمو لے مگر اس بار نہیں وہ خود سے گویا تھی۔۔۔ارے یہ کیا میری پیاری بیگم کے آنکھوں میں یہ موٹے موٹے آنسو۔۔ حیدر نے کہا۔حیدر کی چمکتی آنکھوں کو دل نے چاہا کے دیکھیں مگر وہ اکیلا پن وہ اداسیاں وہ ناراضگی کا اظہار کرنا چا رہی تھی۔۔۔حیدر نے اپنی بیوی کا اس قدر قیمتی موتیوں سے خوش آمدید پر اس کی روح کو اندر سے جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔۔۔کاش مجھے پتہ ہوتا کے میری بیوی کتنی وفادار ہے اماں تو کوئی اور ہی کہانیاں سناتی رہی ہمیشہ۔۔۔حیدر خود سے حیدر خود سے گویا تھا۔۔۔عمارہ کمرے میں جا چکی تھی عمارہ کو لگا تھا کہ حیدر صرف اور صرف اسکی وجہ سے آیا ہے۔۔۔مگر وہ تو اماں کے کہنے پر فروہ کے معاملات کو نمٹانے آیا تھا مگر آنے کے بعد عمارہ پر بے حد پیار آیا تھا۔۔۔عمارہ کے احسن سلوک اور اپنائیت نے حیدر کو اپنا گرویدہ کر دیا تھا اب اک پل بھی نہیں گوارا جو جی لوں میں تیرے بغیر تم ہو تو ہوں میں مجھ سے ہے جڑے تیرے سارے گلے۔۔۔حیدر نے کچھ من ہی من میں گنگنایا تھا عمارہ اپنے بچوں میں دیکھاوے کے لئے مصروف تھی وہ جانتی تھی کہ حیدر اب اسکے بہت پاس ہے اسکی دعائیں رنگ لائی تھی اب کبھی بھی نہ جانا چھوڑ کر۔۔۔عمارہ نے دل میں شکوہ کیا تھا اب کبھی بھی نہیں جاونگا تمہیں چھوڑ کر۔گیا بھی تو تمہیں ساتھ لے کر جاونگا حیدر نے جواب دیا تھا عمارہ نے حیرت سے حیدر کو دیکھا تھا۔۔۔حیدر عمارہ کے بلکل پاس آ گیا تھا وہ اسکی سانسوں کے لمس کو محسوس کرنا چاہتا تھا۔۔۔حیدر نے عمارہ کا ہاتھ مضبوطی سے تھاما تھا۔۔۔اور اب کی بار اس نے دور نہ جانے کا فیصلہ کیا تھا۔۔۔امنڈ آیا صدیوں کا پیار یہاں خدا نہ کرنا جدا تو اس قدر حسین جوڑے کو روئے زمین پر۔۔۔۔

☆......☆......☆

☆بوجھ☆

تحریر:نور سیماب

اس نے اتنا تو سن رکھا تھا کہ بھوک تہذیب کے آداب بھلا دیتی ہے مگر یہ نہیں معلوم تھا کہ بھوک تو سب رشتے بھی کھا جاتی ہے۔رشتوں کی حقیقت تو آج آشکار ہوئی تھی اس پر، جب ابا نے کہا کہ پتا نہیں یہ بوجھ کب سر سے اترے گا؟

کیا لے رہی تھی وہ ابا سے اس گھر سے؟ صرف دو وقت کی روکھی سوکھی روٹی۔باقی کا خرچ تو وہ اپنی محنت سے اٹھالیا کرتی تھی۔ابھی اس کی عمر ہی کیا تھی جو ابا کو بوجھ لگنے لگی۔۔۔

مگر جب ماں کو بھی ابا کی تقلید کرتے دیکھنے لگی تو جیسے نوالہ منہ میں ڈالتے رک سی گئی۔

سارے رشتے مطلب کے تھے، یہی سوچتے سوچتے آج اس کو نیند آنی تھی۔مگر نادان نہیں جانتی تھی کہ یہ محبت کے چونچلے تو امیر لوگوں کے ہوتے ہیں، خالی پیٹ محبت کون کرے۔

خواب دیکھنے والی آنکھوں کو کون سمجھائے کہ اے سی کی گاڑیوں میں بیٹھنے والے سارا سندھ کا تھر بھی گھوم سکتے ھیں مگر موم بتیوں کی روشنی میں کینڈل لائٹ ڈنر کرنے والے نہیں جانتے کے تھر کی تاریک راتوں میں انکی وہی کینڈل تھر کے پورے گھر کی روشنی کے کام آتی ہے۔رشتے تو احساس سے بنتے ہیں۔یہ محبت کا بوجھ اٹھا کر کون کسی کو راہ دکھا کر اپنا وقت برباد کرے گا۔اور ایسی راہ دکھانے والے صدیوں بعد پیدا ہوتے ہیں۔

کسی کے صبر کی حد گزر جانے کے بعد۔۔۔

آزمائش کے بعد۔۔۔

وہ چلتے چلتے رک سی گئی اسے اپنی اماں یاد آنے لگیں۔ایسے ہی ایک دفعہ اسکی اماں چلتے چلتے رک سی گئیں

تھیں۔ ظاہر ہے اگر اسکی اماں نہ ہوتیں تو وہ ظالم سماج میں کیسے پلتی؟

یہ سوچ کر اس نے بھی اپنے قدم واپس موڑ لیئے۔۔۔ کیونکہ کل کو اس کی فاطمہ کیسے جیتی؟

کون پالتا اسے؟ یہی سوچ کر ہم سب مڈل کلاس عورتیں ظلم برداشت کرتیں ھیں۔ کہ اگر ہم اپنے شوہر کو اولاد کو چھوڑ کر چل دیں گی تو ہماری اولاد کا کیا ہو گا؟

اور ہماری اولاد کیسے سر اٹھا کے چلے گی؟ عورت مرد کو چھوڑ سکتی ہے مگر اپنا پیٹ کبھی نہیں چھوڑتی۔

اور کہیں وہ مجبوری میں اپنی اولاد اس ظالم سماج کے حوالے کر بھی دے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ بھی ظالم ہے۔ بلکہ تنہائی کے کسی گوشے میں اسے اپنی اولاد کی یاد کسی کسک کی طرح ضرور چبھتی ہے

مرد کا کیا ہے؟ ایک ظلم ختم دوسرا شروع۔

آج اس سے ایک گلاس کیا ٹوٹ گیا اس کی ساس نے اسکے میکے کی غریبی سے لے کر جہیز نہ لانے تک کہ سارے طعنے مار ڈالے تھے۔

اسے یاد آیا کہ ابا کی نظر والی عینک ایک دفعہ اس کے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گئی تھی۔ لیکن اماں نے کیسے خود کو الزام دے کر اسکی غلطی پر پردہ پوشی کی تھی۔ لوگ اسی لیے اپنی ماؤں کو روتے ھیں۔ سسرال تو ایک امتحان ہے، جسکی تیاری ماں باپ کے ذمے ہے، لیکن یہ ماں بھی نہ۔۔۔؟

شاید ماں کو ٹھیک سے استاد بھی نہیں بننا آتا۔۔

ہمیشہ اولاد کو اپنی نرم چھاؤں کی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔۔ اور اس چھاؤں کی عادت ڈال کر بیٹی کو سسرال کی کڑی دھوپ میں رخصت کر دیتی ہے۔۔۔ مگر یہ نہیں جانتی کہ اپنی ماں اپنی ہی ہوتی ہے۔

اور اپنی۔ ماں کا نعم البدل کوئی نہیں۔۔۔۔۔

وقت:

زینب بن ماں کے پلنے والی بچی تھی۔ اور اسکے باپ کو اسکی شادی کی فکر کھائے جا رہی تھی۔ کیونکہ ٹی بی

ایک ایسا مرض تھا جو کئی سالوں سے اسے کھائے جا رہا تھا۔ گھر کی گزر بسر بھی مہینے بعد ملنے والی پنشن سے چل رہی تھی۔ کچھ ضروریات محلے کے بچوں کو ٹیوشن پڑھا کر پوری ہو رہی تھیں۔

ارحم کی اماں کو زینب ایک سلجھی ہوئی لڑکی معلوم ہوئی۔

ارحم کسی کام کاج کا تو تھا نہیں۔ کسی بھی مستری کے ساتھ جب جی میں آئے دیہاڑی لگا آتا۔ ارحم کی اماں کو لگتا تھا کہ ارحم پر بیوی بچوں کا بوجھ پڑے گا تو ٹھیک ہو جائے گا۔

ارحم سے جب زینب کا رشتہ تہہ پایا تو اسکی نظر قریشی صاحب کے مکان پر تھی جو انکے بعد زینب کو ملنے والا تھا۔ خدا کی کرنی کیا ہوئی کہ ادھر زینب رخصت ہوئی ادھر دسویں روز قریشی صاحب چل بسے۔ اور ارحم کی خوشی کا ٹھکانہ نہیں تھا۔ جیسے تیسے چالیسواں گزرا ارحم نے زینب کو مکان بیچنے کا کہہ ڈالا۔

زینب نے پہلے تو صاف لفظوں میں انکار کر دیا کہ اسکے پاس اس گھر کے سرمائے کے علاوہ ہے کیا، جہاں اسکا بچپن گزرا تھا ابا کی یادیں تھیں مگر ارحم کو سمجھانا بے سود تھا۔ آخر کار ارحم نے اپنی منوالی اور کچھ کاغذی کارروائی کے بعد مکان بک گیا۔

لیکن ہمیشہ کی طرح اس بار بھی اس نے پیسے کو کھیل سمجھ کر اڑا دیا۔

زینب کافی دنوں سے ہسپتال میں تھی۔ ارحم جب ہسپتال پہنچا تو ڈاکٹر نے اس کی گود میں ایک ننھا سا وجود دیتے ہوئے کہا کہ آپکے ہاں بیٹی پیدا ہوئی ہے مگر ہم آپکی بیوی کو نہیں بچا سکے۔

ارحم کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا۔

اسکی آنکھوں میں وقت کی ساری کارروائی گھومنے لگی کہ کیسے اس نے زینب کو بن ماں کے پلنے والی مسکین سی لڑکی سمجھ کر شادی کی تھی اسنے تو سوچا تھا کہ وہ کیسے زینب پر حکم چلا کر اس سے ہر بات منوایا کرے گا کیوں کہ زینب تو اسکی نظر میں ایک بے بس یتیم لڑکی تھی جسے وہ اپنے پاؤں کی جوتی سمجھتا تھا۔

مگر آج ہی اپنی بیٹی کے روپ میں اسے زینب نظر آ رہی تھی۔ کیسے وقت نے اسے چند ہی لمحوں میں اسے آئینہ دکھا دیا تھا۔

افسانہ☆جناح کے وارث☆

تحریر:ش-م-دانش

" کیا اسی پاکستان کا خواب دیکھا تھا آپ نے؟" روحِ قائد نے روحِ اقبال سے مخاطب ہو کر کہا۔

"نہیں محترم قائد یہ خواب میں نے ہرگز نہیں دیکھا تھا لیکن یہی وہ سرزمین ہے جس کے لیے میں نے خواب دیکھا تھا۔ چند کھوٹے سکے تو ہر جگہ موجود ہوتے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ پورے پاکستان کو ہی ایسا سمجھ لیا جائے۔" روحِ اقبال نے بڑا مدلل جواب دیا۔

دونوں بزرگوں کی روحیں اس وقت ایک ٹریفک سگنل پر رکی ہوئی تھیں۔ ان دونوں نے فرشتوں سے گزارش کی تھی کہ ہم اپنا پاکستان دیکھنا چاہتے ہیں اور اب یہ اتفاق ہی تھا کہ جہاں سب سے پہلے ان کی روحوں کو اتارا گیا وہ ایک ٹریفک سگنل تھا اور ٹریفک پولیس والا بڑے دھڑلے سے رشوت لے کر سب کو چھوڑ رہا تھا۔ وہ چالان کاٹنے کی بجائے رقم لے کر اپنی جیب میں رکھ لیتا اور بغیر لائسنس گاڑی چلانے والوں، تیز سپیڈ سے چلنے والوں اور دوسرے اصولوں کی خلاف ورزی کرنے والوں کو بڑی فراخ دلی سے بخش رہا تھا۔ اسے اس انداز میں کھلے عام رشوت لیتے دیکھ کر روحِ قائد کا دل ٹوٹ گیا تھا اور وہ دلبرداشتہ ہو کر واپس مڑنا چاہتے تھے۔

"لیکن چاول کی دیگ سے ایک چاول چکھ کر ہی تو پوری دیگ کا پتہ چلایا جاتا ہے کہ وہ کیسی ہے۔" روحِ قائد نے روحِ اقبال کے دلائل کے جواب میں کہا۔

"شاید چاول کے دانوں اور انسانوں میں یہی فرق ہوتا ہے۔" روحِ اقبال نے کہا اور پھر وہ فرشتوں سے مخاطب ہوئی۔

"ہمیں آگے لے چلو۔" فرشتوں نے ان کی روحوں کو اور آگے بڑھایا پھر وہ انھیں ایک دفتر میں لے گئے جہاں کچھ کلرک بیٹھے دفتر کا کام کر رہے تھے ایک بوڑھا آدمی ایک کلرک کی منتیں کر رہا تھا کہ میرا کام کر دیں لیکن وہ خاموش بیٹھا آخر جب بوڑھا آدمی تھک ہار کر خاموش ہو گیا تو کلرک بولا۔

"بابا میں نے پہلے بھی بتایا تھا کہ آپ کا کام بہت مشکل ہے اور یہاں سے ہونا ناممکن ہے آپ کوئی اور دروازہ کھٹکھٹائیں۔" اس کا لہجہ کافی سخت تھا۔

" کہاں جاؤں بیٹا جہاں جاتا ہوں یہی جواب ملتا ہے۔ میں تو تھک گیا ہوں اب۔" بوڑھا روہانسی آواز میں بولا۔

"جہاں بھی جانا ہے جاؤ لیکن میری جان چھوڑ دو اب۔ تنگ آ گیا ہوں میں۔" اب کی بار وہ دھاڑا۔ بوڑھا خاموشی سے اٹھا اور کاندھے جھکائے آہستہ آہستہ چلتا ہوا واپس مڑ گیا۔

" کیا بات ہے بابا؟" چپڑاسی نے اسے یوں مایوس دیکھ کر ہمدردی سے پوچھا۔

"بیٹا وہ میرا کام ہے کئی دن سے آ رہا ہوں لیکن کام نہیں کر رہے صاحب۔ پہلے تو جھوٹی تسلیاں دلاسے دیتے رہے اب صاف انکار کر دیا۔" اس کی آنکھیں ہمدردی کے دو بول سن کر بھر آئیں۔

"فکر کی کوئی بات نہیں بابا میں ہوں نا۔"چپڑاسی مسکرایا اور پھر بوڑھے کے کان میں کچھ کھسر پھسر کرنے لگا بوڑھا خاموشی سے سن رہا تھا۔ سب کچھ سن کر اس کے چہرے پر پریشانی کے تاثرات ابھر آئے لیکن چپڑاسی نے ایک اور سرگوشی تو وہ نارمل ہو گیا اور ایک بار پھر کلرک کے کمرے کی طرف بڑھ گیا اندر داخل ہوتے ہی وہ سیدھا اس کلرک کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

"یہ لو بیٹا، اب تو میرا کام کر دو نا۔"اس نے کلرک کے ہاتھ پر کچھ نوٹ رکھتے ہوئے پر جوش لہجے میں کہا۔ یہ منظر دیکھ کر روح_قائد کے ساتھ ساتھ روح_اقبال بھی کرب کا شکار ہوئی لیکن اس کی آنکھوں میں اب بھی امید کے دیئے روشن تھے۔

" کیا؟ تمہاری یہ جرات کہ تم سب کے سامنے اس طرح مجھے رشوت دینے کی کوشش کر رہے ہو۔" کلرک غصے سے دھاڑا اور بوڑھا بے چارہ کانپنے لگا۔

یہ منظر دیکھ کر روح_اقبال نے مسکرا کر روح_قائد کی طرف دیکھا اور وہ بھی مسکرا دی۔

"مم۔۔۔۔۔مگر۔۔۔۔۔مگر۔۔۔۔۔"بوڑھا کچھ کہنا چاہ رہا تھا لیکن الفاظ اور زبان اس کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔

"بیٹھ جاؤ بابا۔" کلرک نے اس بار نرمی سے کہا اور بوڑھا بیٹھ گیا وہ بے یقینی سے کلرک کو دیکھ رہا تھا۔

"بابا رشوت اس طرح دیتے ہیں سب کے سامنے؟ آپ کو رشوت دینا بھی نہیں آتی۔لائیں سب سے چھپا کر دے دیں آپ کا کام ہو جائے گا۔" کلرک نے آگے کی طرف جھک کر کہا اور بوڑھا اس طرح سر ہلانے لگا جیسے بات اسے سمجھ آ گئی ہو اس نے نہایت خاموشی سے وہی نوٹ کلرک کے حوالے کر دیئے جو اس نے اطمینان سے اپنی جیب میں منتقل کیے اور پھر کچھ دیر بعد اس کا کام ہو چکا تھا اور وہ جا رہا تھا۔

روح_قائد اور روح_اقبال ایک دوسرے سے آنکھیں چرا رہی تھیں آخر روح_نے خاموشی توڑی۔

"اب تو آپ کی تسلی ہو گئی نا؟ اب تو پتہ چل گیا کہ ہمارا پاکستان کیا سے کیا بن چکا ہے؟ اب واپس چلتے ہیں۔"_""روح_قائد نے روح_اقبال سے مخاطب ہو کر کہا۔

"نہیں ابھی کافی لوگ باقی ہیں ہمیں کہیں اور لے چلو۔"روح_اقبال نے پہلے روح_قائد اور پھر فرشتوں سے مخاطب ہو کر کہا۔اور فرشتے انھیں آگے لے چلے۔

اگلا منظر ایک دکان کا تھا جس کا دکاندار ناپ تول میں کمی کر رہا تھا اور پہلے اچھا مال دکھا کر بعد میں ناقص مال تول کر دے رہا تھا۔

اس سے اگلا منظر ایک عدالت کا تھا جس میں منصف کو غیر منصفانہ فیصلہ کرتے دیکھ کر روح_قائد کی آنکھیں بھر آئیں اور پھر کئی اور منظر دیکھنے کے بعد روح_قائد خون روح_قائد خون کے آنسو رونے لگی۔

"بس اب اس سے زیادہ مجھ سے برداشت نہیں ہو گا۔میں نے یہ سب دیکھنے کے لیے پاکستان نہیں بنایا تھا۔کہاں گئے وہ لوگ جو میرے وارث بنتے؟"روح_قائد نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور روح_

اقبال نے بھی اثبات میں سر ہلا دیا۔

پھر فرشتے دونوں روحوں کو لے کر جنت کی طرف چل پڑے۔راستے میں ایک جگہ روح_اقبال نے فرشتوں کو ایک بار پھر روک لیا۔

"اب کیا دیکھنا باقی رہ گیا ہے؟"روح_ قائد نے پوچھا۔

"وہ سامنے دیکھیں۔"روح_ اقبال نے سامنے اشارہ کیا اور روح_ قائد نے بھی سامنے نظریں جمالیں۔

منظر کافی ہیبت ناک تھا ان سے کچھ دور ہی چھ طیارے آپس میں گڈمڈ نظر آرہے تھے اور یہ دیکھ کر ان کی آنکھیں بھر آئیں کہ ان میں سے صرف ایک طیارہ پاکستان کا تھا اور باقی پانچ بھارت کے تھے۔ان پانچوں طیاروں نے ایک ان پانچوں طیاروں نے ایک پاکستانی طیارے کو گھیرے میں لیا ہوا تھا اور کسی بھی وقت تباہ کر سکتے تھے۔اچانک اس جہاز نے غوطہ لیا اور ایک طیارے کے پیچھے پہنچا کچھ شعلے ہوا میں تیرتے نظر آئے اور وہ جہاز ایک دھماکے سے پھٹ کر نیچے جا گرا ابھی وہ پوری طرح نیچے نہیں گرا تھا کہ دوسرا ابھی اس کے پیچھے زمین کی طرف لپکا اور پھر چشم_ فلک نے دیکھا کہ پانچوں بھارتی جہاز یکے بعد دیگرے زمین پر گرتے چلے گئے اور فضا میں صرف ایک پاکستانی سیبر غراتا ہوا غوطے لگانے لگا یہ سب کچھ صرف آدھے منٹ میں ہو گیا۔

اب آدھے منٹ میں پانچ طیارے تباہ کرنے والے اس اقبال کے شاہین اور قائد کے وارث ایم ایم عالم کا جہاز فضا میں غراتا پھر رہا تھا اور دشمن کے جہاز کہیں دبک کر بیٹھے ہوئے تھے۔

"ہاں یہ ہے میرا وارث، یہ ہے میری پہچان، یہ ہے اس ملک کا اصلی باشندہ جس کے لیے ہم نے دس لاکھ جانیں قربان کی تھیں۔"یہ منظر دیکھ روح_ قائد مسرت سے پھولی نہیں سما رہی تھی۔

"واپس چلو، ہمیں واپس لے چلو جلدی۔"روح_ اقبال نے پرجوش لہجے میں کہا اور روح_ قائد نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"ہمیں اقبال کا پاکستان دیکھنا ہے۔"روح_ قائد نے جوش سے کہا۔

اس بار فرشتے ان کو جس جگہ لے کر گئے وہ ایک طبی دواخانہ تھا۔جس میں ایک جواں سال طبیب بیٹھا لوگوں کا علاج کر رہا تھا۔جن لوگوں کے پاس پیسے کم تھے وہ ان سے زیادہ پیسے نہیں مانگ رہا تھا بلکہ انہی پیسوں اسے پوری دوا دے رہا تھا۔

اچانک ایک بوڑھی عورت آئی جس کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے وہ سیدھی حکیم کے پاس گئی اور اس سے مخاطب ہوئی۔

"بیٹا میں آپ کا بڑا نام سنا ہے اس لیے دور سے دوا لینے کے لیے آئی ہوں لیکن میرے پاس دوا کے پیسے نہیں ہیں اگر مجھ غریب کی مدد کر سکو تو تمہارا بھلا ہو گا میرے پاس دینے کے لیے صرف دعائیں ہیں۔"حکیم نے باقی لوگوں کو انتظار کرنے کا کہا اور اس بوڑھی کی نبض دیکھنے لگا۔ جب دوا اور نسخہ دے دیا اور بوڑھی عورت جانے لگی تو اسے واپس بلایا اور کہا۔

"اماں جان یہ دوا دودھ کے ساتھ لینی ہے ورنہ اثر نہ کرے گی۔"اس نے مسکرا کر کہا۔روح_ قائد اور روح_ اقبال چہروں پہ مسکراہٹ سجائے یہ سب کچھ دیکھ رہی تھیں۔

بوڑھی عورت کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو آ گئے۔

"بیٹا اگر دودھ لینے کی طاقت ہوتی تو میرے پاس دوا کے لیے پیسے نہ ہوتے؟"وہ اپنی آنکھیں دوپٹے کے پلو سے صاف کرتے ہوئے بولی۔

"اماں تم فکر نہ کرو۔ دودھ کا انتظام بھی ہو جائے گا یہ کہہ کر حکیم نے اپنے ساتھ امداد کے لیے موجود آدمی کو آواز دی اور اسے کہا کہ اسے دوا کے لیے استعمال ہونے والے دودھ کے پیسے دے دو۔ بوڑھی عورت
پیسے لے کر حکیم محمد سعید کو دعائیں دیتی ہوئی چلی گئی اور روح_اقبال نے روح_قائد کی طرف مسکرا کر دیکھا اور قائد کی روح بھی مسکرا دی۔
"ہاں یہ ہے میرا اصلی وارث۔"روح_قائد نے سرشاری کے عالم میں کہا۔
"صرف یہی نہیں بلکہ اس جیسے سینکڑوں لوگ آپ کے وارث ہیں جو اس طرح لوگوں کی مدد کرتے ہیں یا پاکستان کی سرحدوں کی حفاظت کرتے ہیں یا پاکستان کی ترقی میں کسی طرح کا بھی حصہ ڈالتے ہیں۔"روح_اقبال نے تفصیل سے کہا۔
"ہاں ہر وہ فرد میرا وارث ہے جس نے میرے چمن کو اپنے لہو سے سینچا ہے۔ میرے چمن کی آبیاری اپنے لہو سے کی ہے۔"روح_قائد نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر دونوں بزرگوں کی روحیں حکیم محمد سعید کا بنایا گیا علم و حکمت کا شہر "بیت الحکمۃ" دیکھنے روانہ ہو گئیں۔
جلد ہی وہ دونوں روحیں آپ کو دیکھنے بھی آئیں گی اس لیے آپ بھی خود کو جناح کا وارث بنالیں ایسے بن جائیں کہ روح_قائد آپ کو دیکھ کر خوش ہو جائے اور اسے یقین آجائے کہ پاکستان کبھی بھی ان کے وارثوں سے خالی نہیں ہوگا۔ جناح کے وارث ہر دور میں آتے رہیں گے اور پاکستان ہمیشہ زندہ و پائندہ رہے گا۔ ان شاءاللہ۔

افسانہ: میں "جناح کا وارث ہوں" اس ملک کا عام شہری ایک سیاسی ورکر

تحریر: حاجرہ خان

میں ایک مڈل کلاس گھرانے سے تعلق رکھتا ہوں۔ میرا اسٹیٹس یہ ہے کہ میں ایک استاد ہوں اور ساتھ ہی ایک سیاسی ورکر بھی ہوں۔ کئی سال پہلے جب بی بی فاطمہ جناح نے ایوب خان کے خلاف صدارتی الیکشن لڑا میں اس وقت بھی ایک سیاسی ورکر تھا۔۔۔ اس حیثیت سے میں بی بی کے ساتھ کھڑا تھا۔ اگر چہ میری عمر آٹھ سال تھی اور میں اپنے باپ کا ہاتھ تھام کر فاطمہ جناح کے جلسے میں شریک ہونے جایا کرتا تھا۔ میرا باپ بھی ایک سیاسی ورکر تھا اور وہ تو پاکستان بننے سے پہلے ہی سیاست میں شامل ہو چکا تھا۔ 1938 میں جب خطبہ الہ آباد میں علامہ اقبال نے ایک اسلامی فلاحی خواب آ گیں ریاست کا نظریہ پیش کیا تو وہ سولہ سال کا نوجوان تھا۔ اس خواب کے سارے رنگ اپنی امیدوں سمیت اس کی آنکھوں میں اتر گئے۔۔۔ جسطرح ایک بچے کے پیدا ہونے سے پہلے اس کی محبت اپنے پدر کے سینے میں ہلکورے لینے لگتی ہے۔۔۔ اس خواب نے میرے باپ کی آنکھوں، دل و روح میں پرورش پائی۔۔۔۔ وہ ہر اس جلسے اور کارنر میٹنگ کا حصہ بنا جہاں جہاں پاکستان کے مقدس وجود کی بات ہوتی۔۔۔ وہ پاکستان بننے سے پہلے اس کے عشق میں مبتلا ہو چکا تھا۔۔۔ اس کے لیے پاکستان ایسی محبوبہ کا نام تھا۔ جسے پانا اور ایک بار چھو لینے کی خواہش اس کی زندگی کی اول آخر خواہش بن چکی تھی۔۔۔ وہ امید کی ڈور جو علامہ اقبال کے خطاب سے اس کے دل نے پکڑ لی تھی، قائداعظم کے جلسوں میں شرکت کے بعد اس کے دل نے اور بھی مضبوطی سے تھام لی۔ وہ امیدوں کے دیے روشن کرتا رہا اور ان کے سرے تھام کر صبح و شام امید کا سفر طے کرتا رہا۔۔۔ بلآخر اس نے منزل مراد حاصل کر لی۔۔۔ رمضان کی ستائیسویں شب اس کا دل بامراد کر دیا گیا۔۔۔ اس جگہ جہاں اب پاکستان ہے وہاں کیمپوں میں وہ زخم ماندہ، آس و نراش میں گھرے کٹے پھٹے جسموں پر پھاہے لگا تا رہا ان کے زخم مندمل کرتا رہا۔ چھپ چھپ کر آنسوؤں کے نظرانے دھرتی ماں کے شوریدہ بدن کی نظر کرتا رہا۔ وہیں اس کو میری ماں ملی۔۔۔ جس کا جسم ہی کٹا پھٹا نہیں تھا بلکہ اس کی روح بھی چھید و چھید تھی، یہ بڑے بڑے شگاف اس کی روح سے جھانکتے تھے جب وہ چلا کر کہتی۔۔۔۔ "چھوڑ دو چھوڑ دو مجھے" تو ایسے تڑپتی جیسے کوئی اس کے وجود کو زخم و زخمی کر رہا ہو۔۔۔ اسے چھیل رہا ہو، اس کی روح میں شگاف بنا رہا ہو۔۔۔ پھر بیٹھے بیٹھے اچانک وہ نعرے لگانے لگتی "لیکر رہیں گے پاکستان بن کے رہے گا پاکستان"

۔۔۔ اس کے اگلے پچھلے وارث یا تو شہادت کے درجوں پر فائز ہو چکے تھے یا پھر بچھڑ گئے تھے۔ کسی کا کچھ پتا نہ چل سکا۔ وہ نیم پاگل حالت میں تھی۔ میرے باپ حیات علی نے اس کے آگے پیچھے بہت پتا کرنے کی کوشش کی مگر کسی قسم کا سراغ نہ لگا سکا۔ تب اسی نیم پاگل حالت میں اس نے میری ماں سے شادی کر لی۔۔۔۔ وہیں کیمپ میں نکاح خواں کو بلایا گیا۔ کچھ مہاجرین نکاح میں لڑکی والے بن گئے اور کچھ لوگ حیات علی میرے والد کی طرف سے باراتی۔ یوں میری ماں میرے باپ کے گھر آ گئی اور زندگی میں بھی شامل ہو گئی۔۔۔ یہ ملن، خواب سے تعبیر تک کا حاصل تھا یا شاید ایک پڑاؤ۔ حیات علی کشور میری ماں کی بربادی کا ذمہ دار اپنے خواب کو قرار دیتا رہا۔۔۔ اسے ہی

اب اس نیم مردہ عورت کو آسرا دینا تھا اس کی روح کے شگافوں کو اعتماد اور محبت کے پھاہوں سے بھرنا تھا۔۔۔میرا باپ یقیناً ایک بہادر انسان تھا، وہ عورت اس کے لیے صرف عورت نہیں بلکہ ایک خواب کی کٹی پھٹی تعبیر تھی۔اسے اس کی روح کے زخموں کو بھی سینا تھا جن کی ٹیس وہ خود اپنے سینے میں محسوس کرتا تھا۔۔۔۔اس میں اس کو بہت وقت لگا۔اس دوران میں بھی اس دنیا میں آ گیا۔میرے باپ کی آنکھوں کے سارے خواب مجھے وراثت میں ملے۔انھیں میں نے کبھی نہیں دیکھا مگر وہ خود بہ خود میرے روح و دل تک منتقل ہوئے۔۔۔میری ماں کے سارے دکھ بھی خود بہ خود میرے وجود میں منتقل ہو گئے جو آج تک میرے بدن میں پنپ رہے ہے ۔میرے ماں باپ کے دکھ سکھ خواب، امیدیں کھاد بن کر میرے وجود کی زمین کو زرخیز کرتے رہے اور اس ادھورے خواب کی آبیاری کرتے رہے جسے دنیا پاکستان کے نام سے جانتی ہے۔۔۔۔جس وقت قائداعظم نے پاکستان بننے کے بعد پہلے اجتماع سے خطاب کیا میرا باپ مجھے گود میں اٹھائے اس جلسے میں شامل ہوا۔۔۔۔نہ جانے کون سی امیدیں میرے دامن سے باندھنا چاہتا تھا۔۔۔

قائداعظم کی وفات ایک سانحہ بن کر وقوع ہوئی۔۔۔جسے ہر دل نے روتے روتے سینے سے لگایا۔۔۔ہر آنکھ اشک بار تھی۔۔۔کسی کو معلوم نہیں تھا کہ یہ سینہ آئندہ ستر سالوں میں کتنا زخم زخم ہو جائے گا۔میں حیران پریشان بھیگے چہروں کو دیکھتا رہا۔۔۔۔یہ اشک بار چہرے آج بھی میری یادداشت کے خدوخال پر اسی طرح ایستادہ ہیں۔

فاطمہ جناح کو جب ایوب خان سے شکست ہوئی تو ایک اور المیہ تاریخ پاکستان کے سینے پر کندہ ہوا۔۔۔یہ ایک ایسا سانحہ تھا کہ جس نے ایک بار پھر حب الوطن چہروں کو کملا کر رکھ دیا۔اس وقت میں ایک متحرک سیاسی ورکر تھا۔میرے لیے فاطمہ جناح کی شکست ایک دھچکے سے کم نہیں تھی۔کئی دن بے چینی اور شکستگی میں گزرے مگر تب دشمن نے پاکستان کی سرحدوں سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی جس چھوٹے سے کانپتے پودے کو انہوں نے لہولہان حالت میں کسی مصلحت کے تحت سانس لینے کے لیے چھوڑ دیا تھا، اس امید پر کہ یہ خود ہی سکھ کر کانٹا ہو جائے گا، وہ محض ان کی غلط فہمی کا شاخسانہ ثابت ہوا۔ایک ایسا بچہ جو نحیف و نزار ہوا اور جسے دنیا کے میدان میں گرم و سرد سہنے کے لیے اکیلا چھوڑ دیا گیا ہو وہ ابھی پوری طرح سنبھلا بھی نہ تھا کہ اس پر دشمن اپنی پوری طاقت سے حملہ آور ہو گیا گویا اس نحیف پودے کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا چاہتا ہوں۔اس وقت ایوب خان کے کلمہء توحید نے قوم میں نئی روح پھونک دی۔۔جس کلمہء حق لا الہ الا اللہ کی گردش میں وطن کو وجود کا لبادہ حاصل ہوا اسی کلمہ کی روشنی سینوں میں ایمانِ نو تازہ کر گئی اور اسی کلمہ کی چھاؤں میں ربِّ لم یزل نے نصرت و فتح یابی نصیب فرمائی۔

ایک بار پھر ایک سیاسی ورکر کی حیثیت سے سیاسی میدان میں اترا۔روٹی کپڑا اور مکان جیسے عوامی نعروں کی بازگشت کو میں کیا اہمیت دیتا میری منشا اور منزل مراد ایک باشعور پڑھا لکھا پاکستان تھا اسی لیے میں شاید شعبہء تدریس سے وابستہ تھا۔

دل میں ڈھارس لیے اور امیدوں کی نئی کرنیں سنبھالتے سنبھالتے میں نے اکہتر کی جنگ بھی دیکھی۔۔۔اقتدار کے ایوانوں میں طاقت کے نشے میں چُور بتانِ سیاست کا خونی کھیل بھی دیکھا اس وطن کے سینے میں اپنے عناد اور سیلفنس کا خنجر اتار کر اسے دولخت کر دینے والے ہاتھوں کو بھی دیکھا۔میں اپنی امیدوں کو ہارتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔مجھے پاکستان کی محبت ورثے میں ملی تھی۔میرے ماں باپ بوڑھے ہو چکے

تھے مگر میرے جذبے ابھی جوان تھے شاید انہیں ہجرت اور خواب کا آبِ حیات پلایا گیا تھا۔میرے باقی بہن بھائی ایک نارمل زندگی گزار رہے تھے۔وہ اونچے حکومتی عہدوں پر فائز ہو کر اس ملک کی بیوروکریسی کا حصہ بن چکے تھے مگر میں ابھی تک خواب کا ورثہ سنبھالے بیٹھا تھا۔میرے بچے بڑے ہو رہے تھے۔میری بیوی کا ان مقاصد و عوامل سے کوئی تعلق واسطہ نہیں تھا۔۔۔اس کا کنسرن اپنے گھر کا نظامِ حیات تھا۔۔۔میرے باپ نے میرا نام محمد علی رکھا تھا۔۔۔نہ جانے پاکستان میں بسنے والے دوسرے لوگ اس طرح کیوں نہیں سوچتے تھے جیسے میں سوچتا تھا۔میرا باپ اس سسٹم سے ہار مان بیٹھا تھا۔۔۔میں اپنے ہی گھر میں اپنے بیوی بچوں کے درمیان اجنبی بن چکا تھا۔سب مجھے عجیب سمجھتے تھے۔۔۔کبھی کبھار میرا دل چاہتا کہ میں ایک عورت ہوتا تب میں اپنے بچوں کو ایک اچھا پاکستانی بنا سکتا۔۔۔ہندی فلمی ثقافت کی اس یلغار سے اپنے بچوں کو بچا سکتا جس کا وہ شکار ہو چکے تھے۔میرے سامنے تو وہ پی ٹی وی دیکھتے مگر جیسے ہی میں گھر سے باہر جاتا۔۔۔ڈی ڈی ون گھر آ جاتا۔۔۔میری بیوی کو ہندی فلمیں اور گانوں کا شوق تھا۔اس شوق کا شکار میری نسل بھی ہو رہی تھی۔

میں ،میری امیدیں ان کی آبیاری یہی میری زندگی کا اولین مقصد بن کر رہ گیا ہے۔میں اپنے خوابوں کو شکست خوردہ نہیں دیکھ سکتا۔۔۔اسی لیے جہاں امید اگتی ہے میں اپنے بدن کا پسینہ لیکر پہنچ جاتا ہوں اس کی آبیاری کے لیے۔۔۔مگر یہ سیاستدان یہ ہرگز نہیں سدھرنے کے۔۔۔یہ اسی طرح جھوٹ بولتے رہیں گے۔۔۔۔میں ان کے جلسوں میں اپنے سوہنے پاکستان کی مکمل تعبیر ڈھونڈنے جاتا ہوں۔۔مگر خالی ہاتھ لوٹ آتا ہوں مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میں ہمت ہار گیا ہوں۔۔۔میں نے کہیں پڑھا ہے کہ انسان کو اس کے خواب اونچا بناتے ہیں چاہے وہ پورے ہوں یا نہ ہوں۔۔۔

وہ جو سرحدوں پر اللہ کے بندے محافظ بن کر ڈٹے ہوئے ہیں کہ اپنے سے تین گناہ بڑے دشمن کو ایک انچ بھی آگے سرکنے نہیں دیتے وہی میری امید کے دیوں کو بجھنے نہیں دیتے۔

جب تک اس وطن کے سپائی کسی ریڑھی والے کی صورت،کبھی کسی سٹوڈنٹ کے بھید میں اور کبھی کسی فقیر کے روپ میں اس وطن کے چوک چوراہوں کی حفاظت پر سرگرداں ہیں۔تب تک میں امیدوں کے دیے روشن کرتا رہوں گا۔

اس ملک کے لیے جان قربان کرنے والوں کا ابھی کال نہیں پڑا۔۔۔کچھ لوگ ہیں جو ابھی بھی پروانہ وار اس کی عظمت اور ردا پر اپنی جانیں لٹا رہے ہیں۔یہ ملک شہداء کی جانوں کے نذرانے پر اپنی بقا کی عمارت تعمیر کیے کھڑا ہے۔جو اس کے وجود کی ضمانت بھی ہے۔

جب سنتا ہوں کہ بھارت میں کسی کو گائے حلال کرنے کے شک میں جان سے مار دیا گیا ہے تو شکر ادا کرتا ہوں کہ پاکستان بن چکا ہے یہاں آزادانہ ہر سال عیدِ قرباں پر سینکڑوں گائیں قربان کی جاتی ہیں۔

جب وہ میری آئی ایس آئی اور دیگر خفیہ ایجنسیوں سے خوفزدہ ہوتے ہیں تو بھی شکر ادا کرتا ہوں کہ وہ ہم سے ڈرتے ہیں۔۔اپنے بچوں کو آزاد وطن میں سانس لیتے دیکھتا ہوں تو شکر ادا کرتا ہوں

اس ملک میں غربت ہے،بیروزگاری ،ناانصافی ہے،کرپٹ سیاستدان ہیں اور سینکڑوں برائیاں ہیں مگر آزادی ہے۔۔۔جس کا کوئی نعم البدل نہیں ہر برائی پر قابو پایا جا سکتا ہے اس کے خلاف جہاد کا علم بلند کیا جا سکتا ہے۔

مقبوضہ کشمیر میں جب معصوم بچوں کی پیلٹ گنوں سے آنکھیں شہید ہوتے دیکھتا ہوں تو بے اختیار اپنے بچوں کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیتا ہوں۔میں ایک باپ ہونے کی حیثیت سے اس درد کو اپنے سینے میں محسوس کر سکتا ہوں۔

دو سال کی عمر میں اپنے باپ کی گود میں سوار جلسوں میں جانے والا ایک عام پاکستانی ایک عام سیاسی ورکر ہوں۔میری امیدیں بنتی اور بگڑتی رہتی ہیں۔میں سیاسی مکروہ اور بدنما چہروں کی اصلیت سے بھی واقف ہوں اس کے باوجود میں اپنی امید کو مرنے نہیں دے سکتا کیونکہ یہ وراثتی ہے۔جراثیم کی صورت میری رگ رگ میں پھیلی ہوئی ہے۔میرے اندر فصل کی طرح اگی ہوئی ہے۔

ایک خواب کی صورت اسے صرف منتقل ہونا ہے۔ورنہ یہ خواب میرے مرنے کے بعد بھی یہاں وہاں ہر طرف بھٹکتا رہے گا۔

میری بیٹی میرے سامنے بیٹھی ہے۔۔۔میرا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھامے۔۔۔اس کی آنکھوں میں آنسو ہیں۔۔۔میرے سر پر بندھی خون آلود پٹی کو دیکھتی ہے اور روتی چلی جاتی ہے۔اسلام آباد کے پریڈ گراؤنڈ میں انصاف کی بھیک مانگنے پر میرا یہ حشر کیا گیا۔میں اس ملک کی خاطر انصاف مانگنے ہر جلسے جلوس میں جاتا ہوں۔۔۔میرے باپ کا قرض اتارنے جو وہ مرتے ۔۔۔میرے باپ کا قرض اتارنے جو وہ مرتے ہوئے میرے کاندھوں پر ڈال کر چلا گیا۔اپنی ماں کے لٹے پٹے وجود کا حساب مانگنے۔۔۔پولیس نے میرے ساتھ ساتھ سینکڑوں ورکروں کو اٹھالیا اور لاکر میں بند کر دیا۔۔۔رات انہوں نے ہمارے وجود کو اپنی ظلمت کی آماجگاہ بنا ڈالا۔۔۔گرمی اور حبس کی رات جب ہوا

بھی سانس بند کیے کسی قید خانے میں سر پٹخ رہی تھی ایسی قیامت رات میں ہمیں مار مار کر سینکڑوں کی تعداد میں ایک نیم تاریک کوٹھری میں بند کر دیا گیا اڑتالیس گھنٹے تک درد سے تڑپنے کے بعد جب ضمانت کرائی گئی تو ٹانگوں میں پڑنے والے زخموں میں ریشہ پڑ چکا تھا۔اس کی وجہ سے میں چلنے پھرنے سے بھی قاصر تھا۔پیشانی پر سوجن اتنی بڑھ گئی تھی کہ آنکھ بھی متاثر ہوئے بنا نہ رہ سکی۔

آج ہوسپٹل کے ایک جنرل وارڈ پر ایک کونے میں لگے بستر پر بیٹھ کر میں نے اپنی اور اپنے باپ کی کہانی اپنے بچوں کے گوش گزار کی تھی ۔۔۔وہ نظریں جھکائے ایک قطار میں کھڑے تھے۔۔۔آج ان کے آنسو خشک نہیں ہو پا رہے تھے۔میری بیٹی نے میرے پاس بیٹھ کر میرے ہاتھ تھام رکھے تھے۔۔۔آنسوؤں کا سیلِ رواں اس کی آنکھوں سے جاری تھا۔

☆......☆......☆

اسلام آباد کے سیرینا ہوٹل میں قومی سطح پر "جناح کے وارث" کے عنوان پر سیمینار کا انعقاد کیا گیا تھا۔سامعین میں، میں میری بیوی اور میرے دونوں بیٹے شامل تھے۔۔۔سامنے سٹیج پر ڈائس کے پیچھے میری پیاری بیٹی مریم محمد علی کھڑی ہے ۔اس کی آنکھیں نم ہیں اور وہ اپنے جذبات واحساسات کا آخری حصہ بیان کر رہی ہے۔

"وطن کی محبت سینہ بہ سینہ، آنکھ در آنکھ، خواب بہ خواب یونہی منتقل ہوتی رہے گی، ہمیں تو وطن کی محبت کو روح کے ہر گوشے میں سینچنا ہے ۔اسے اپنی ہر گزرتی سانس میں پروان چڑھانا ہے۔اس کی محبت کا تعویز بنا کر گلے سے لگا کر رکھنا ہے۔وہ محبت جو میرے دادا سے میرے والد کو منتقل ہوئی اور وہاں سے ہمارے سینوں کا اسے امین بنایا گیا۔اسلامی جمہوریہ پاکستان کی محبت وہ قرض ہے جسے ہمارے قائد محمد علی

جناح اور بزرگوں نے اپنی جان، مال گھربار، عزت وآبرو قربان کرکے، ہمیں آزادی کی نعمت سے سرفراز کرکے، آزادوطن میں سانس لینے کے قابل بنا کر ہمارے کاندھوں پر بار کی صورت رکھا ہے۔ جسے ہمیں اگلی

نسلوں تک منتقل کرنا ہے۔ پاکستان کو اس کی اگلی نسلوں کے لیے رہنے کے قابل بنانا ہے۔

ہم میں سے ہر ایک کو جناح کا وارث بننا ہے۔

اور یہ کہنا ہے

شکریہ پاکستان

مٹی کے تعویز بنا کے نام وطن کا گلے لگا کے

ہر مشکل سے ہاتھ چھڑا کے تیرے سارے خواب بچا کے

بس اتنا کہنے آئے ہیں۔

شکریہ پاکستان۔

محمد علی نے سر گھما کر دیکھا۔ پورے حال میں لوگ اپنی جگہوں سے کھڑے ہو کر نم آنکھیں لیے تالیاں بجا رہے تھے۔

☆......☆......☆

افسانہ ☆"جناح کے وارث"☆

تحریر: حوریہ ایمان ملک

ماما۔۔۔ماما۔۔۔ٹی وی پہ پریڈ تقریب شروع ہو چکی ہے۔۔حورب آواز بلند اپنی مما کو بتا رہی تھی
وہ پریڈ تقریب دیکھنے کے لیے ہمیشہ ہی اتنی پرجوش ہوتی تھی۔۔۔
ہر فوجی جوان کے پریڈ کے دوران زمین پر پڑتے قدم اس کے اندر جوش اور جذبے کو بڑھا دیتے۔۔۔پاکستانی ملی نغمے اپنے وطن سے محبت اور ملی جذبے کی نئی روح پھونک دیتے۔۔۔
23 مارچ ہو یا 14 اگست۔۔۔کوئی بھی قومی دن ہو یا تہوار حورب بہت جوش و خروش سے مناتی۔۔۔وطن سے محبت اس کے خون میں شامل تھی۔۔۔وہ ایک شہید کی بیٹی تھی۔۔۔ایک غازی کی نواسی۔۔۔وہ جذبہ حب الوطنی میں پل کر جوان ہوئی تھی۔۔۔اس نے ہمیشہ یہی سیکھا کہ قومی مفادات پر ذاتی مفادات کو بھی قربان کر دو۔۔۔وہ بھی اس وطن کی مٹی کا قرض چکانا چاہتی تھی۔۔۔کچھ کرنے کا جذبہ رکھتی تھی۔۔۔
ایک روز کالج جاتے ہوئے اسے کچھ بچے کوڑا کرکٹ اٹھاتے دکھائی دیے۔۔۔ایسے کئی مناظر تو وہ پہلے بھی دیکھ چکی تھی مگر اس روز اچانک اس کی سوچ کو ایک نئی راہ ملی جس پر چل کر اسے اپنی منزل کی طرف جانا تھا۔۔۔راستہ بظاہر کٹھن تھا مگر اس کٹھن راستے کے آگے اک حسین منزل تھی۔۔۔وہ پرعزم تھی۔۔۔
کالج سے واپس آ کر حورب نے اپنی ماما کو اپنے ارادے سے آگاہ کیا۔۔اور انکی اجازت چاہی۔۔۔وہ ماں تھی اپنی بیٹی کے مضبوط ارادوں اور اور حوصلے سے بخوبی واقف تھیں اس لیے اجازت دے دی۔حورب نے اپنے بھائی علی احمد کو بھی اپنے ارادے میں شامل کر لیا۔۔۔۔
دوسرے روز کالج جاتے ہوئے وہ ان بچوں کے پاس گئی جو کوڑا کرکٹ کے ڈھیر سے کوڑا چننے میں مصروف تھے۔۔۔
آپ اسکول کیوں نہیں جاتے۔۔۔؟حورب نے ان بچوں سے پوچھا
ہمارے پاس کھانے کے پیسے نہیں تو اسکول کیسے جائیں۔۔؟ایک بچہ جو باقی بچوں سے قدرے بڑا دکھائی دے رہا تھا لا پرواہی سے بولا
اگر میں تم لوگوں کو پڑھاؤں تو تم لوگ پڑھنے آؤ گے۔۔؟حورب نے اس امید سے سوال کیا کہ جواب ہاں میں ملے گا
لیکن ہمارے پاس فیس کے پیسے نہیں۔۔۔ایک بچہ مایوسی کے عالم میں بولا
میں تم لوگوں سے فیس نہیں لوں گی بلکہ تم سب کو فری پڑھاؤں گی۔۔۔حورب نے جواب دیا
ہم پڑھنے لگیں گے تو ہمارا کام کیسے چلے گا گھر کا خرچہ کیسے چلے گا۔؟
بڑے لڑکے نے تفکرانہ انداز میں سوال کیا
تم صبح میں کام کرنا شام میں تم سب اسی جگہ آ جانا میں تم سب کو پڑھاؤں گی۔۔۔تینوں بچوں نے حامی بھر لی۔۔
وہ انہیں شام میں آنے کا کہہ کر کالج چلی گئی اور بچے پھر اپنے کام میں مشغول ہو گئے

شام کو اپنے بھائی کو ساتھ لیے وہ مقررہ وقت پہ اسی جگہ پہنچ گئی۔۔۔سارا رستہ وہ یہی سوچتی رہی پتہ نہیں بچے آئیں گے بھی یا نہیں لیکن اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب تینوں بچے پہلے سے ہی وہاں موجود تھے۔۔وہ خالی ہاتھ تھے لیکن وہ جان چکی ہے ان خالی ہاتھوں میں کتاب پکڑنے کی خواہش جاگ چکی ہے۔۔۔حورب نے کوڑے کے ڈھیر سے کچھ دور صاف جگہ پہ بچوں کو زمین پر بٹھا کر پڑھانے کا عمل شروع کر دیا۔۔وہاں سے گزرتے راہگیر اسے حیرت سے تکتے اور گزر جاتے۔۔۔کوڑے کے بدبو دار تعفن سے وہاں بیٹھنا بھی محال تھا مگر بچے اس بدبو کے پہلے سے عادی تھے۔۔۔کتابیں قلم حاصل کرنے کی خوشی ان کے چہروں سے پھوٹ رہی تھی۔۔۔بچوں کی خوشی نے حورب کو بھی خوشی سے سرشار کر دیا۔۔۔وہ پہلا قدم اٹھا چکی تھی مگر اس سفر میں وہ اکیلی نہیں تھی بلکہ اس کا بھائی بھی ساتھ تھا۔۔۔

دوسرے دن آنے کا کہہ کر اس نے بچوں کو چھٹی دے دی۔۔

دوسرے روز بھی اسی جگہ وہ بچوں کو پڑھانے میں مصروف تھی مگر آج تین کی بجائے چار بچے اس کے سامنے موجود تھے۔۔گندگی کا ڈھیر آج بھی وہیں موجود تھا۔۔اہل علاقہ اور راہگیروں کی حیرت بھی برقرار تھی۔۔اگر کچھ بدل رہا تھا تو بچوں کا مستقبل اور ان کی سوچ۔۔۔

تیسرے روز اور پھر چوتھے روز بھی وہ اسی لگن اور جذبے سے بچوں کو پڑھاتی رہی۔۔۔پانچویں روز وہ اسی جگہ پہنچی مگر ایک خوشگوار تبدیلی اسکی منتظر تھی۔۔۔وہاں کوڑے کے ڈھیر کا نام ونشان تک نہ تھا۔۔بچوں کی تعداد چار سے سات ہو چکی تھی۔۔۔اسے بچوں کے چہرے پہ انوکھی خوشی دکھائی دے رہی تھی۔۔کوڑے کے ڈھیر سے کوڑا چننے والے بچے اس کوڑے کے ڈھیر کی صفائی سے جتنے خوش نظر آرہے تھے اس سے ثابت ہو چکا تھا وہ اپنی زندگیاں بدلنے کی خواہش رکھتے ہیں اب انکی آنکھوں میں روشن مستقبل کے خواب تھے۔۔۔اب اہل علاقہ کی آنکھوں میں حیرت کی جگہ خوشی کا اظہار تھا۔۔۔اہل علاقہ کی کوشش سے اس جگہ کو مکمل صاف کروا دیا گیا۔۔۔

رفتہ رفتہ یہ سلسلہ چل نکلا۔۔بچوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔۔۔اس جگہ کو اسکول کا نام دیا جانے لگا۔۔۔حورب اس اسکول کو نام دینا چاہتی تھی۔۔۔کئی نام اس کے ذہن میں آئے مگر وہ کچھ اور چاہتی تھی۔۔۔۔

جب ہم سب پاکستانی ہمارا وطن ایک پرچم ایک۔۔۔ہم ایک قوم۔۔۔ہمارا جناح بھی ایک۔۔تو بحیثیت قوم ہم سب جناح کے وارث ہیں۔۔۔تو پھر تفریق کیوں۔۔۔؟؟

چاہے کوئی بچہ امیر ہو یا غریب پنجابی ہو یا پٹھان۔۔۔بھکاری ہو یا مزدور۔۔۔سب ایک ہیں۔۔۔ہم سب اس وطن کے پاسباں ہیں۔۔۔اس پرچم کے رکھوالے ہیں۔۔۔ہم سب جناح کے وارث ہیں۔۔۔وہ فیصلہ کر چکی تھی۔

بلآخر اسکول کی جگہ پر ایک بورڈ لگا دیا گیا۔۔۔جس پر اسکول کا نام نمایاں حروف میں لکھا تھا "جناح کے وارث" بورڈ پہ درج یہ الفاظ صرف چند الفاظ نہیں تھے ان کے پیچھے مکمل کہانی اور آگے شاندار مستقبل کی نوید تھی۔۔۔اہل علاقہ کے تعاون سے اس خالی جگہ پر ایک کمرہ تعمیر کر دیا گیا۔۔۔رفتہ رفتہ اسکول میں طلبہ کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔۔۔دوسری طرف سڑک کنارے موجود کچی بستی سے مزید بچے شام کو حصول علم کے لیے آنے لگے۔۔۔اسکول کے دروازے طلبہ کے لیے کھلے تھے۔۔۔

حورب اور اسکے بھائی کی لگن دیکھ کر کچھ مخیّر حضرات نے وہ جگہ خرید کر اسکول کے لیے وقف کر دی۔۔رفتہ رفتہ طلبہ کی ضروریات کو مدنظر

رکھتے ہوئے اسکول کی عمارت وسیع کردی گئی۔۔۔حورب کو اب منزل قریب دکھائی دے رہی تھی۔۔۔وقت گزرتا گیا حورب کامیابی کی منازل طے کرتی گئی۔۔۔اپنی تعلیم کے ساتھ جناح کے وارثوں کی تعلیم و تربیت کی زمہ داری بھی بخوبی نبھاتی رہی۔۔۔حورب کے سفر میں اب وہ اکیلی نہ تھی ایک قافلہ اس کے ساتھ اس سفر میں شریک تھا۔۔۔وہی اہل علاقہ جو پہلے اسے حیرت بھری نگاہوں سے دیکھتے تھے اب اس پر فخر کرتے تھے۔۔۔لوگ خود بچوں کو اسکول چھوڑ جاتے تھے۔۔۔

حورب یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد کالج میں جاب کرنے لگی۔۔۔صبح کالج جاتی اور شام کو اسکول۔۔وقت گزرتا گیا۔۔اب اسکول کا شمار اچھے اسکولز میں ہونے لگا تھا۔۔

دس سال گزر چکے تھے۔۔۔اسکول میں 14 اگست کی تقریب منعقد کی گئی۔۔۔اسے دوسرے شہر سے باقاعدہ فنکشن میں شرکت کے لیے مدعو کیا گیا۔۔۔گاڑی اسکول گیٹ کے سامنے رکی وہ گاڑی سے اتری۔۔وہ اکیلی نہیں تھی ان کے ساتھ ان کے شوہر میجر بلال بھی تھے۔۔۔اسکول کے سامنے لگے بورڈ پہ نظر پڑتے ہی بے اختیار آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔۔اسکول کی عمارت پہلے سے زیادہ وسیع اور خوبصورت دکھائی دے رہی تھی۔۔اب اسکول میں صبح کی کلاسسز کا آغاز بھی ہو چکا تھا۔۔طلباء

وطالبات کو درس و تدریس کے ساتھ ساتھ ہنر بھی سکھایا جانے لگا۔۔۔حورب کا لگایا ہوا پودا ثمر آور درخت بن چکا تھا۔۔۔

اس نے مسکراتے ہوئے گیٹ سے اندر قدم بڑھا دیے جہاں جناح کے وارث ان کے منتظر تھے۔۔۔

ننھے منے بچے ہاتھوں میں گلدستے لیے انکے استقبال کے لیے کھڑے تھے۔۔خوبصورت صاف ستھرے یونیفارم میں ملبوس ننھے بچوں کو دیکھ کر حورب کو بے اختیار ان پہ پیار آیا۔۔۔تمام اساتذہ نے بھی نہایت عزت و احترام سے استقبال کیا۔۔۔

جس اسکول کی بنیاد اس نے رکھی تھی آج وہاں بطور مہمان خصوصی ان کو مدعو کیا گیا تھا۔۔۔اسکول انچارج علی احمد اور میجر بلال کے ہمراہ وہ اسٹیج پر مہمان خصوصی کی نشست پر براجمان تھی۔۔۔خوشی اس کی آنکھوں سے چھلک رہی تھی۔۔۔ہال طلبہ سے بھرا ہوا تھا۔۔۔طلبا و طالبات نے مختلف ٹیبلوز پروگرام اور ملی نغمے پیش کیے۔۔۔فوجی وردی میں ملبوس چند طلباء پریڈ کرتے ہوئے اسٹیج پہ آئے اور پرفام کرنے لگے۔۔۔بیک گراؤنڈ میں ملی نغمے لہو کو گرما رہے تھے۔۔۔وہ ذہن کے دریچوں سے ماضی میں جھانکنے لگی۔۔۔فوجی پریڈ اور ملی ترانے اسے ہمیشہ نیا جوش اور ولولہ دیتے تھے۔۔۔اسکول کے پہلے دن سے اب تک کا سارا سفر اس کی آنکھوں کے سامنے گھوم رہا تھا۔۔۔اسکول انچارج علی احمد نے اپنی اور حورب کے اس سفر کی تمام روداد سنائی اور اس میں حاصل ہونے والی کامیابیوں پر روشنی ڈالی۔۔حورب ایمان کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے احمد علی نے کہا۔۔۔یہ ہیں اصل جناح۔۔۔حورب ایمان صاحبہ۔۔۔ہال تالیوں سے گونج اٹھا تمام طلبہ و اساتذہ نے کھڑے ہو کر انکی کوششوں کو خراج تحسین پیش کیا۔۔۔وہ تالیوں کے شور میں ڈائس تک آئی۔۔۔تالیوں کی گونج تھمتے ہی وہ مخاطب ہوئی۔۔۔مجھے ایک ایسی منزل کا انتخاب کرنا تھا جس میں صرف میری زندگی نہیں بلکہ بہت سی زندگیاں سنور جائیں۔۔۔بچے اسکولز پڑھنے کے لیے کچھ سیکھنے کے لیے جاتے مگر اس اسکول میں آنے والے طلبہ زندگی بدلنے کی امید لے کر آتے۔۔۔میں نے کوشش کی ہے ان طلبہ کے انداز زندگی۔۔۔سوچ اور شخصیت میں مثبت تبدیلیاں لاسکوں۔۔۔ان کو نئی راہ دکھا سکوں۔۔۔اسی امید کے ساتھ اختتام کروں

گی کہ یہ کاروان یونہی چلتا رہے اور جناح کے وارث اس مکتب سے تعلیم وتربیت کے ساتھ جذبہ حب الوطنی اور محمد علی جناح جیسے عزم کے ساتھ نکلیں۔۔ ہر طالب علم اس ادارے سے ایک اچھا سبق اور مقصد لے کر نکلے تاکہ انھیں منزل تک پہنچنے میں آسانی ہو۔۔ ہال دوبارہ تالیوں سے گونج اٹھا۔۔حورب نے مستقبل کے معماروں پر مسکراتے ہوئے الوداعی مسکراہٹ ڈالی۔۔طلبہ کی ذہانت سے بھرپور آنکھوں کی چمک اسے بتارہی تھی ہم ہیں جناح کے وارث۔۔۔ہم ہیں اقبال کے شاہین۔۔۔

حورب ایک نئے جذبے کے ساتھ نئی منزل کی جانب بڑھ رہی تھی۔۔۔اسے کہیں اور بھی اسکول کی بنیاد رکھنا تھی۔۔اسے پھر سے شمع جلانی تھی۔۔مگر اس بار اس سفر میں میجر بلال بھی اس کے ساتھ تھے۔۔۔

ہم آپ کی دیوار کے سائے

(سالگرہ نمبر کے لئے ایک خاص افسانہ)

تحریر: نعیم سجاد

''گری پنجابی نچے ولایتی گیت تے۔۔''

ڈھول کی تھاپ پر، گلوکار (پڑوسی) کی ڈراتی آواز اور ساتھ ہی ناچتے ہوئے زور زور سے لگاتے پاؤں کی آواز ماحول کو کسی اور کے لئے تو نہیں کہہ سکتا میرے لئے قابلِ رحم ضرور بنایا تھا۔ میرے میٹرک کی پرچے ہو رہے تھے اور ایسے میں میرے جیسے لائق طالبعلم کے لئے کتابوں کے علاوہ ایک اور دردِ سر بنا ہوا تھا، اور وہ تھا ہمارے محلے کے میراثی بننے کے شوقین پڑوسی۔ ناچ کود کر تھکتے نہ تھے ہر وقت نصیبو، ملکو، اور نور جہاں کے ''کلاموں'' پر رقص کرنا اور اپنی بے سُری آواز میں گانا ان کی معمول کی بات تھی اور ایسے میں اگر کوئی بھولے سے بھی اُن کو اِن ''اوباش'' حرکتوں سے منع کرتا تو اس کے گلے پڑ جاتے۔ ناچنا تو ان کی سرشت میں تھا ناچ ناچ کر بے حال ہو جاتے محلے والے تنگ پڑ جاتے، مگر ان کو کچھ نہ ہونا تھا۔

میرے لئے تو ایک یہ سائنس کی کتابیں عذاب اور اُوپر سے ایسے شاندار پڑوسی۔ مرد تو محلے کے کچھ کہتے ہی نہ ان کو ظاہر ہے گھر بیٹھے پُرانے معاشقے یاد کرنے اور ''مُفت'' کی تفریح جوان کو میسر ہو گئی تھی۔ کچھ محلے کی عورتیں جو تنگ تھیں۔ غیبتیں کر کے ہی اپنے دل میں لگی آگ کو ہلکا کر لیا کرتی تھیں۔ کیوں کہ ان سے منہ لگانا اُن کے بس کی بات نہ تھی۔

اُن کے گھرانے میں ایک بوڑھی عورت، شانو کی ساس، دو بچے ایک نند اور ایک میں اصغر رہتے تھے۔ گنے چُنے چھ ہی دانے تھے مگر ہر ایک اپنی جگہ پٹاخہ۔ ذرا سے بات کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنا اور شور مچانے میں پتہ نہیں ان کو کیا مزہ آتا ہے۔ اب کل میرا چوتھا پیپر تھا میتھس کا، ایک یہ مصیبت اور اُوپر سے پڑوسیوں کی ٹھمکے ایک جیسے ہی سر پر ہتھوڑے برسا رہے تھے۔ میں نے جا کر ان کو منع کرنے کا سوچا چھت پر گیا۔

''ارے ان کو تھوڑی دیر کے لئے چُپ کراؤ میرا پیپر ہے کل۔'' سامنے دونوں بچے اور ان کی پھوپھو صاحبہ زور زور سے گاتے پتہ نہیں کس فنکار کے ریکارڈ توڑنے میں مشغول تھیں۔ میرے دیکھتے ہی دوپٹہ منہ میں دابا۔ جیسے اب اسے ہضم کر کے ہی چھوڑے گی۔

''جی میں کیا منع کروں، بچے ہیں ان کا شوق ہے۔'' بے وجہ شرمانے کی بکواس ایکٹنگ کرتی وہ مجھے نیلا تھوتھا لگ رہی تھی۔ مجھے پتہ تھا کہ سب بے فائدہ ہے مگر ایک کوشش کرنے گیا تھا۔ بھلا ہو اس فوزی کا بچوں کو پتہ نہیں کیا کہہ کر خاموش کرایا۔

خیر پیپر او کھے سو کھے گزر ہی گئے۔ مگر میرے پڑوسیوں کے ساتھ بہت بُرا ہوا۔ کیا ہوا آیئے میں آپ کو بتاتا ہوں۔ ان کے گھر جنات کا بسیرا ہو گیا تھا۔

☆☆☆

بریڈز کوٹوسٹر سے نکال کر پلیٹ میں رکھا گیا چائے دانی ٹرے میں رکھی گئی چولہا بند کیا اور جوس کا جگ اُٹھا کر باہر آ گئی۔

''فوزی ذرا کچن سے ٹرے میں پڑا سامان تو لے آ'' شانو نے خوشامدی انداز میں فوزی کو کہا جو ناشتے کی ٹیبل پر پاؤں پسارے بیٹھی تھی۔

''بھابھی میرا تو ناچ ناچ کر بُرا حال ہے آپ خود ہی چلی جائیں۔'' فوزی نے جوس انڈیلا۔

''کیوں رات کو کس کے ساتھ ناچتی رہی ہو۔؟'' شانو نے بھی کس حملہ کیا۔

''رات کو نہیں بھابھی کل آپ کے بچوں کے ساتھ۔۔''

''ہاں تم ان بچوں کے ساتھ ہی ناچو گی ساری عمر۔نرگس کی نقال عورت۔'' دل میں خوب ساری سنا کر شانو خود ہی چلی گئی ٹرے باہر لائی اور بچوں کو بُلایا جو کسی پرانی ریل کے چنگاڑتے ڈراتے انجن کی طرح ہر رُکاوٹ پھاندتے۔

''آہستہ بچو۔یہ تیزیاں اور اناج کی بوریاں کی بوریاں کھا کر تم نے کون سے تیر مارنے ہیں۔'' دادی کو ان کا اس طرح طوفانِ بدتمیزی برپا کرنا ایک آنکھ نہ بھایا تھا۔

''کیا اماں آپ ہر وقت میرے بچوں کے پیچھے ہی پڑی رہتی ہیں۔کیا ہی کیا ہے انہوں نے۔'' بچے ماں کی شہ پر مزید پھیلے اور باپ دادی کے اُٹھانے سے پہلے ہی توس اور جوس اپنے گلاسوں میں ڈال چکے تھے۔شانو مسکراتی نظر اُتارتی دوبارہ اندر کی طرف بڑھ گئی۔ برتن سنک میں رکھے ہی تھے کہ ''تھڑک'' کی آواز آئی کسی چیز کے گرنے کی آواز۔شانو نے پیچھے مڑ کر دیکھا آواز کھڑکی کے قریب سے آئی تھی۔

''شاید کوئی بلی تھی۔۔'' دودھ کے گلاس اُٹھائے اور باہر آ گئی۔

''یہ لو میرے بچے دودھ کے گلاس۔'' بچے جوس اور توس پر تو پہلے ہی ہاتھ صاف کر چکے تھے اب دودھ کی باری آئی۔دادی للچاتی نظروں سے دیکھ ہی سکتی تھیں شانو کسی صورت ان کو دودھ نہیں دینے والی تھی۔

''اماں ہڈی۔۔'' ایکو نے حیرانگی سے دودھ کا گلاس ماں کے آگے کیا۔

''کیا۔۔ہڈی۔کہاں۔'' شانو نے اُلجھی نظروں سے دیکھا اور گلاس ہاتھ میں لیا گلاس میں ایک بوسیدہ سی ہڈی پڑی ہوئی تھی۔''یہ کہاں سے آئی میں نے تو نہیں ڈالی یہ تو صاف ستھرا تھا۔۔پھر۔۔ٹھہرو۔میں اور بنا لاتی ہوں ایکو اس عجیب الخلقت ہڈی کو ہی دیکھ رہا تھا باقیوں کی بھی نظریں اس ہڈی تک گئیں۔

''چلو جی یہ صحیح ہوا ان کو ہڈیاں ہی ملیں تو شاید ان کے دوزخ بھرنے ہوں۔'' دادی نے اپنے دل کی بھڑاس نکالی۔شانو نے ایسے دانت کچکچائے جیسے اپنی بوڑھی ساس کی ہڈیاں چبا رہی ہو۔اور سخت بدمزہ ہوں۔

''چلو جی بیٹا یہاں جلنے والے بہت۔دفعہ کرو یہ بھی کسی کی منحوس ہڈی ہو گی۔'' تیز نظروں سے ساس کو دیکھتے ہوئے تیکھے انداز میں شانو نے مُنّی کو دلاسا دیا۔

''دیکھا اصغرا پنی اس بیوی کو یہ مجھے منحوس کہہ رہی ہے۔'' دادی کو بہو کی یہ حرکت ایک آنکھ نہ بھائی۔ ان کو تو خیر یہ بہو ہی نہ بھاتی تھی ۔

''ارے بھئی ایک ہڈی سے شروع ہوئی بات اور کہاں سے کہاں پہنچائی جارہی ہے۔ آ گئی ہوگی کہیں سے۔'' فوزی نے جان چھڑائی دماغ بلبلا ہوئے جارہا تھا۔ شانو نے ہڈی کا بغور معائنہ کیا۔

''کسی بلی کی ہے۔نہیں کُتے کی۔ بلکہ یہ تو انسان کی ہے اُف خدایا۔ یہ تو کسی انسان کی ہڈی ہے۔'' شانو نے چیختے ہوئے ہڈی سامنے پھینکی جو عین ساس کے سامنے جا گری۔

''ارے نگوڑ ماری۔ میرے آگے کیوں پھینکی تمہیں پتہ تو ہے مجھے کتنا ڈر لگتا ہے۔'' اصغر نے سر پکڑا اور اس نے ہڈی اُٹھا کر باہر پھینک دی۔

☆☆☆

ایک دن شام کو اماں کسی محلے کے گھر تھیں اصغر اور شانو دونوں میکے گئے ہوئے تھے بچے گھر میں بیٹھے پڑھ رہے تھے کہ ان کو آہٹ سنائی دی۔ چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا کوئی نہ تھا۔ فوزی اندر آرام فرما رہی تھی۔ اس کے دو ہی شوق تھے۔ ایک انڈین ڈرامے اور دوسرے سونا اور گدھے' گھوڑے بیچ کے سونا۔ پھر ان کی توجہ سیڑھیوں کی طرف گئی اور چیخیں نکل گئیں، ایک لمبے کالے کپڑوں والی بدروح 'سیڑھیاں چڑھے چلے جارہی تھی۔ ''آؤ۔۔ میرے پاس آؤ۔'' ڈراونی 'خوفناک آواز میں کہتی اُوپر چڑھتی چلے جارہی تھی۔ اس سے پہلے بدروح چڑیلوں کی کہانیاں ہی سنی تھیں مگر اب یوں حقیقت میں بدروحوں کو دیکھ لینا۔ چیخ چیخ کر اودھم مچادیا' شور کی آواز سن کر میں دوڑ کر ان کے گھر گیا۔

''کیا ہوا بچو، کیوں چیخ رہے ہو۔''

''بھائی وہ بدروح ۔۔ اُدھر بدروح تھی۔ اُدھر اُدھر سیڑھیوں پر وہ ہمیں بُلا رہی تھی۔ آؤ۔ میرے ساتھ آؤ۔۔'' دونوں بچے زور زور سے رونے لگے۔ میں بھاگتا ہوا سیڑھیوں پر گیا اِدھر اُدھر دیکھا کُچھ نہ تھا۔

''نہیں تو چھت پر تو کُچھ بھی نہیں ہے۔'' بچے ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔

''بھائی ہم نے خود دیکھی تھی اس کے بڑے بڑے کان' لمبے لمبے خونی دانت' اور لمبا قد تھا۔ اس نے کالے کپڑے پہنے ہوئے تھے ۔ وہ یقیناً غائب ہوگئی ہوگی۔ اب وہ ہم کو کچا کھا جائے گی۔''

''چھوڑو تم لوگ ڈرو نہیں' کُچھ نہیں ہوگا۔ جب تک تم کے اماں ابا نہیں آجاتے میں تم لوگوں کے ساتھ ہوں' آپ کی پھوپھو صاحبہ کہاں ہیں کیا کسی انڈین سوپ کی ایک ہزارویں' پانچ سو اڑتالیسویں قسط دیکھ رہی ہیں۔؟''

''نہیں تو وہ تو سو رہی ہیں۔۔'' جنفی نے جواب دیا۔

''اچھا تو یوں کہو ناں۔ ونٹر ہابرنیشن پر ہیں (ونٹر ہابرنیشن' کیڑے مکوڑوں کی نیند کو کہتے ہیں جو وہ سردیوں میں پوری کرتے ہیں اور ساری سردیاں گاڑے کیچڑ اور زمین کی نچلی تہ میں گزارتے ہیں اور کسی کی کوئی خبر نہیں ہوتی)''

''کیا بھائی۔۔''بچوں کو سمجھ نہیں آئی تھی۔

''نہیں کچھ نہیں بچو تمہاری پھوپھو کی تعریف کر رہا تھا۔''

پھر جب انکے اماں ابا آ گئے تو میں اپنے گھر چلا آیا۔ پھر تو ہر روز نئی نئی خبریں سننے کو ملنے لگیں۔ کہ کبھی ان کے ہاں چیزیں خود بخود گر جاتیں' کبھی فریج کی چیزیں اُلٹی ہوتیں 'جو شانو آرام سے ساس کے متھے لگا دیتیں کہ یہی یہ کرتی ہوں گی۔ کبھی کمرے کی چیزیں بکھری ہوتیں' کبھی باتھ روم کا نلکا خود بخود کھل جاتا اور باتھ روم پانی سے بھر جاتا۔

ایک دن اصغر صاحب اخبار پڑھ رہے تھے کہ پتہ نہیں کہاں سے خون کے قطرے اخبار پر آ گرے۔ ان کو مزید خوف زدہ کر دیا۔ ایسے بہت سے واقعات نے ان کو سہا دیا تھا ہلکی سی آہٹ پر بھی سب ڈر جاتے۔ ایک دن شور کی آوازیں آ رہی تھیں۔ شانو کی مہنگی ترین لپ اسٹک سے اس کے آئینہ پر کسی نے نقش ونگار بنا دیئے تھے۔ اور وہ ساس کے ساتھ ساتھ بدروحوں کی شان میں قصیدے پڑھ رہی تھی۔ مگر پھر بھی محدود انداز میں' کیوں کہ ان کو اندازہ ہو گیا تھا کہ بدروحوں کی حرکتیں بڑھتی چلی جا رہی ہیں اور یقیناً کسی دن کسی انسان کو بھی نقصان پہنچا سکتی ہیں۔

''جاہل عورت چائے بھی نہیں بنانی آتی کیا۔''اصغر غصہ سے لال پیلا ہوا چلا جا رہا تھا۔

''کیوں میرے لاڈلے بیٹے۔ اب پتہ چلا تم کو اس وقت کو تم نے میری ایک نہ سنی اب بھگتو۔''دادی مزے لینے لگیں۔

''کیا ہوا اصغر اتنی اچھی تو ہے۔''شانو کو تو تعریفیں سننے کی عادت تھی تو یہ کیا ہوا۔

''خاک اچھی ہے سارا نمک گھول کر رکھ دیا ہے تم نے''

''نمک نہیں میں نے تو چینی ڈالی تھی۔''شانو انجان بن گئی۔

''ہاں ہاں میرا بچہ جھوٹ بول رہا ہے سارے جہاں میں سچی تو تم ہو سچی ساوتری۔ تھکا ہارا کام سے آتا ہے اور یہ تو آگے سے پیڑی بوتھی۔ اپنے جیسے کھانے کھلاتی ہو تم اس کو طیش کیسے نہ آئے ایسی بیویاں تو شوہر دولھوں کے لئے نہیں رکھتے۔''اماں نے بھی تیز زہر میں ڈبو کر رکھے ہوئے تھے۔

''دیکھا دیکھا کیسے یہ آپ کو میرے خلاف بڑھکا رہی ہیں۔''شانو نے مگرمچھ کے آنسو پونچھے۔ اور چائے اُٹھا کر منہ سے لگائی اور ایک زوردار اُبکائی سے ساری چائے باہر پھونک ڈالی۔ چائے آدھی سامنے آدھی اماں پر اور آدھی فرش بوس ہوئی۔

''ارے دیکھا ہائے جلا ڈالا ارے اصغر میں کہے دیتی ہوں' اس کا بس نہیں چلتا بدروح کی کارستانی کہہ کر یہ مجھ معصوم کو آگ ہی لگا دے۔ اس کے ہوتے ہوئے میری جاں سلامت نہیں۔''

''کاش یہ نیک کام بدروح کر ڈالے تو ہر ایک ساس والی اپنے گھر میں بدروحوں کو لازماً بلائے۔''شانو نے دانت رگڑے۔ اور

کچن میں چلی گئی چینی نمک کے ڈبے کھولے اور بے اختیار اپنے سر پر ہاتھ مارا۔نمک چینی میں اور چینی نمک میں مکس ہوئے پڑے تھے اور غور سے دیکھنے اور چکھنے سے ہی محسوس ہوتے تھے۔

''اماں یہ نمک اور چینی کس نے مکس کیئے۔''عدالت سج گئی۔

''دیکھا اصغر، دیکھا میں نہ کہتی تھی یہ ہو نہ ہو مجھ پر ہی الزام لگائے گی اور اگر تو نہ ہوتو یہ تو مجھے روٹی میں اچار کی طرح لپیٹ کر کھا جائے۔''

''میں نے اپنے آپ کو بد ہضمی نہیں کرانی اماں۔اور یہ اس عمر میں آپ کو کیا ثواب ملتا ہے سازشیں کر کے۔'' بچے محظوظ ہو رہے تھے اصغر چپ چاپ بیٹھا تھا اس کو اندازہ تھا کہ اس میں کسی کی بھی سائیڈ لینا خود اس کے لئے کسی طور پر فائدہ مند نہیں ہوگا۔

''ارے بول اصغر۔۔تو۔ٹھا کر کے لگا ایک جوتی۔اس کے بوتھے تے۔اللہ یہ سب دیکھنے سے پہلے میں اُٹھ کیوں نہیں گئی۔۔''

''ہاں کاش اللہ آپ کی یہ بات آپ کی آخری خواہش سمجھ کر پوری کر دے۔''شانو نے گُت کو لپیٹا اور کچن کی طرف مڑ گئی۔

ان تمام واقعات کے ہونے سے یہ ظاہر ہوا کہ کسی شریر جن یا پھر کسی جنات کی قوم کا بسیرا ہو گیا ہے یہ بات محلے کو عورتوں نے پھیلائی۔اب کے تو دہشت اور خوف میں اور اضافہ ہوا۔

''ارے اماں۔۔یہ بدروحیں گلے کاٹ ڈالتی ہیں اور سارا خون نچوڑ کے پی جاتی ہیں ہڈیاں تک مڑ ور جاتی ہیں۔ابھی تو سردیاں بھی آنے کو ہیں۔آپ نے وہ واقعہ تو سنا تھا ناں،ایک ماں کے دو بیٹے تھے۔ لڑنے پر ماں نے ان کو کمرے سے باہر نکال دیا' ایک کہیں اندر چھپ گیا اور دوسرا باہر ہی رہا۔رات کو کسی پہر کوئی بدروح آئی اور بچہ اس کو دیکھ کر چیخا ماں۔۔ماں۔۔بدورح۔چڑیل۔یہ مجھے کھا جائے گی۔مگر ماں نے اس کی ایک نہ سنی اور صبح جب باہر گئی تو اس کے بچے کی ہڈیاں مڑوری ٹوٹی ہوئی پڑی تھیں۔'' اماں اثبات میں سر ہلاتی جاتیں اور خوف سے تھر تھر کانپتی جاتیں۔

''اور اماں بدروحیں ایک بار آجائیں تو وہاں سے صفایا کر کے ہی جاتی ہیں۔''

''کچھ بدروحوں کو بوڑھے بہت اچھے لگتے ہیں۔ان کو تو ساتھ ہی لے جاتی ہیں۔''

''کاش یہ نیک کام بدروحیں کریں بچی ساری عمر دُعائیں دوں گی۔''شانو چڑیل سے یہ ایگریمنٹ کرنے کو بھی تیار تھی۔

''اماں گھر میں کوئی قرآن خوانی کرالو۔کسی بابے کو دکھاؤ۔ہوسکتا ہے کہ جنات بھاگ جائیں۔''یہ بات معقول تھی۔اماں نے فوراً قرن خوانی کرائی میٹھے چاول پکا کر محلے میں بانٹے۔اور ایک ''پہنچے ہوئے بابا'' کو بھی بُلالیا گیا۔جو لگتا تھا کہ عنقریب اللہ کے پاس پہنچ جائیں گے۔

''ان کو تو بدروح ایک جھٹکا دے تو پتہ نہ چلے۔روح کدھر گئی۔یہ کیا بدروح کو بھگائیں گے۔۔''شانو نے بابا کی حالت دیکھتے ہوئے افسوس سے سر ہلایا۔

''بڑے سخت جنات ہیں مجھے بڑی مشکل پیش آرہی ہے۔مجھے یہ بار بار کہہ رہے ہیں چلا جا یہاں سے چلا جا۔۔مگر میں تم لوگوں کو

ان کی نحوست سے نجات دلا کے چھوڑوں گا۔''

''مگر یہ ہیں کہاں ہمیں تو کوئی آواز نہیں آرہی۔''شانو نے کہا۔

''یہ آواز صرف ہم کو آتی ہے بچہ۔وہ کہتا ہے کہ اس گھر میں اس کے بچوں کو کسی نے مار ڈالا ہے اب وہ اور اس کی بیوی چڑیل مل کر اس گھرانے کو مار ڈالیں گے۔''

''تو ایسی جگہ اس نے رکھے ہی کیوں تھے اپنے بچے کو کوئی مار کے چلا گیا۔''فوزی کی اپنی منطق تھی۔

''کیا۔۔ارے تو آپ کو کس لئے بُلایا ہے۔آپ کچھ کریں ناں۔''

''اماں اس کے لئے ایک کالا بکرا اور بیس ہزار چاہیے ہوں گے،بڑے سخت جنات ہیں،جان کا خطرہ ہے۔۔''عامل بابا کے نخرے

۔

''ہاں ہاں میں لا دیتی ہوں۔آپ عمل شروع کریں۔مگر آپ کالے بکرے کا کیا کریں گے۔۔''

''کھا کر جان بنائیں گے۔۔''شانو منہ میں بڑبڑائی۔

''میں یہ لے جا کر گیارہویں میں پکاؤں گا۔جنات کالی چیزوں سے دور بھاگتے ہیں۔''

''مگر دادی جن تو خود کالے ہوتے ہیں پھر وہ کالی چیزوں سے کیوں ڈرتے ہیں۔''مِنی نے اپنے دماغ کو رگڑا۔

''ارے میری چھوٹی پوتی۔تم کیا سمجھو۔۔''دادی نے بابا کو پیسے پکڑائے۔''یہ لیں بیس ہزار ہدیہ اور دس ہزار بکرے کے۔۔''

''خود کبھی بڑی بی نے مجھے تو سونگھنے بھی نہ دیئے۔جان پر بنی تو کیسے پیسے لٹا رہی ہیں۔''بابا نے پیسے پکڑے۔

''اب یہاں کوئی جن نہیں آئے گا۔دیکھنا اگر پھر بھی کوئی شکایت ہو تو بلا جھجک مجھے بتا دینا۔''

بابا صاحب چلے گئے'معاملہ رفع دفع ہوا۔کچھ دن آرام سے گزرے سب نے شکر ادا کیا بلا ٹلی۔مگر یہ سکون وقتی ثابت ہوا۔

☆☆☆

ایک رات اماں کو حاجت ہوئی۔واش روم جانے کے لئے باہر نکلیں کیوں کہ گاؤں میں واش روم زیادہ تر علیحدہ بنائے جاتے ہیں۔ راستے میں ہی تھیں کہ تھڑپ سے درخت سے ایک مُردہ عین ان کے آگے آ کر گرا۔دادی کی سانس رُک گئی۔

''بچاؤ۔''بھاگتی دادی'راستے میں پڑی لکڑی سے ٹکرا گئیں۔اور گر گئیں۔شانو اور اصغر نے شور کی آواز سنی تو باہر لپکے۔دادی کو سنبھالا اِدھر اُدھر کوئی نہ تھا۔

''ابھی ابھی ادھر ایک میت پڑی تھی درخت سے گری تھی میں سچ کہتی ہوں میں نے خود دیکھا ہے۔۔''دادی کی ہچکی بندھ گئی۔

''اماں کہیں عزرائیل تو نہیں دیکھ لیا۔''شانو نے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی۔

''ارے عزرائیل دیکھیں میرے جانی دُشمن میری ابھی بھلا کہاں جانے کی عمر ہے۔''دادی کو اندر لایا گیا۔گھٹنوں پر چوٹ لگی تھی شانو نے گرم ہلدی سے ٹکور کی کچھ سکون ملا تو نیند میں چلی گئیں۔مگر نیند میں بھی مسلسل بڑبڑاتی رہیں۔''بدروح۔موت۔میت۔۔بھوت۔

''شانو نے اصغر کو دیکھا اصغر علیحدہ پریشان تھا، بیٹھے بیٹھے کیسی مصیبت گلے پڑ گئی تھی۔ فقیر بابا سے پھر رابطہ کیا گیا۔ انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ یہ کوئی بہت ہی خطرناک قسم کے بدروحیں ہیں ان کا وہ کچھ نہیں بگاڑ سکتے لہذا کسی اور سے رابطہ کریں۔

ایک اور واقعہ نے مزید رونگٹھے کھڑے کر دیئے دادی جان چارپائی پر کھڑی سردیوں کے لئے نکالے گئے لحاف سیدھے کر رہی تھیں کہ اچانک ان کا ہاتھ کسی چیز نے زور سے کاٹ ڈالا۔ دادی چیختی ہوئی دروازے کے بیچوں بیچ گریں۔

''بھوت۔۔بھوت ارے کوئی مجھے بچاؤ۔ مار گیا مجھے مار گیا۔۔علی۔ سلمیٰ۔۔''ان کے گھر میں کوئی نہ تھا دادی مجھے پکار رہی تھیں میں بھاگتا ہوا ان کے گھر پہنچا امی بھی میرے پیچھے پیچھے وہاں پہنچ گئیں۔ دادی کی ہاتھ کی انگلی سے خون بہہ رہا تھا میں نے فوراً ایک کپڑا پھاڑا 'اور ان کو آرام سے بٹھا کر انگلی پر کس کے لپیٹا۔ امی نے ان کو پانی پلایا اور تسلی دی۔ بہو کہیں باہر گئی ہوئی تھی واپس آئی تو وہ بھی پریشان ہو گئی میں نے کمرے میں گھوم کر دیکھا۔ کہیں کسی جن بھوت کے آثار دِکھائی نہ دے رہے تھے۔ چھت کی طرف دیکھا اور دادی سے پوچھا۔

''دادی آپ کھڑی تھیں اور آپ نے ہاتھ اُوپر کیا تھا۔۔''

''ہاں بیٹا میں لحاف سیدھا کر رہی تھی کہ نجانے کدھر سے ایک بدروح آئی اور میری انگلی کاٹ گئی۔''

''بس اماں بہت ہوا۔ اب ہم اس گھر میں ایک پل بھی نہیں رہیں گے ہم صبح ہی اس گھر سے جا رہے ہیں۔

''ارے شانو یہ اس مسئلہ کے حل نہیں ہے۔''میری امی نے ان کو سمجھانے کی کوشش کی۔

''مسئلہ کا حل ہو یا نہ ہو میں آج ہی سارا سامان اُٹھواتی ہوں ہم کہیں اور رہ لیں گے کم از کم سلامت تو رہیں گے ناں۔ ہم ان جنات سے مُقابلہ نہیں کر سکتے۔'' شانو کا فیصلہ اٹل تھا۔ اور دادی نے بھی اثبات میں سر ہلایا۔ اصغر کو بھی قائل کر لیا گیا اور تیسرے دن وہ لوگ ہم سے ملتے' روتے' دھوتے وہاں سے چلے گئے۔

ان کے جانے کی سب سے بڑی خوشی آپ جانتے ہیں کسے ہوئی۔ ہاں بالکل۔۔۔

☆☆☆

ہاں میں تنگ تھا ان سے مگر پیپر کے دنوں میں جو انہوں نے میرے ناک میں دم کیا۔ وہ صرف میں ہی اور میرا اللہ ہی جانتا ہے۔ میں نے بہت سوچ بچار کی۔ بڑے تھے' ان سے کیسے دوٹوک بات کر پاتا جبکہ محلے کے مرد' ان کے یہاں قیام پر بہت خوش تھے۔ میں دماغ لڑایا اور ایک آئیڈیا میرے دماغ میں آیا۔ اب باری باری میں ان واقعات میں اپنی چالا کی بتاتا ہوں آپ کو۔

ہڈی کا ملنا کوئی مُشکل بات نہ تھی کہ یہاں قدم قدم پر ہڈیاں بکھری پڑی ہوئی ہیں۔ ایک عجیب سی ہڈی مجھے راستے سے ملی تو دماغ میں آیا کہ اس کو آزمایا جائے۔ کچن کی پچھلی کھڑکی کھلی ہوتی تھی اور ہمارا گھر ان کے گھر سے جُڑا ہوا تھا۔ میں نے سامنے دیوار کے پرے آکر جائزہ لیا کہ آخر اس ہڈی کا کیا کروں۔۔؟ کچن میں شانو کام کرتی نظر آئی۔ میں نے فوراً ہڈی کھڑکی سے کچن میں پھینک دی۔ آگے اس ہڈی کے ساتھ کیا ہوا آپ جانتے ہیں۔

اخبار پر خون کے قطرے۔ جی ہاں یہ بھی بہت آسان تھا۔ گرمیوں میں آپ لال شربت کا استعمال تو کرتے ہی ہوں گے۔ بس

میں نے اسی سے کام لیا اور اس کو بچوں کے پانی والے پسٹل میں ڈال کر اخبار پر داغ دیا۔ جلدی اور خوف میں خون سمجھ کر پھینک دی گئی۔

چینی نمک ملانا، نلکے کھلے چھوڑ دینا، کنکر مار کر چیزیں گرا دینا، آئینہ پر لپ اسٹک مل دینا اور ایک دفعہ فریج میں پڑی چیزیں اور لحاف وغیرہ بکھیر آیا۔

بابا نے آ کر میرے واقعات کو مزید سچائی اک رنگ دیا۔ وہ کوئی جعلی بابا تھا جس نے ان سے اچھے خاصے پیسے بٹور لیئے۔ کہتا تھا کہ بہت خطرناک جنات ہیں۔ تو میری ہنسی نہ رکتی تھی۔

بچوں کو ڈرانا کوئی مشکل نہ تھا ایک امی کا بڑا اسا بُرقعہ موجود تھا۔ جب دیکھا کہ بچے گھر میں اکیلے ہیں، میں نے چھت سے چھت پر مار کیا اور سیڑھیوں پر آ کر چڑیلوں کی طرح موٹی آواز کر کے صدا

لگانے لگا۔ بچوں نے باقی جو لمبے لمبے کان، خونی دانت اور جو کچھ کہا، ان کی اپنی imagination تھی۔

بوڑھی اماں کو رات میں ڈرانے کے لیئے درخت پر چڑھ کر بیٹھ گیا کہ کب نکلیں اور میں حملہ کر ڈالوں، اور میرا انتظار اتنا طویل ثابت نہ ہوا اور جب وہ باہر نکلیں سفید کپڑے پہنے اور دوپٹہ لپیٹے میں نے انکے آگے چھلانگ لگا دی۔ اور پھر آپ جانتے ہیں۔

ہاں آخری واقعات میں جو ہاتھ کٹا وہ دادی کی اپنی لاپرواہی تھی انہوں نے ہاتھ اُوپر کیئے۔ وہ بھی چارپائی پر کھڑے ہو کر تو ہاتھ پنکھے کو چھو گئے ہاں جی۔ اسلیئے دادی سے ہاتھ اُوپر کرنے کا پُوچھا تھا۔ مگر انہوں نے اس کی منطق نہیں سوچی۔

محلے کی عورتوں نے بہت سی جھوٹی خبروں کے پھیلانے میں میرا بہت ساتھ دیا۔ پتہ نہیں، کہاں کہاں سے سچے جھوٹے واقعات لا کر دادی کی حضور پیش کرتیں جو ان کے دماغ میں نقش ہو گئے اور خوف نے کچھ سوچنے کے قابل نہ چھوڑا۔

مردوں کے دل پریشان ہوئے اور عورتوں نے شکرانے کے نفل پڑھے۔

اور اس طرح میرے مضموم ارادے پایہ تکمیل کو پہنچے۔ اب نیند تھی اور میں تھا۔

☆☆☆

ایک دن میں اپنے کمرے میں کمرے میں اُوندھا لیٹا تھا کہ الماری سے کتابیں نیچے جا گریں۔ میں اُٹھا ادھر اُدھر دیکھا کوئی نہ تھا کتابیں اُٹھا کر دوبارہ الماری میں رکھیں۔ مڑا تو دوبارہ گر گئیں۔

''ایک تو ان کتابوں کو آرام نہیں آتا۔۔'' میں جھنجھلایا۔

باہر امی پکار رہی تھیں۔

''بیٹا۔ علی یہ دیکھو ہمارے کچن میں دیواروں پر خون ہی خون ہے۔''

اور میں حیران کھڑا تھا۔ لب سیئے۔ کبھی کتابوں کو دیکھتا اور کبھی امی کی آواز پر کان دھرتا۔۔

۔۔۔مکمل۔۔۔
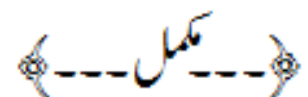
ناول ☆زندگی کانچ کا کھلونا☆

(حصہ سوم)

تحریر: ساریہ چوہدری

پارس حسن آفریدی ڈاٹر آف شمائل حسن آفریدی ایف ایس سی پری میڈیکل ......ساری کلاس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

سکائی بلیو اینڈ وائٹ شارٹ شرٹ وائٹ جینز سکائی بلیو اور وائٹ دوپٹہ جو گلے میں تین چار بل دے کے لٹکایا گیا تھا آگے سے تھوڑے بال چھوڑ کر سر کے اوپر سکائی بلیو چھوٹا سا کیچر لگایا گیا تھا پھر سب بالوں کو وائٹ پونی سے باندھا گیا تھا شولڈر سے کچھ نیچے آتے بلیک سلکی بال کانوں میں سکائی بلیو اور وائٹ چھوٹے سے ٹاپس تھے گلے میں ان سے میچنگ نیکلس تھا بازو پہ بندھی گھڑی بھی سکائی بلیو اور وائٹ تھی پاؤں میں پہنی چپل بھی سکائی بلیو اور وائٹ تھی ....مطلب اسنے اک اک چیز میچ کر کے پہنی تھی انداز اتنا شاہانہ تھا کہ استاد بھی سوچ کر بول رہا تھا۔

مارکس----؟؟؟

ون تھاؤزینڈ اینڈ ٹونٹی..........اب کی بار صیح معنوں میں جھٹکا لگا تھا پوری کلاس کو وہ پروفیسر جمشید......

آر یو شیور؟؟ پروفیسر بے یقین تھے

میرے بابا نے جھوٹ بولنا نہیں سکھایا..............اسنے مارکس شیٹ سر کے سامنے رکھ دی تھی جواب ہی ایسا آیا تھا سر چپ سے ہو گئے تھے..................مارکس شیٹ پہ نمبر 1020 ہی تھے سر متاثر ہو گئے تھے

پھر آپ میڈیکل لائن میں کیوں نہیں گئیں..............شمائل صاحب کی بیٹی ہیں آپکو تو باہر جا کر پڑھنا چاہیے تھا..................

ہر کسی کا ایم ہوتا ہے اور میرا ایم مجھے اسی لائن میں لایا مجھے کسی مجھے کسی کو سولی پہ لٹکانا ہے اور خود اپنے ہاتھوں سے لٹکانا ہے ....اسنے ہاتھ سامنے کر کے کہا تھا حیرت در حیرت لڑکی عجیب ہی نہیں عجیب تر تھی۔

اس سے پہلے مجھے کیس لڑنا ہے، دلائل دینے ہیں گواہ پیش کرنے ہیں پروف چاہیئں اور وہ میں بذات خود سب ہوں اور مجھے خود سب کرنا ہے اس لیئے ....

کیا آپکو نہیں لگتا آپ ٹائم ویسٹ کریں گی؟؟؟

سر آپکو نہیں لگتا اپنا ایم بھول جائیں تو لائف ویسٹ ہو جاتی ہے......اسنے اسی انداز میں جواب دیا تھا

مگر آپ کوئی سٹرونگ کوئی پاورفل ایم چوز کر سکتی ھیں..................

سر انسان کمہار ہو تو لوہا کیسے کوٹے ؟؟؟ کلاس کے چہروں پہ مسکراہٹ رینگ گئی تھی سر بھی بے ساختہ ھنسے تھے عجیب ہو پارس حسن..................انہوں نے بیٹھنے کا اشارہ دیا تھا عجیب نہیں سٹریٹ فارورڈ ہوں..........پھر جواب دینے سے ناز نہیں آئی تھی..................سر کو لڑکی اچھی لگی تھی......چلیں جی سب سے انٹرویو چکا با قاعدہ کلاس کل سے ہو گی..........سر چلے گئے تھے اور وہ اپنی چیزیں اٹھاتی باہر نکل آئی تھی بہت سے سٹوڈنٹ جو دوستی کی آفر دینے کا سوچ بیٹھے تھے دیکھتے رہ گئے تھے..................

آج یونیورسٹی میں ایل ایل بی کی کلاس کا پہلا دن تھا وہ بلکل بھی نہ نروس تھی نہ پریشان بلکہ بڑے پر اعتماد سے اکیلی ہر طرف گھوم رہی تھی اسنے بڑے مزے سے اکیلے ہی پوری یونیورسٹی گھوم لی تھی..........اگلے ہی چند دنوں میں اسکی بے نیازی اور مغروریت کے چرچے پوری یونیورسٹی میں پھیل گئے تھے..........مگر اسے غرض تھی تو پڑھائی سے باقی وہ نہ کسی سے بات کرتی نہ کچھ سنتی اسنے کسی لڑکی کو بھی دوست نہیں بنایا تھا

اسے بس اپنا مقصد یاد تھا اور اسکے سوا وہ کچھ بھی یاد نہیں رکھنا چاھتی تھی..........

☆☆☆

تمہیں کیوں لگا کہ وہ گڑیا ہے؟؟ ھارون اور رخما دونوں حیران تھے اور ساکت بھی اک گڑیا کا یوں سامنے آ جانا اور پھر شائل حسن آفریدی کی بیٹی ہونے کا دعوی..........شائل آفریدی نہ صرف معروف بزنس مین تھے بلکہ قومی اسمبلی کے ممبر بھی تھے اور بڑے عادل انصاف پسند جج بھی رہ چکے تھے ان سے کون واقف نہیں تھا۔

بھائی ایم شیور..................میں دھوکہ نہیں کھا سکتی وہ گڑیا تھی اور سب سے بڑی پہچان اسکی انگلی میں وہ نفیس سا چھلا ہے جس پہ زرمینہ حسن لکھا تھا بہت چھوٹا مگر اسنے اپنی چوٹی انگلی پہ آگے پہن رکھا تھا مجھے آج بھی یاد ہے وہ انکل نے زرمینے آنٹی کو دیا تھا اور بعد میں وہ گڑیا پاس تھا..................ثمرہ اپنی بات پہ اڑی تھی۔

نہیں یار جب اسکے پیپروں پہ شائل حسن آفریدی لکھا ہے تو پھر وہ گڑیا نہیں ھوسکتی..........میں نہیں مانتا چھلا ہونا کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہے صرف چھلے کی بنا پر ہم اسے گڑیا حسن نہیں مان سکتے اور پھر اتنے بڑے آدمی کی اولاد..........نہ یار لاوارث نہں ھوسکتی..................وہ ماننے کو تیار ہی نہیں تھا

بلکل ثمرہ ہارون ٹھیک کہہ رہا ہے..................

مگر بھائی اسنے یہ بات کیوں کی کہ مجھے کسی کو سولی پر لٹکانا ہے اور ان ہاتھوں سے لٹکانا..........اور ان ہاتھوں سے لٹکانا ہے یہ

میرا ایم ہے......اب کی بار وہ حقیقتاً چونک اٹھے تھے...................

تم نے اس سے دوستی کرنی تھی بات کرنی تھی یوں باتوں باتوں میں جان لیتا ہے بندہ............ھارون نے مشورہ دیا تھا

بھائی وہ کسی سے بات نہیں کرتی دوستی تو دور کی بات ھےوہ بڑی اکڑ والی اور مغرور لڑکی ہے اپنے آپ میں اپنی ذات میں مقید رہنے والی............

ھمم چلو دیکھتے ھیں............پتہ کرتا ہوں میں اسکا تم پریشان مت ہو۔

☆☆☆

رابرٹ شلرا اپنے پندرہ اراکین اور بیٹے کے ساتھ چرچ گیا تھا ابھی واپس لوٹا تھا پارس موسیقی کی آواز پہ باہر نکلی تھی

وہ عزم و ہمت کے دھنی ہیں

وہ شاہینوں کی طرح

اپنی پرواز کا آغاز کرتے ہیں

اور بلندیوں تک جا پہنچتے ہیں

بلند پروازی

ان کا شغف

اور ان کا مقصد حیات بن جاتا ہے

اور کامیابی و فتح یابی

ان کا طرہ امتیاز ہوتا ہے

خاص اسکاٹش گیلک میں اک سر اک آواز وہ کھڑے پڑھ رہے تھے چونکہ پارس اسکاٹ لینڈ جاتی رہتی تھی سو فورا سمجھ گئی تھی الفاظ کیا تھے مگر اتنی عقیدت اور احترام سے کیوں؟ کیا خاصیت تھی حالانکہ پارس کو یہ عام سے الفاظ لگے تھے۔

انکل یہ الفاظ کیسے تھے؟؟؟ پارس نے الجھن دور کرنے کے لئے پوچھا تھا

بیٹا یہ نغمہ یسوع ہے اسے بڑے عقیدت اور احترام سے پڑھا جاتا ھے دیکھا نہیں کتنا سوز اور کتنا سکون تھا وہ بڑے جذب سے مسکرا کر بولے تھے آپ نے انجیل مقدس پڑھ لی ھے؟؟؟ انہوں نے کچھ............انہوں نے کچھ سوچ کر سوال کیا تھا

جی انکل کل ہی ساری پڑھ لی تھی.....................

انکل اگر میں آپکو کچھ سناؤں تو؟ جس میں ان الفاظ سے زیادہ سکون مٹھاس اور عقیدت ہو تو؟؟؟ پارس کچھ دیر بعد بولی تھی

اپنامذہب بتاناچاہ رہی ھیں؟؟؟پارس انکےانداز ے پہ حیران تھی

انکل جب میں آ پکی بک پڑھ لی ہےتو آ پ سن لیں گےتو کیاہو جا یئے گا؟؟؟

او کے چلو سناؤ آ پ..................

اک میں ہی نہیں ان پر قربان زمانہ ہے

کچھ آ واز کا جادو کچھ لفظوں کی تا ثیر تھی سبھی متوجہ ھو ئے تھے

جو رب دو عالم کا محبوب یگانہ ہے

آ ؤ در زہرہ پہ پھیلا ئے ہو ئے دامن

ہے نسل کریموں کی لجپال گھرانہ ہے

رابرٹ سر دھننے لگے تھے انہیں حقیقتا مزا آ رہا تھا

سو بار اگر تو بہ ٹو ٹی بھی حیرت کیا

بخشش کی روایت میں تو بہ تو بہانہ ہے

محروم کرم اسکو رکھے نہ سر محشر میں

جیسا ھےنصیر آ خر سائل تو پرانا ہے۔

عزت سے مر جا ئیں یوں نام محمد ﷺ پر

کہ ہم نے تو یوں بھی اک دن دنیا سے تو جانا ہے

اک میں ہی نہیں ان پر قربان زمانہ ہے

واہ زبردست کیا کہنے............وہ رابرٹ انکل کی بات پہ ہو لے سے مسکرا دی تھی

انکل یہ نعت ہےمیرے نبی کی تعریف اس کے ختم ہو نے پہ ہم سبحان اللہ کہتے ھیں............................

اووووو......سوری سبحان اللہ..................آ واز بھی بیسٹ اور جو پڑھا وہ بھی لطف آ یا ہے سرور سا آ گیا..................وہ

گیلک بول رہے تھے پارس مسکرادی تھی..............................

آ ؤ کھانا کھاؤ گی..........؟؟ کھانے کی ٹیبل کی طرف بڑھتے انہوں نے دعوت دی کھانے کی ٹیبل کی

نو تھنکس انکل آ پ کھا ئیں میں روزے سے ھوں..........پارس کے جواب پر وہ چونک کر مڑے تھے

اتنی گرمی میں.....................افففففف......................کوئی ضروری تھا؟

نہیں تو..................بس عادت سی بن گئی ہے..................کچھ پانے کے لیئے کچھ کھونا تو پڑتا ہے نا........

کیا مطلب؟؟؟وہ نا سمجھی سے تکنے لگے تھے

کچھ نہیں انکل آپ کھانا کھائیں پھر تفصیل سے بات کریں گے...........کھانا ٹھنڈا ہورہا ہے پارس انکی توجہ کھانے کی طرف مبذول کرواتی اندر کی طرف بڑھ گئی تھی...........وہ کھانے کی طرف........

☆☆☆

وہ آج تین دن بعد یونیورسٹی آئی تھی مگر یہاں آکر پتہ چلا یونیورسٹی میں دو تنظیموں کے درمیان جھگڑا ہونے کے باعث دو دن سے یونیورسٹی بند تھی اسکی کسی سے دوستی نہیں تھی جو علم ہوتا...........آج بھی آتے ہی کوئی جھگڑا ہو گیا تھا پارس حسن لائبریری میں تھی جب شور اور فائرنگ کی آواز پہ وہ باہر آئی تھی تمام سٹوڈنٹس ادھر ادھر بھاگ رہے تھے شاید پھر سے کچھ ہو گیا تھا پارس بھی گھبرا کر ان کی جانب آگئی تھی جہاں کچھ لڑکے دائرے کی صورت میں کھڑے تھے انکے بیچ اک لڑکا کھڑا تھا جسکے ہاتھ پیچھے کی

طرف بندھے تھے چہرا ضبط سے لال ہو رہا تھا پارس حیرانگی سے دیکھنے لگی تھی تھوڑی آگے بڑھی تھی

اب بھی اچھلو...........بڑے شاہ رخ اور سلمان خان بن رہے تھے اب بھی بن کے دیکھاؤ ہیرو...........ان دس بارہ لڑکوں میں سے اک لڑکا جسکے سر پر ہیٹ تھا وائٹ شرٹ پہنے جس پر کنگ لکھا تھا غصے سے دھاڑا۔

تجھے کہا تھا ہم لوگوں کے بیچ مت آنا یہ ہمارا مسئلہ تھا تم نے اچھا نہیں کیا..................

تم لوگ غلط تھے زیادتی کر رہے تھے میں زیادتی برداشت نہیں کرتا..................تم لوگ یہاں پڑھنے آتے ہو..........اور تعلیم یہی سیکھاتی ہے جو سلوک تم اپنے لئے برداشت نہیں کرتے کسی سے بھی مت کرو...........محض دکھ اور حسد کی وجہ سے تم لوگ اس کو مارنا چاہ رہے ہو مجھے زیادتی لگی سو بول پڑا...........وہ صاف گوئی سے بولا تھا..................

ہاں تو ٹھیک ہے اب وہ نہیں تو تم سہی..................ہمدردی بنے بندہ تو اتنا تو کرنا پڑتا ہے نا...........اس لڑکے نے پینٹ سے بیلٹ نکالتے ہوئے کہا تھا..................لبوں پہ مکار سی مسکراہٹ تھی

یہ کیا ہے سب؟اور پوری یونیورسٹی کھڑی ہے چپ کیوں؟پارس نے پلٹ کر نزدیک کھڑی اپنی کلاس فیلو سے پوچھا تھا

ہمدردی ہی کی تھی اس نے بھی کل اک بے گناہ کی جان بچائی تھی...........حال نہیں دیکھ رہی اسکا........بہت پیٹا اسے اور آج پھر..................چچ..................لڑکی دکھ سے بولی تھی........

مگر یہاں ہر کوئی اپنی جان کی فکر میں ہے ہمدردی مہنگی پڑتی ھے..................یہ کمینے اس بیچارے کو ہسپتال سے اس حالت

میں اٹھالائے ہیں..............افسوس ہم کچھ نہیں کر سکتے..............دوسری لڑکی بھی افسوس سے سرنفی میں ہلانے لگی تھی

تو وی سی.......پروفیسر..............سب کدھر ہیں؟؟؟پولیس کو بلوالیں پارس ابھی بھی حیران تھی

افففف مس پارس موت سے کون محبت کرتا ہے..............زندگی سبکو عزیز ہوتی ہے..............ویسے بھی..............وہ

لڑکی ابھی بات کر رہی تھی جب چیخ کی آواز آئی تھی پارس سمیت سب نے دیکھا تھا اس لڑکے نے بیلٹ گھما کے مارا تھا دوسرا

لڑکا دوہرا ہو گیا تھا اک ساتھی نے ہوائی فائرنگ کی تھی سبھی سٹوڈنٹس بھاگ کھڑے ہوئے تھے

افففف یہ تو سراسر ظلم ہے اور پارس حسن ظلم کے خلاف ہے پارس کی آواز پہ کئی سٹوڈنٹس پلٹ کر دیکھنے لگے تھے پارس نے

بیگ اور بکس پھینکی تھیں اور جینز سے لٹکتا پسٹل نکال لیا تھا

اسنے فائر کیا تھا سبھی اسکی طرف متوجہ ہو گئے تھے پارس جمپ لگا کر لڑکے کے سامنے جا کھڑی ہوئی تھی سب حیرت زدہ تھے

جاتے بھی رک گئے تھے

اے لڑکی کون ہو تم؟؟؟ہٹ جاؤ ورنہ..............گروپ لیڈر نے انگلی اٹھا کر وارن کیا تھا

ورنہ..............؟؟؟ورنہ کیا؟پارس اسکے قریب آ گئی تھی

میں اپنی طرف اٹھنے والی انگلی توڑ دیتی ہوں اور آنکھ نکال دیتی ہوں اسکی انگلی پکڑ کر پورا بازو مروڑ ڈالا تھا پھر کھینچ کر مکا آنکھ پہ

مارا تھا پیچھے سے ساتھی آگے بڑھا تھا پارس نے بنا دیکھے ٹانگ پیچھے کی طرف گھمائی تھی وہ سر کے بل زمین پہ تھا

پارس لڑکے کا ہاتھ پکڑ کر سائیڈ پہ ہوئی تھی

سب سانس روکے کھڑے تھے کہ کس فلم کی شوٹنگ ہے یہ انوکھی داستان ہے ہیروئین ہیرو کو بچا رہی ہے

پارس نے پسٹل اس پر تان کر اسکے بندھے ہاتھ کھولنے لگی تھی

میرا نام پارس حسن آفریدی ہے ذہن نشین کر لو..............پارس نے ہاتھ سے رسی گراتے کہا تھا

مگر نہیں ایسے کیسے ہو گا ذہن نشین..............پارس آگے بڑھی تھی اور بری طرح پیٹ ڈالا تھا انکو کچھ سمجھ ہی نہیں آ رہی تھی

ہوا کیا ہے گروپ لیڈر زمین پہ گرا تھا

پارس نے اسکے بازو پہ پاؤں رکھ لیا تھا

کیا نام بتایا میں نے؟؟پارس حسن آفریدی..............اب یاد رہے گا نا؟؟؟پارس بھنوئیں اچکا کر بولی تھی

آج سے اس یونیورسٹی سے دنگے فساد ختم..............دوبارہ تمہاری شکایت نہ آئے

ورنہ..............پارس نے اسی کے انداز میں انگلی اٹھا کر وارن کیا تھا

ورنہ............نام یاد ہے نا؟پارس حسن آفریدی............اور میری سوچ وہاں سے شروع ہوتی ھے جہاں پہ تمہاری ختم ہوتی ہے...................لگی سمجھ؟؟؟اسے ٹھوکر رسید کرتی مڑی تھی پسٹل اٹھا کے بیلٹ سے لٹکایا تھا بیگ اور بکس اٹھا کر کڑکے کو اشارہ کیا تھا............وہ روبوٹ کی طرح چل پڑا تھا

گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول کر بکس بیگ رکھے تھے اسکے لئے فرنٹ ڈور کھولتی ڈرائیونگ سیٹ پہ آ گئی تھی

سبھی سٹوڈنٹس دم بخود وہی کھڑے رہ گئے تھے پارس اسے ہسپتال چھوڑ کر گھر کی طرف نکل پڑی تھی............زیان لاشاری چپ چاپ تماشہ دیکھا تھا وہ تو عش عش کر اٹھا تھا مگر تھینکس تک نہیں کہہ سکا تھا............

☆☆☆

نور کھانا لگوا رہی تھی جبھی وہ سب اندر داخل ہوئے تھے

ہارون نے حیرانی سے نور کو دیکھا تھا جو زمین پہ دسترخوان بچھا کر کھانا رکھ رہی تھی

آ جائیں آپ بھی سب کھانا تیار ہے...............نور انہیں دیکھ کر مسکرا کر بولی تھی

یہ کیا ہے سب؟روحی سے بھی برداشت نہیں ہوا تھا

پارس کھانا کھانا ہے..............وہ یونہی نیچے کھانے کی عادی ہے اس لیئے اک ہی جگہ سب کے لئے لگا دیا...............نور نے تفصیل بتائی تھی...........

سب حیران پریشان تھے

مگر حیرت کا بڑا شاک لگا تھا جب ان سب کے لئے قورمہ بریانی اور کئی کھانے تھے اور پارس حسن بڑی رغبت سے دوزانو بیٹھی روٹی سالن اور پودینے دہی کی چٹنی لیئے کھا رہی تھی...............سب حیرت زدہ

اسے تک رہے تھے مگر وہ کسی کی طرف متوجہ نہ تھی...............سب حیرت زدہ اسے تک رہے تھے مگر وہ کسی کی طرف متوجہ نہ تھی...........

عجیب بات ہے لیلی اتنے کھانے ہیں اور پارس سادہ کھانا کھا رہی ہے..........سحر حیرانگی سے سرگوشی کی تھی...........

ہاں یہ سب کھانے مہمانوں واسطے ہیں باقی لوگوں واسطے..........مہمان خدا کی رحمت ھیں اور وہ سمجھتی ہیں کہ میں اللہ کے سامنے جوابدہ ھونگی انکے لیے اور خود کم کھاتی ہے اکثر وہ روزے سے ہوتی ہے کہ اپنے لیے آگے واسطے جمع کر رہی ہے۔

واہ کیا ہی نیک عورت ہے پھر تو..........شیراز حقیقتا متاثر ھوا تھا کیونکہ جب سے وہ ادھر آیا تھا اسنے پارس حسن کے روپ میں اک عظیم لڑکی دیکھی تھی ہر رنگ نرالا ہر روپ نیا..........

جبکہ روحی ان سب کو دیکھ کر من ہی من میں مسکرا رھی تھی

یہ حقیقتاً اتنی ہی چپ اپنے آپ میں مگن رہنے والی ہے یا ہم لوگوں کی وجہ سے ڈسٹرب ہے؟؟؟روحی کے انداز میں کچھ ایسا تھا

نہ صرف نور کے ساتھ لیلی بھی چونک گئی تھی

انکی عادت ہی ایسی ہے وہ کسی سے زیادہ فرینک نہیں ہوتیں بس ٹیپو بھائی سے باتیں کرتیں ہیں ہر بات......باقی کسی سے نہیں

....

نور کی بجائے لیلی نے جواب دیا تھا لیلی ذرا سخت لہجے میں بولی تھی سب اسے تکنے لگے تھے

روحی دانت پیس کے رہ گئی تھی..................ھارون مسکرا رھا تھا جبکہ سعدان سر جھکائے بیٹھا تھا......تبھی پارس اندر سے چھوٹا سا بیگ لیۓ نکلی تھی ہاتھ میں گاڑی کی چابی تھی..................

جیسے ہی وہ نکلی تھی نور اور لیلی بھی پیچھے بھاگیں تھیں کدھر جا رہی ہو پارس..................نور کی پکار پہ پارس نے پلٹ کر دیکھا تھا

ابھی تو اسلام آباد جا رہی ھوں وہاں سے شاید اسکاٹ لینڈ جانا پڑے............ویسے میری کوشش ہے جانے سے پہلے اک چکر لگا کے جاؤں ادھر سے اگر نہ آ سکی تو اپنا خیال رکھنا کوئی بھی مسئلہ ہو ٹیپو سمیر ہیں اور مجھے کال کر لینا............اور جتنی جلدی ہو سکے ان مہمانوں کو فارغ کر دینا............پارس نے اک ہی سانس میں ساری ہدایت دی تھیں وہ دونوں سر ہلاتی اسکے گلے سے جا لگی تھیں پارس ان سے ملتی نمرہ اور مریم کے پاس گئی تھی ان سے مل کر چلی گئی تھی نور اور لیلی واپس کچن میں آ گئیں تھیں

کیا ہوا؟ کدھر گئیں پارس؟؟؟سحر نے کھانے سے نظر ہٹا کر انکو دیکھتے پوچھا تھا

اسکاٹ لینڈ چلی گئی............نور سے پہلے لیلی بولی تھی..................نجانے کیوں اک دم روحی سے نفرت ہونے لگی تھی اب تو اور زہر لگ رہی تھی جب پارس کے جانے کا سن کر زیر لب مسکرا رہی تھی......لیلی اسے بغور اب نوٹ کرنے لگی تھی............جبکہ وہ خود میں مگن اپنے پلان ترتیب دے رہی تھی

☆☆☆

ہیلو بے بی کیوں اداس بیٹھی ہو؟؟؟رابرٹ صاحب نے اسے لاؤنج میں اداس بیٹھے دیکھ کر اس سے سوال کیا تھا۔

نہیں انکل پریشان نہیں ہوں کچھ سوچ رہی ہوں............وہ ہلکے سے مسکرائی تھی

اچھا تو کیا سوچا جا رہا ہے؟وہ اسکے پاس ہی دوسرے صوفے پہ بیٹھ گئے تھے

میں سوچ رہی ہوں انکل آپکو جن لوگوں نے برا بھلا کہا تھا اس دن اور آپکے ساتھیوں کو بھی اور آپکے ساتھیوں کو بھی مارا تھا آپ نے انکے خلاف پولیس کو کیوں نہیں بتایا بلکہ ان کو وضاحت دی سمجھایا دعا دی

کیوں؟یونو اس دور میں لوگ شرافت کو کمزوری جان لیتے ھیں.......... پارس اصل بات چھپا کر کچھ اور شروع کر چکی تھی کچھ عرصہ پہلے جب وہ بابا کے ساتھ برطانیہ گئی تھی اسنے دیکھا تھا رابرٹ انکل اپنی پندرہ رکنی ٹیم کو کچھ ہدایت دے رہے تھے۔ وائٹ شرٹس پہنے جنکے شولڈر پہ ایگل کے نشان بنے تھے اور دوسری طرف انہوں نے بیج لگا رکھے تھے وہ سب ابھی نکلے ہی تھے دروازے سے کہ کچھ لوگ آ گئے تھے جنہوں نے ان سب کو پیٹا تھا بیج اتار کر پھینک دیئے تھے رابرٹ انکل کو دھکا دے کر دو دگرا دیا تھا اتنے غلیظ الفاظ استعمال کیئے تھے مگر رابرٹ انکل برا مانے بغیر اٹھ گئے تھے ساتھیوں کو اٹھا خود بیج لگائے تھے اور ان لوگوں کو نرمی سے کچھ سمجھایا تھا اور ہاتھ اٹھا کر دعا کی تھی پھر نجانے کیا کہا تھا وہ چپ چاپ پلٹ گئے تھے ابھی یک دم پارس کو وہ بات یاد آئی تو اسنے بول دیا تھا...................

اااووووو..........................انہوں نے گہرا سانس کھینچا تھا ایکچولی بیٹا جیسے آپکے ملک میں روزگار نہیں مل رہا اسی طرح وہاں بھی یہی حال ہے نوجوان آکسفورڈ یونیورسٹی جیسے اداروں سے ڈگری لے کے دھکے کھا رہے ہیں انہوں نے کہیں سے میرا اور میری ٹیم کے بارے میں سنا تھا کہ ہم نوجوانوں کے لئے جو ہو سکے کرتے ھیں روزگار بھی دیتے ہیں ساتھ ہی یسوع مسیح کا درس بھی تو وہ لڑ رہے تھے

کہ تم لوگ جھوٹ بولتے ھو کچھ نہیں کرتے تم لوگ.....تو کیا کرتا ؟میں بھی انکے ساتھ وہی کرتا جو کچھ عرصے سے وہ برداشت کر رہے تھے اس لئے میں سمجھایا دعا دی اور پھر کارڈ دیا کہ بعد میں آکر ملنا انہوں نے تفصیل بتائی تھی

اوو اچھا.................

آپ تو کہہ رہی تھیں آپ نے انجیل پڑھ لی پوری؟؟؟پارس انکے سوال پر گڑبڑا گئی تھی

جی میں پڑھی تھی.................اسنے سنجیدگی سے کہا تھا

نہیں...........نہیں پڑھی............اگر پڑھی ہوتی تو آپکو یہ سوال نہ کرنا پڑتا.................اسکا جواب انجیل میں موجود تھا.................

وہ کیسے انجیل میں موجود تھا؟؟؟وہ حیران تھی

خدا ان تمام لوگوں کی بخوبی حفاظت کرنے کی پوری قدرت رکھتا ہے جو اس سے گہرا تعلق اور لگاؤ رکھتے ھیں...... انہوں نے انجیل کی آیت پڑھی تھی

خدا ان لوگوں کی خاص حفاظت کرنے کی زبردست قوت رکھتا ھے جو اسکی ذات ایمان لاتے اور بھروسہ کرتے ھیں

(12:2tim1)

جن لوگوں کا اپنے خدا پر بھرپور یقین ھوتا ھے وہ کسی قدم پر لڑکھڑاتے نہیں کیونکہ انکا ایمان ھوتا خدا ہر جگہ ہر قدم پر انکے ساتھ ہے..................اور جب میرا خدا ساتھ تھا تو میں گھبراتا کیوں؟؟؟پارس لاجواب سی ہو گئی تھی

آپ پھر سے پڑھنا انجیل کو ابھی آپکا ایمان کمزور ہے اور اب کی بار دل سے پڑھنا تو دیکھنا ہر سوال کا جواب تمہیں انجیل دے گی..........وہ اسکے سر پر ہاتھ رکھ کر نصیحت کرتے نکل گئے تھے..................جبکہ وہ دم بخود بیٹھی تھی سر دونوں ہاتھوں میں جکڑ لیا تھا .... یک دم آنسو بہنے لگے تھے

اللہ...........دماغ کام کرنا چھوڑ گیا تھا بس آنسو بہہ رہے تھے......اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رہی تھی اپنی نااہلی پر اپنے رب سے دوری پر مسلمان ہو کر وہ اپنے رب کو بھلائے بیٹھی تھی اور اک رابرٹ انکل تھے جو غیر مسلم ہو کر اللہ پر توکل کیئے تھے

....

افففففف..................................

☆☆☆

یار تجھے اک کام کہا تھا تجھ سے وہ بھی نہیں ہوا..............ہارون برسا تھا سعد پہ.....................

اونو یار مجھے بلکل یاد نہیں رھا ورنہ تو جانتا ایسے کام میں میں دیر نہیں کرتا................بے فکر رہ میں کل ہی پتہ کر لیتا ہوں بلکہ ڈائریکٹ ملاقات سہی.....................

کل کیوں؟ آج ابھی کیوں ں ہیں؟ہارون کو زیادہ ہی جلدی تھی کچھ.....................

ابھی کیسے؟میں جانتا نہیں دیکھا نہیں کچھ علم نہیں.................نمبر نہیں تو کیسے کروں؟وہ حیران تھا......

میں بتاتا ھوں سب جو کرنا ہے......ہارون اسے سارا پلان سمجھانے لگا تھا..................

☆☆☆

اسلام علیکم!!!پارس نے فون ریسیو کرتے ہی سلام کیا تھا

وعلیکم اسلام..............پارس بات کر رہی ھیں؟؟؟

جی..........آپ کون؟؟؟

میں حیدر بات کر رہا ہوں بریرلاشاری کا دوست کل جس طرح آپ نے اپنی پرواہ کیئے بنا میرے دوست کی مدد کی میں آپکا

تہہ دل سے ممنون ہوں..........وہ نہایت عاجزی سے مخاطب تھا

جی نو پرابلم میں نے کوئی احسان نہیں کیا اپنا فرض نبھایا ھے انسان ھونے کے ناطے...............ظلم جہاں بھی ہو وہاں پارس

حسن چپ نہیں رہتی.....................وہ سنجیدگی سے بولی تھی

ویری نائس...................بہت تعریف سنی میں آپکی..........انشاٗاللہ کل یونیورسٹی آوٗں گا تو ڈائریکٹ تھنکس کہیں

گیں......................

نہیں ایسی کوئی بات نہیں اٹس اوکے.................

نہیں ایسے تو نہیں نہ ایٹ لیسٹ اک کپ چائے تو ھمارے ساتھ چلے گی نا؟؟؟ پارس کو وہ پتہ نہیں کیوں ضدی سا لگا لاکھ منع کیا

مگر وہ باضد تھا بلآخر پارس رضامندی دے کے جان چھوڑوائی تھی.................

افففف پتہ نہیں کیسے کیسے لوگ ہوتے ہیں...........وہ سر جھٹک کے رہ گئی تھی..............

(باقی آئندہ)

☆☆☆

☆بچوں کی تربیت☆

تحریر:زارا صدف قمر

بچوں کی تربیت کے حوالے سے بہت سے ماہرین بہت کچھ لکھتے ہیں حتیٰ کے انکے اقوال کسی نہ کسی طرح ہم تک پہنچتے ہیں جو کہ ہمارے لئے مستفید ہوتے ہیں۔۔مگر ہمارا معاشرہ اس پر سنجیدگی سے غور کیوں نہیں کر رہا ہے۔میری تحریر بھی اسی طرح کی اک کاوش ہے۔۔اپنے گھر میں بچے کی مخصوص جگہ پر کچھ تعلیم اور تربیت سے جڑی چیزیں موجود ہو کچھ زبانوں کے مشہور الفاظ ایک چیٹ (پرچی) پر موجود ہو بچے کو روز ایک پرچی دیں اور روز ایک نیا الفاظ سمجھنے کو دیں۔۔۔مثال کے طور پر شجر عربی کا لفظ ،جس کے معنی درخت کے ہیں اسی طرح گول انگریزی کا لفظ ہے جس کے معنی مقصد کے ہیں ویلیج انگریزی کا لفظ جس کے معنی گاؤں کے ہیں اسی طرح مسنون دعائیں اور کچھ انبیاء کرام کے قصے وغیرہ۔۔۔جس میں قربانی کا وقعہ اور موسیٰ اور ہارونؑ کے قصے شامل ہو۔۔۔ماں بچے کی پہلی ٹیچر ہوتی ہے جو تعلیم اسکو گھر سے ملیں گی وہی تعلیم آنے والے کل کی ضمانت ہے۔۔اگر بچے کی کوئی بات ناگوار گزری تو اسے فوراًہی تنقید کا نشانہ بنانے کے بجائے ،اسکی اصلاح بہتر انداز میں کی جائے ۔۔۔اور کہانیوں کے ذریعے آپ اپنا موقف با آسانی اس تک منتقل کر سکتے ہیں۔۔۔اسکے علاوہ آپ اپنے بچوں کو رات کو برش کرنے کا عادی بنائیں اور صبح نہار منہ پانی پینے کا،صبح کے وقت ہمارے منہ میں مفید بیکٹو یا بنتے ہیں۔۔جو ہمارے جسم میں آنے والی کئی بیماریوں کے خلاف لڑتے ہیں۔۔۔مگر ہم ان مفید بیکٹو یا کو واش بیسن پر پھینک آتے ہیں۔۔۔کسی بھی کھانے پینے کی اشیاء پر چھینکنے اور کھانسنے کے باعث کئی بیکٹو یا ان اشیاء
کے ساتھ چپک کر کس نہ کسی طرح ہماری خوراک کا حصہ بن جاتے ہیں اور اینٹی بائیوٹک لعاب ہمارے پاس موجود ہوتا ہے ۔۔۔جو کہ قدرت کا نایاب تحفہ ہے اللہ ہمیں تعلیم عطا کریں اور مزید اسی تمام چیزوں کو سمجھنے کی توفیق دیں آمین۔۔۔۔بچے کی ہر ضرورت کا ایسے خیال رکھا جائیں جیسے وہ ایک باشعور انسان ہو۔ہو نہ ہو وہ مستقبل کا ایک باشعور انسان ہی تو ہے
۔کہیں جانے کے لئے اس سے بھی اسی طرح رضامندی لیں جس طرح ایک گھر کے قابل احترام شخصیت سے لی جاتی ہیں ۔۔۔بچوں کی بات کو کاٹ کر اپنی بات مت پیش کریں۔۔۔بچوں کی جس طرح ممکن ہو اصلاح کرتے رہنی چاہیئے۔۔بچوں کو مارنے اور پیٹنے سے مکمل طور سے گریز کریں۔۔اپنے بچے کو مستقبل کے لئے ابھی سے تیار کریں۔۔۔اسے مختلف طرح کے ہر کھیل سے متعارف کراتے رہیں۔۔۔فٹبال،ہاکی،کرکٹ،کراٹے،سوئیمینگ ،جمپنگ ،پینٹنگ ،اسکیچنگ وغیرہ زیر فہرست ہیں۔۔۔گھر کی ہر چیز ترتیب سے موجود ہو گھر کی ترتیب سے بچے اپنے دماغ کو بھی ایک ترتیب میں لانے کی

کوشش کرتے ہیں۔غیر ترتیب شدہ گھر یا ماحول الجھے ہوئے دماغ کا پتہ دیتی ہیں۔۔۔ یہ میری خود کی ریسرچ ہے جو میں نے مختلف مراحل سے جدو جہد کی بدولت حاصل کئے ہیں۔۔۔اور کئی سرگرمیاں اس تحریر میں ایسی شامل ہیں جو آج سے تقریباً دوسو سال قبل دریافت ہوئیں۔۔۔اپنے گھر میں بچوں کی الگ الماری یا کوئی چھوٹا سائز کا کیبنٹ جو آپکے بچے کی پہنچ میں ہو ۔۔۔جس کے اندر رنگ برنگ کی باسکٹ موجود ہوا سکے اندر کئی ایسی چیزیں جو آپکے بچے کی کھیل کھیل میں تربیت کے حوالے سے مددگار ثابت ہو چھوٹے سائز کی تصاویر جن میں آپکے قریبی رشتے دار وغیرہ شامل ہو۔۔آپ اردو یا انگلش میں کسی کے بارے میں بھی تھوڑی بہت اسپیچ کرنے کو دیں سکتے ہیں۔۔۔کچھ گھر کی ایسی چیزیں جو بیکار ہو گئی ہو ایک باکس یا باسکٹ میں رکھ دیں پھر

اپنے بچے کو ان بیکار دھاتوں کی جو جیولری کی شکل میں ہو پہچان کروائیں۔۔۔سلور۔اسٹیل۔تانبا وغیرہ اسی طرح مختلف کپڑوں کی کترن جو چھوٹے سائز کی ہو۔۔۔ایک باسکٹ یا باکس میں جمع کریں اپنے بچے کو دیں اور فنگر کی مدد سے پہچان کروائیں کے کونسا کپڑا ریشمی ہے،سوتی،جارجٹ،فلالین،ویلویٹ،اور جالی وغیرہ شامل ہے۔۔۔

افسانہ☆ شاہین اقبال سے وارث جناح تک☆

تحریر بنتِ باجوہ

ایک گرم جھلتی دوپہر میں وہ خراماں خراماں سڑک کنارے چلتی جارہی تھی۔بدن پسینے سے شرابور ہونے کے باوجود چہرے پر پریشانی کا شائبہ تک نہ تھا۔اس کے برعکس آنکھوں کی الوہی چمک سورج کی ان شعاعوں کو مات دیتی معلوم ہورہی تھی جو گھر کے راستے میں اسکے وجود کے گرد گھیرا تنگ کرنے کی سعی لا حاصل میں مشغول تھے۔کہرا جائزہ لینے پر یوں معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی سپر پاور اسکی روح میں حلول کرگئی ہواور اس کی راہ میں آنے والی ہر بلا کو تہس نہس کرتے آگے بڑھنے کی راہ ہموار کررہی ہو۔اس سپر پاور کا مرکز وہ کتاب تھی جسے اس نے کسی قیمتی متاع کی طرح سینے سے لگا رکھا تھا۔

شاہین اقبال اپنے سکول کی سب سے ذہین وفطین بچی مانی جاتی تھی۔یہ دس برس مسلسل قائم شدہ ریکارڈ تھا۔سکول کے اساتذہ اور پرنسپل اس بات سے بخوبی آگاہ تھیں کہ وہ اسلامی ضابطہ حیات اور حب الوطنی کو اپنی زندگی کا خاصہ بنانا چاہتی تھی۔تہذیب جناح سکول کے زیر سایہ تربیت پانے والی ایک بچی کی سوچ بلاشبہ ایسی ہی ہونی چاہیئے تھی۔جتنے روشن اس کے سوچ وافکار تھے اتنے ہی تاریک اس کی گھریلو زندگی کے ماہ وسال تھے۔چھوٹی عمر سے ہی ماں کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا۔باپ ایک معمولی سا سرکاری ملازم تھا جسے دین سے زیادہ دنیا کی پرواہ تھی۔کام کے بکھیڑوں نے دوسری شادی کا موقع ہی نہ دیا تھا یوں شاہین اقبال چھوٹی عمر سے ہی تعلیم کے ساتھ گھر بھی سنبھالنے لگی تھی۔" کچھ اوصاف وراثت کی بجائے قدرت کے ودیعت کردہ ہوتے ہیں"۔جہاں اسکا باپ مالی اور ذاتی مفاد کو ترجیح دیتا تھا وہیں شاہین ملکی مفاد اور خدمت خلق کو مقدم رکھتی تھی۔اس نے کبھی والدہ کی تربیت کی کمی محسوس نہیں کروائی تھی۔شعور کی منازل طے کرتے ہوئے وہ میٹرک تک پہنچ چکی تھی...... بابا... بابا... وہ آہستگی سے پکارتے ہوئے اندر داخل ہوئی تھی۔مگر اسے خاموش ہونا پڑا تھا۔محمد اقبال موبائل پر کسی کو ڈپٹنے کے انداز میں کہہ رہا تھا،" آپ کو سمجھ کیوں نہیں آتی بھائی صاحب میں آپ کو کئی بار سمجھا چکا ہوں کہ آپکی فائل حکام تک نہیں پہنچا سکتا وہاں صرف خاص لوگ ہی اپنا مدعا پیش کرسکتے ہیں، پھر بھی میں کوشش کروں گا جیسے ہی ممکن ہو فائل آگے بھیجی جاسکے"۔محمد اقبال نے مخالف کو جھوٹی امیدیں دلاسے دیتے ہوئے فون بند کردیا تھا۔یہ اس کے لئے عام بات تھی سرکاری محکمے میں ملازم ہونے کی بناء پر اس کے بابا کا ان معاملات سے تعلق نہ ہونے کے باوجود واسطہ پڑتا رہتا تھا۔کچھ لوگ تو دے دلا کر اپنا مقصد پورا کروا لیتے تھے کچھ کو صرف باتیں اور جھوٹی امیدیں ہی دلائی جاسکتی تھیں۔شاہین اپنے بابا کے دوغلے پن سے بخوبی واقف تھی۔یہ بات اسے اذیت بھی دیتی تھی۔گاہے بگاہے بحث بھی کرلیا کرتی تھی۔محمد اقبال کا کہنا تھا کہ پیٹ کا جہنم بھرنے کے لئے ایسا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔وہ تاسف سے دائیں بائیں سر ہلاتے آگے آئی تھی۔بابا مجھے سکول سے دیر ہورہی ہے چلیں۔اقبال نے بیٹی کی بات پر اثبات میں سر ہلایا اور جلدی سے فائلیں سمیٹنے لگا۔آج اسکا بیٹی سے بحث کا کوئی موڈ نہیں تھا غالباً شاہین کو بھی سکول سے دیر ہورہی تھی سو اس نے بھی خاموشی غنیمت جانی۔آج میٹرک کی سالانہ پارٹی کے ساتھ ساتھ یوم آزادی کی تقریب بھی تھی اسے اسے استقبالیہ ٹیم کی ہیڈ مقرر کیا گیا تھا سو وقت پر

پہنچنا ضروری تھا۔دونوں باپ بیٹی اپنی اپنی چیزیں اٹھائے باہر نکل گئے۔تقریباً دس منٹ بعد ہی دونوں سکول کے گیٹ پر موجود تھے جس کی پیشانی پر ایک بڑا اسفید بورڈ نصب تھا۔بورڈ پر تہذیب جناح سکول کے الفاظ کو از سر نو تازہ سبز رنگ سے نکھارا گیا تھا۔یہ کوئی بڑا اسکول نہیں تھا۔اوسط درجے کے علاقے میں اسے شاہین جیسے بچوں کے لئے ہی تعمیر کیا گیا تھا۔آج سے تیرہ سال پہلے یہ صرف ایک کمرے پر مشتمل تھا۔جس کا آغاز گنتی کے چند طلباء کی آمد سے ہوا تھا۔پھر اس سکول نے اپنے اعلیٰ تعلیمی معیار کی وجہ سے اپنی ایک منفرد پہچان بنالی تھی۔اب تو دوسرے علاقوں سے بھی طلبا تہذیب کی صف میں کھڑے ہونے کو ایک سعادت سمجھتے تھے۔اکادکا لڑکیاں اندر جا رہی تھیں۔گیٹ سے اندر داخل ہونے سے پہلے وہ رکی ،بابا مجھے آج پارٹی کی وجہ سے دیر ہو سکتی ہے آپ کا لنچ تیار کر دیا تھا کھا لیجیئے گا۔اس کے فکرمندانہ انداز پر محمد اقبال نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا تھا۔عملی زندگی میں لاکھ اختلافات ہی سہی مگر اسے اپنی اکلوتی بیٹی بے حد عزیز تھی جو اس کا کل اثاثہ تھی۔"وہ خدا حافظ کہتے ہوئے گیٹ میں داخل ہو گئی۔محمد اقبال نے ایک نظر سکول کے گیٹ پر کندہ الفاظ کو دیکھا تھا جس کے نیچے چار سنہرے اصول "امانت ،دیانت ،صداقت ،شرافت درج تھے۔اسے صبح والی کال پھر یاد آ گئی تو وہ سر جھٹکتے ہوئے اپنی منزل کی طرف چل دیا۔

شاہین تہذیب جناح کے مرکزی ہال میں داخل ہوئی تو وہاں سبز و سفید رنگوں کی بہار تھی۔گو کہ تقریب شروع ہونے میں چند منٹ تھے ۔مائیک پر مشہور شاعرہ "نائمہ غزل" کا وطن کی محبت سے لبریز نغمہ گونج رہا تھا ...

وطن میرا ،چمن میرا

علم تھامے جناح

جب چل پڑے آگے

لہو کے دان دے کر یہ

بنایا پھر

اسے میرے عزیزوں نے

یہ تھا اقبال کا اک خواب

جسے سب نے جلا بخشی

مجھے معلوم ہے کہ میں

جناح کے وارثوں میں ہوں

مجھے اپنے وطن کی یہ زمیں شاداب رکھنی ہے

مجھے اقبال کے دیکھے ہوئے خوابوں کی اس تعبیر کو آگے بڑھانا ہے ...

اسے سامنے سے میم نیرہ نور اپنی طرف آتی دکھائی دیں۔اسلام علیکم میم ،اس نے احترام سے کہا۔میم نیرہ نور جو اسے دیکھتے ہی کھل اٹھی تھیں

انہوں نے سلام کا جواب دیتے ہوئے فرط جذبات سے اسے گلے لگالیا،خوش رہو میری بچی تمہاری کارکردگی آج کے دن بھی ہمیشہ کی طرح شاندار ہے تقریب کی استقبالیہ کے فرائض جس سلیقے سے تم نے ارینج کئے ہی واقعی قابل تحسین ہیں۔ان کی تعریف شاہین کو ہمیشہ کی طرح اعزاز معلوم ہوئی تھی۔ بہت شکریہ میم یہ سب آپ کی اور اساتذہ کی تربیت ہے۔۔۔۔

اس سے پہلے کہ گفتگو کا سلسلہ دراز ہوتا سکول کے چپڑاسی نے مہمانان خصوصی کی آمد کی اطلاع دی۔چلو شاہین،میم نیرہ نور نے اسکا کندھا تھپتھپایا تو وہ ادب سے انکے پیچھے ہولی۔مرکزی ہال کی استقبالیہ پر سفید یونیفارم میں ملبوس طلباء سروں پر سبز، دوپٹے جمائے ہاتھوں میں پھولوں کی پتیاں اور ہلالی پرچم لئے چوکس تھیں۔مہمان خصوصی کی گاڑیاں یکے بعد دیگرے داخل ہوئیں۔فضا پاکستان زندہ باد اور تہذیب جناح کے نعروں سے گونج اٹھی۔تقریب کے مہمان خصوصی اپنی ٹیم کی معیت میں ایک شان بے نیازی سے داخل ہوئے۔پھولوں کی برسات میں انہیں سٹیج پر لگی نشستوں تک پہنچایا گیا۔سٹیج کے سامنے کی قطار تہذیب کے اساتذہ کرام کے لیے مختص کی گئی تھی جبکہ پچھلی نشتوں پر والدین اور طلباء

قطار در قطار بیٹھے تھے۔سکول کی پرنسپل ہونے کے باوجود تقریب کی سٹیج سیکرٹری کے فرائض میم نیرہ نور نے خود اپنے ذمہ لئے تھے۔انکا کہنا تھا کہ اس بار آنے والی شخصیت اسی قابل ہیں کہ پرنسپل خود ان کے لئے یہ فریضہ انجام دے۔

تقریب کا آغاز خالص اسلامی طریقے سے کیا گیا۔جس کے بعد مختلف طلباء نے تقاریر کیں۔اساتذہ نے تہذیب جناح کے ہونہار طلباء کے کرداروں کو وضع کیا۔ہال میں موجود سب طلباء پر جوش تھے کہ ایک طویل ابتدائی تعلیمی دور اپنے اختتام کو پہنچا تھا اب وہ ایک لمبی بریک لیں گے۔انہی طلباء میں شاید وہ واحد تھی جس کی سوچ ان سب کے برعکس تھی۔"وہ شاہین اقبال اس بات سے بے خبر تھی کہ آج شاہین کی اصل پرواز کا آغاز ہونے والا تھا،عملی سوچ رکھنے والے افراد ہمیشہ اگلا قدم اٹھانے کی جستجو کرتے ہیں"۔وہ بھی یہی سوچ رہی تھی کہ عملی زندگی میں اسے آگے کیا کرنا ہوگا۔صبح والی کال بھی اسکے ذہن میں پوری طرح تازہ تھی۔وہ کچھ ایسا کرنا چاہتی تھی جس سے ملک میں سب کو برابر کے حقوق مل سکیں۔امیر غریب کے فرق کے بغیر ہی عوام کی دادرسی ہو سکے۔۔۔میم نیرہ نور کی آواز نے اسکی سوچوں کے دائرے میں انتشار برپا کیا تھا۔جی تو عزیز طلباء اور محترم والدین آج کی تقریب میں میں آپ سب کو ایک نادر تحفہ دینا چاہتی ہوں یہ میرے لئے بڑے اعزاز کی بات ہوگی کہ تاریخ میں پہلی بار ایک پرنسپل اپنے ادارے سے طلباء کو فارغ التحصیل ہونے پر کچھ پیش کرنے جارہی ہے۔طلباء کی پرتجسس نگاہیں سٹیج پر مرکوز تھیں۔میم نیرہ نور نے ہاتھ میں پکڑی گنبدی رنگ کی کتاب بلند کی جس کے ٹائٹل پر ہلالی پرچم اور جناح کی تصویر کے ساتھ ایک ننھے لڑکے کو بوجھ اٹھائے واضح دیکھا جا سکتا تھا۔

اوج ادب کے ایک مشہور شاعر "فیض محمد شیخ" کا ایک قطعہ اس کتاب کے ٹائٹل کی ترجمانی تھا۔۔۔

غربت نے زندگی کا تماشا بنا دیا

چھوٹے سے ایک بچے کو بوڑھا بنا دیا

شعلوں میں آ گئے تو گلستان بن گیا

دریا میں پاؤں ڈالے تو رستہ بنا دیا

شاہین کی نگاہیں اس کتاب پر جم سی گئی تھیں۔ میم نیرہ نور نے کتاب ڈائس پر واپس رکھی و چونکی۔ عزیز طالبعلموں ... یہ کتاب ایک شاہکار ہے میں اس شاہکار کو آپ کے ہاتھوں میں دینے سے پہلے اسکی اہمیت واضح کر دینا چاہتی ہوں تا کہ آپ اس تحفے کا حق اس کے شایان شان ادا کر سکیں۔ اس کے لیے مجھنا چیز کے پاس الفاظ کا ذخیرہ محدود ہے۔ میں اپنے معزز مہمانوں کی شکر گزار ہوں جو اس موقع پر میرا، سہارا بنے۔ میں انہی کے قیمتی الفاظ کو زبان دونگی ... تو سنیئے معزز مہمانان کی ٹیم یہاں تشریف فرما ہے۔ یہ ادارے کے لئے ایک بڑا اعزاز ہے کہ میں ان کی موجودگی میں ان کے الفاظ ادا کرنے کی سعادت حاصل کر رہی ہوں۔ مہمان ٹیم کی پہلی رکن سیکرٹری "محترمہ خدیجہ عطا" اسکا تعارف کچھ یوں کرواتی ہیں" دیکھا جائے تو اس کتاب کا موضوع پاکستان اور چائلڈ لیبر ہے لیکن اس کا اصل موضوع محبت ہے"

دوسری رکن ٹیم محترمہ رخ یعقوب کے مطابق "یہ شروعات ہے اس محبت کی جس کی لازوال داستان گواہ بنی ان قربانیوں کی جس نے تاریخ رقم کی" واؤ ... بے اختیار ہی شاہین کے منہ سے نکلا تھا اور وہ مزید انہماک سے سننے لگی تھی۔ ہال کے سناٹے میں میم نیرہ کی پر جوش آواز پھر سے گونجنے لگی تھی۔۔۔ عزیز طالبعلمو تیسری رکن ٹیم محترمہ "ستارہ کومل امین" جن کی بھیگی بھیگی پلکیں جناح کو آنسوؤں کی سلامی دیتی ہیں انہوں نے اس کتاب کو ایک تاریخی دستاویز قرار دیا ہے۔

چوتھی رکن ٹیم محترمہ "حرا قریشی" جو ادب میں ایک اعلی پائے کی تبصرہ نگار مانی جاتی ہیں انہوں نے اپنے الفاظ میں اس کتاب کا یوں متعارف کروایا ہے "یہ کتاب پاک سرزمین کے اچھوتے نقشے کو منعکس کرتا اک سراب جہاں ہے"

پیارے شاہینو ... پانچویں رکن ٹیم محترمہ " کوثر ناز" نے اسے ایک نسخہ کیمیا قرار دیا ہے جو بہتر طور پر تمام مسائل کے حل کی صلاحیت رکھتا ہے۔

میم نیرہ نور نے مائیک ہاتھ میں لیے ایک مسکراتی نگاہ مہمانوں پر ڈالی اور سامعین کی طرف رخ سیدھا کرتے ہوئے گویا ہوئیں ...

چھٹے رکن ٹیم محترم "عبدالشکور" کے لاجواب الفاظ ملاحظہ فرمایئے "ماہر نباض اور حاذق طبیب نے اپنے محبوب مریض پاکستان کے تمام امراض کی تشخیص کے بعد شافی علاج تجویز کیا ہے جس پر عمل کر کے مریض تندرست و توانا ہو کر زندگی اور ترقی کی دوڑ میں کامیابی کا علم تھامے سب سے آگے مسکراتا نظر آتا ہے"

پورا ہال تالیوں کے شور سے یکدم گونج اٹھا تھا۔ میم نیرہ نور نے دوبارہ مسکراتے ہوئے وقفہ لیا۔ تالیوں کا شور قدرے کم ہونے پر بات کا دوبارہ آغاز کیا ... جی تو ساتویں رکن ٹیم محترمہ "مونا شاہ قریشی" نے اس کتاب کے جلدی ٹائٹل کو ہی اسکا مکمل خلاصہ قرار دیا ہے جس کی تزئین و آرائش کا سہرا مہمان ٹیم کے ہونہار ایڈیٹر محترم "نصیب عباسی" کے سر جاتا ہے۔

ایک بار پھر سے تالیاں گونج اٹھیں۔

عزیز طالبعلمو... آٹھویں رکن ٹیم محترمہ "نور یہ مدثر" کے مطابق "یہ کتاب علم سے عمل تک کا سفر ہے"

نویں رکن ٹیم محترمہ "ناز سلوش زشے" کا کہنا ہے کہ "یہ کتاب ان سب کے لئے ایک سنگ میل ہے جو حب الوطنی کے جذبے میں کچھ کرنا چاہتے ہیں۔

ان الفاظ پر شاہین اقبال نے حیرت سے سٹیج پر بیٹھے معزز مہمانوں کو دیکھا اور ایک نظر میم نیرہ نور کو دیکھا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے یہ سب صرف اور صرف اسی کی رہنمائی کے لئے یہاں آئے

ہوں۔ اسے اپنا آپ ہلکا پھلکا محسوس ہونے لگا۔ میم نیرہ نور کہہ رہی تھیں۔

دسویں رکن ٹیم محترمہ "رضوانہ صدیقی" نے اسے پاکستان کے لئے ایک نیا منشور قرار دیا ہے۔

گیارہویں رکن ٹیم محترمہ "ڈاکٹر صبا" کے افکار کی روشنی میں یہ کتاب "ایک آگہی اور ادراک ہے"

بارہویں رکن ٹیم محترمہ "ناہید اختر بلوچ" جو خود ایک خوبصورت رائٹر ہیں ان کے مطابق یہ کتاب "جناح کے افکار اور اقبال کی صوفیانہ سوچ کے ملاپ کا ایک فیوژن ہے"

سامعین دم سادھے پوری طرح متوجہ تھے... تیرھویں رکن ٹیم محترمہ "بنتِ باجوہ" کے مطابق "اس کتاب میں قیام پاکستان سے شان پاکستان تک ہر ہر شعبہ ہائے زندگی کو حیرت انگیز اعداد و شمار کے ساتھ مجتمع کر دیا گیا ہے"

تو پیارے تہذیب جناح کے ہونہار و یہ تھا اس تحفے کا تعارف جسے معزز مہمانوں نے شاندار طریقے سے آپ سب کی سماعتوں اور سوچوں کی نظر کرنے کے لیے پیش کیا ہے، میم نیرہ نور نے ایک بار پھر سے ڈائس پر پڑی کتاب بلند۔ اب میں اس عظیم شاہکار کے بانی اور مہمان ٹیم کے سربراہ جناب "محترم ظفر محمود اقبال ہاشمی" جو کہ اردو ادب میں "باغبان محبت" کے نام سے اپنی پہچان آپ ہیں انہیں نہایت ہی احترام سے دعوت دیتی ہوں کہ وہ آئیں اور اقبال کے شاہینو اور جناح کے وارثوں کو یوم آزادی کے مبارک دن اس عظیم تحفے کے حوالے سے اپنی قیمتی آراء سے مستفید فرمائیں... جناب محترم ظفر اقبال ہاشمی صاحب... سارا ہال پر زور تالیوں کی گونج سے اپنی نشستوں پر باادب کھڑا ہو گیا۔ جیسے ہی سٹیج پر ہاشمی صاحب خطاب کرنے کے لیے اپنی جگہ سے اٹھے انکی ٹیم کے تمام اراکین نہایت احترام سے سر جھکائے کھڑے ہوئے۔ شاہین نے مبہوت ہوتے ہوئے اس بادشاہ کو دیکھا جس کی رعایا اس سے بے پناہ عقیدت رکھتی ہو اور وہ اپنی رعایا کے لئے سب سے عزیز چیز ہوں۔ اس منظر نے نجانے کیوں اسے سحر زدہ سا کر دیا تھا۔ اسے اس سحر سے نکلنے میں چند منٹ لگے تھے

۔اس کے کانوں میں ایک شفیق آواز گونج رہی تھی، میرے بچو، عزیزو"... میں جناح کا وارث ہوں" پاکستانی نوجوانوں کے لئے لکھا گیا Prologue ہے جسے monologue میں ڈھالنے کی ذمہ داری انکی ہے۔ یہ قیادت از سر نو متعین کی گئی دستاویز بالکل نہیں یہ لفظ قیادت کے ان اصل خدوخال کی محض فلکشل تشریح و تفسیر ہے جو چودہ سو دال پہلے ہمارے قائد اعظم نے وضع کر کے ہمیں عطا کی تھی

ماشاءاللہ، شاہین کے منہ سے ایک بار پھر اس عظیم تقریر پر بے اختیار لفظ ادا ہوئے تھے۔ اسے عملی زندگی کے لئے اگلا قدم اٹھانے کی مکمل رہنمائی مل چکی تھی۔ وہ پر جوش ہو رہی تھی۔ ہال میں گونجتی تالیوں کی آواز میں اس کے ہاتھوں کی جھنکار بھی شامل تھی۔ ہاشمی صاحب کی پختہ

امیدوں کے چراغ تھامے تہذیب جناح کے شاہینو نے تقریب کا اختتام کیا تھا۔ بیک گراونڈ میں پورے زور شور سے قومی ترانہ گونجنے لگا تھا... فنکشن کے اختتام پر وہ گھر کی راہ لینے ہی والی تھی جب چپڑاسی نے اسے اطلاع دی کہ میم نیرہ نور نے اسے آفس میں طلب کیا تھا۔ وہ ٹرانس کی سی کیفیت میں چلی آئی تھی۔ دروازے پر دستک دینے پر اسے میم کی آواز سنائی دی، یس کم ان۔ اس نے دروازہ دھکیل کر اندر قدم رکھا تھا۔ مہمان خصوصی بمع ٹیم ابھی تک آفس میں موجود تھے۔ وہ کچھ ہچکچاتے ہوئے آگے بڑھی۔ میم نے اسکی ہچکچاہٹ کو بھانپتے ہوئے آگے بڑھ کر اسکا کندھا تھپکا اور اسکی ریکارڈ صلاحیتوں کو سراہتے ہوئے سر ہاشمی سے اسکا خصوصی تعارف کروایا کہ یہ تہذیب جناح کی ایک ہونہار وارث ہے۔ مہمان ٹیم نے اسے ستائش بھری نظروں سے دیکھا تو اسکے چہرے پر رنگ بکھر گئے تھے۔ سر ہاشمی نے اسے شاباش دی اور خصوصی آٹوگراف سے نوازا۔ مگر اسکی نگاہیں آفس ٹیبل پر پڑی اس سرسبز کتاب پر ہی مرکوز رہیں۔ شاہین اقبال، میم نیرہ نے اسے پکارا تو وہ چونکی تھی۔ سر ہاشمی نے اسکی محویت کا نوٹس لیا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ اجازت طلب کر کے واپسی کی راہ لیتی۔ سر ہاشمی اپنی جگہ سے اٹھے ٹیبل پر پڑے اس شاہکار کو اٹھایا اور مسکراتے ہوئے شاہین اقبال کے ہاتھ میں تھما دیا۔ حیرت اور بے یقینی کی ملی جلی کیفیت اس پر طاری ہو گئی تھی۔ تھینک یو سوچ سر کہہ کر اس نے جلدی سے اس کتاب کو ایک قیمتی متاع کی طرح جھپٹ کر بانہوں کے حصار میں جکڑتے ہوئے سینے سے لگا لیا۔ وہاں موجود ہر نفوس کے چہرے پر اس بچی کی معصومانہ حرکت پر مسکراہٹ در آئی تھی۔ مہمان ٹیم نے فرداً فرداً اس سے ہاتھ ملائے۔ میم نیرہ نور نے اسکے گرد کامیابی کی دعاؤں کا حصار باندھتے ہوئے رخصت کیا تھا۔ اس قیمتی متاع کو سینے سے لگائے آج کے دن وہ تہذیب جناح سکول سے رخصت ہوئی تھی۔ شاہین اقبال سے وارثِ جناح کے سفر کا آغاز ہو چکا تھا۔

☆.....☆.....☆

افسانہ☆کانچ کی چوڑیاں☆

تحریر: سارا احمد

چاند کو تکیہ بنا کر.....ستاروں کا بستر بچھا کر......اور پہرے پر جگنو بٹھا کر......وہ دونوں سرگوشیاں کرتے کتنی صدیاں آگے نکل گئے- نگاہوں سے الفت کے جام چھلک رہے تھے۔صنم پاس تھا،دل لٹنے کے لیئے ہی تو ہے پاس رکھنے کی چیز تو صرف درد ہے-

دن روشن ہوا تو اتنا کہ ضرورتیں برہنہ پا ناچنے لگیں-جسم کی آسودگی اپنی لذت کھو کر پیٹ کے خلا میں غذا بھرنے کے لیئے لہروں کی صورت اٹھنے لگی-

باورچی خانے میں کھانے پینے کا اتنا سامان تو تھا کہ ایک ہفتہ نکل جاتا -مسعود کو شرمندگی ہو رہی تھی- شادی کے شروع کے دن اور ہاتھ تنگ۔فروا نے روٹی بنا کر رات کا بچا سالن گرم کیا،دودھ میں پانی ملا کر دو کپ چائے بنائے اور دو آنسو اپنے اندر اتارے-

مسعود کی پتلون قمیض اور موٹر سائیکل اس کی سفید پوشی کا بھرم تھا اور ابا کی پرانی سائیکل اور رنگ اڑی شلوار قمیض ان کی مالی حالت کا اشتہار-

جگہ اور مقام بدلنے سے آنسو اور غریبی کا ذائقہ تو نہیں بدلتا -فروا نے ناشتے میں اپنی بھوک کا ساتھ دیا مسعود کا نہیں۔

"ناشکرے لوگ......،اپنے سے نیچے والوں کو نہ دیکھنا جن کو یہ بھی نصیب نہیں"

اس نے جان بوجھ کر کبھی اماں کی جوتی کا نشانہ خطا نہ جانے دیا-

"مار لے اماں جتنا مرضی............،تیری مار نصیب کی مار کے آگے کچھ بھی نہیں"-

آدھی درجن سے زیادہ بہن بھائیوں کی فوج میں سے وہ بیاہ کر مسعود کی دہلیز کے پار ہوئی تو اسے ایسا لگا

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

اس کا کورٹ مارشل ہوا ہے۔
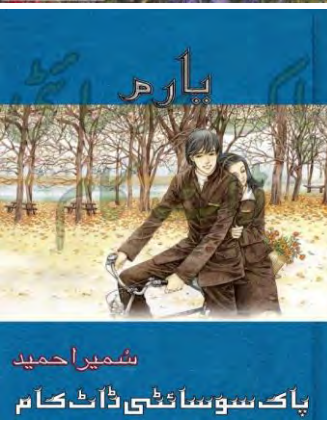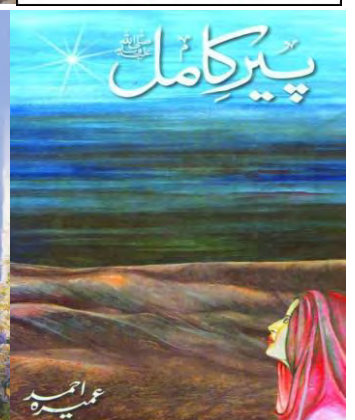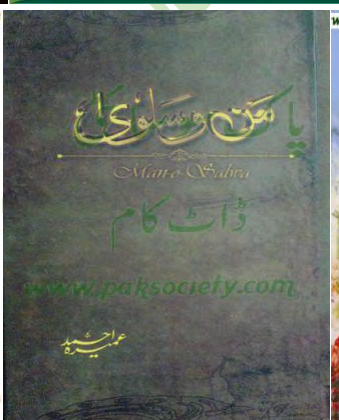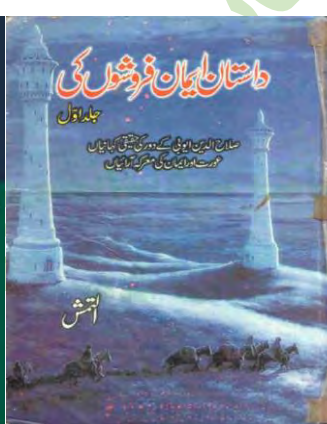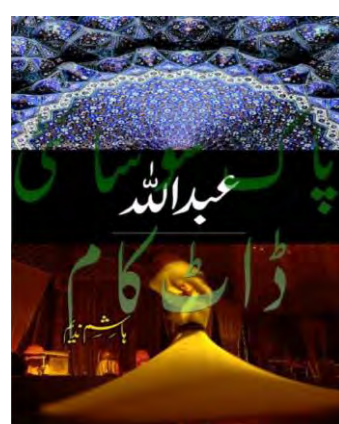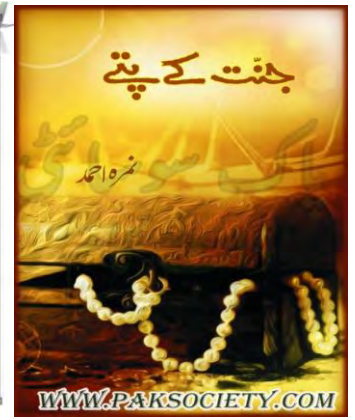
انٹر پاس مسعود ایک نجی فرم میں مال کی سپلائی کا حساب کتاب رکھتا تھا۔ اسی محلے میں کرائے کے دو کمروں کے مکان میں اپنی ماں کے ساتھ رہتا تھا۔ فروا کے والد نے شریف النفس لوگ جان کر دسویں پاس اپنی بڑی بیٹی کی شادی کی حامی بھرنے میں دیر نہیں لگائی۔ مسعود کی ماں اس کی شادی سے ایک مہینہ قبل ہی اگلے جہان سدھار گئی- اللہ کے کاموں میں کون دخل دے سکتا ہے- لوگ اب فروا کو منحوس سمجھتے یا مرنے والی کو بدنصیب کہ اپنے اکلوتے بیٹے کے سر پر سہرا بھی نہ دیکھ سکی مسعود نے یہ بات دل پر نہ لگائی - وہ جن لوگوں میں اٹھتا بیٹھتا اور کام کرتا تھا وہ کھلے ذہن اور عقیدے کے پکے لوگ تھے، جو پیسے شادی کے لئے رکھے تھے ان میں سے کچھ تو اماں کے تجہیز و تکفین پر خرچ ہو گئے اور کچھ شادی پر، اس نے اپنے اور فروا کے کئی ارمان نئے مہینے کی تنخواہ ملنے تک سنبھال لئے۔ اس کا ارادہ تھا سب سے پہلے وہ پانی کی ایک چھوٹی ٹینکی غسل خانے کے اوپر رکھوائے گا۔ جس کی اسے اس ہفتے اشد ضرورت محسوس ہوئی ایک ہی محلے میں رہتے ہوئے فروا نے کبھی اپنی ماں کی طرف جانے کا نام بھی نہیں لیا۔ اور اگر چھوٹے بہن بھائیوں میں سے کوئی ملنے آ جاتا تو ڈانٹ ڈپٹ کر انہیں بھگا دیتی اور مسعود کے غصے کی جھوٹی بات بنا کر انہیں دو گھڑی بیٹھنے بھی نہ دیتی اور واپسی کا راستہ دکھا دیتی -

کھلتی رنگت اور پتلے نین نقش رکھنے والی فروا اپنے متناسب جسمانی خدوخال سمیت مسعود کی ہو کر اب اس کی کمزوری بن گئی تھی - اس کی طبیعت اور مزاج کے خلاف وہ ایک انچ بھی ادھر ادھر سرکنے کا سوچ نہیں سکتا تھا - اس نے دوسری جگہ پارٹ ٹائم جاب کی بات بھی کر رکھی تھی اور خیال دل میں یہی تھا کہ شادی کے دو تین ماہ بعد وہاں جانا شروع کرے گا تب تک شام کا تھوڑا وقت فروا کو باہر کہیں نہ کہیں گھمانے لے جایا کرے گا -

قسمت کے دھنی وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنے ارادوں کی دھول میں زندگی سے خوشبو چرا کر اپنے خوابوں کا

چمن گل وگلزار کرتے ہیں۔ فروا بھی اب مہکنے لگی تھی اور یہ سب مسعود کی اس محبت کی بدولت تھا جسے وہ اپنی محنت سے تنا آور درخت بنا رہا تھا۔

مسعود کی دو جگہ پر نوکری سے گھر کے حالات بھی بدلے اور فروا کے مزاج بھی، فروا کے قسمت سے گلے شکوے اب قدرے کم ہو گئے تھے لیکن مسعود تھکا ہارا سا رہنے لگا۔

چھٹی والے دن بھی اپنے ٹوٹتے بدن کے ساتھ بستر کی شکنوں میں یکجان ہو کر بے سدھ پڑا سویا رہتا۔ فروا کئی دفعہ اس کی ناک کے آگے اپنا ہاتھ رکھ کر اس کی سانس کی حرارت محسوس کر کے مطمئن ہوتی اور کبھی اس کے پیٹ کو ہلتا دیکھ کر شکر کرتی۔

ایک انجانا سا خوف اس کے اندر بیٹھ گیا کہ کہیں اس کی اس خوشحال زندگی کو نظر نہ لگ جائے۔ مسعود کے ساتھ گھومنے پھرنے بھی اب کم ہی جاتی بلکہ ہر وقت چیزوں کی ترتیب اور گھر کی صفائی ستھرائی میں لگی رہتی۔

فروا کے والد ایک دوپہر اسے ملنے آئے تو گھر میں رکھی نئی نئی چیزیں دیکھ کر خوش ہوئے لیکن بیٹی کے چہرے پر عدم اطمینان کے سائے انہیں سوچ میں ڈال گئے۔

"ابا کچھ کریدنا چاہ رہے تھے مگر لفظ جوڑ نہیں پا رہے تھے"۔

مسعود نے ابا کے دفتر آنے کا ذکر کیا۔

"مجھ سے تو ایسی کوئی بات نہیں کی، دوپہر میں ہو کر گئے تھے"۔

فروا نے سوچتے ہوئے کہا

"اچھا نہ جانے کیا بات ہو گی جو کر نہ پائے، خدا خیر کرے"

مسعود نے کچھ روپے فروا کو پکڑا دیئے کہ اپنی والدہ کو دے دے۔ مسعود کو فروا کے والد سے بے نام سی انسیت تھی۔ اپنے والد کو تو جب ان کے کندھوں پر بیٹھنے کی عمر میں پہنچا تو اس نے کھو دیا۔ فروا چاہے جتنا

مرضی ان سے کھنچی کھنچی رہتی یہ ایک سعادت مند بڑے بیٹے کی طرح ہی ان سے پیش آتا اور کوشش کرتا فروا کے ذریعے ان کی مالی اعانت بھی ہوتی رہے۔

روزمرہ کے معمولات کی یکسانیت سے اکتا کر مسعود نے ایک ہفتہ کی چھٹی لے کر مری جانے کا پروگرام بنالیا۔

"مری جانا ضروری ہے"،

فروا نے ڈائجسٹ کے ورق الٹتے ہوئے کہا۔

"نہیں ،مری میں ہنی مون منانا ضروری ہے"،

مسعود نے اس سے رسالہ لے کر ایک طرف رکھ دیا اور اس کی کانچ کی چوڑیاں گن کر اتارنے گا۔

"ارے یہ سنہری چوڑیاں تو صرف سات رہ گئیں"،

مسعود نے اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنے سینے سے لگا لیا۔

"ذرا یہ تو بتاؤ یہ ٹوٹ کیسے جاتی ہیں"،

مسعود کی سرگوشی اس کے رخساروں پر دھنک بن کر ان دونوں کو بادلوں کی سفید بگھی میں رنگوں کے ان جزیروں پر لے گئی جہاں صرف وقت کا ساز ایک ہی نغمہ چھیڑتا ہے اور وہ ہے محبت _

اپنے دل کو پرندہ سمجھ کر فروا نے آزاد چھوڑ دیا۔وہ اب ہجرت کر کے مسعود کی سانسوں کی ڈور پر جھول رہا تھا اور یہ اس کا پنجرہ اپنے جسم میں وہم کی تاروں سے مضبوط کر رہی تھی۔

بات مذاق نہیں رہی تھی۔مسعود نے بے یقینی سے فروا کی آنکھوں میں کچھ کھوجنا چاہا_ اس نے مری جانے سے انکار صرف زبان سے نہیں اپنے جسم کی سرد مہری سے بھی کیا۔

" کیا تم پاگل ہو کہ میں مر جاؤں گا"،

مسعود اس کے بے بنیاد خدشے پر آپے سے باہر ہو گیا۔

"ہاں مجھے مرنا ہے مگر اپنے وقت پر اور یہ وقت صرف خدا کو معلوم ہے، نہ تمہیں اور نہ تمہارے خود ساختہ وہم کو" مسعود موٹر سائیکل کی چابی اٹھا کر باہر نکل گیا۔

محلے کی عورتوں نے فروا کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مار کر اسے ہوش میں لانے کی کوشش کی۔ آنکھیں کھولتے ہی اس کے کانوں میں اس کی ماں اور بہن بھائیوں کے رونے کی آوازیں پہنچیں تو وہ تڑپ کر اٹھ بیٹھی۔ اس کی ماں اس شدت سے رو رہی تھی کہ اس کا کلیجہ پھٹ گیا۔

"ابا جی میرے پیارے ابا جی"،

آخری دیدار کے لمحے پلک جھپکنے کی حد سے باہر پرواز کرنے کی اجازت نہیں رکھتے۔

رات تہجد کے لئے نہیں اٹھے، نہ جانے کس وقت بلاوا آیا اور لبیک کہتے ہی بنی۔ مسعود انہیں کندھا دینے والوں میں سب سے پہلے "" آگے بڑھا۔

"بس جی آج ان کی باری کل ہماری"،

کسی عورت کی آواز ابھری

"ہاں جی جب وعدہ پورا ہو جائے تو جانا تو پڑتا ہے"۔

دوسری عورت نے تائید کی۔

فروا نے حوصلے سے اپنی ماں کو سنبھالا۔ بہن بھائیوں میں سب سے بڑی جو تھی۔ اپنوں کے دکھ بھی کتنے عجیب ہوتے ہیں کہ سکھ میں قریب نہ ہو کر بھی سانجھے رہتے ہیں۔

اس کے آنسوؤں میں اس کے گھر کا چم چم کرتا نیا سامان دھندلا گیا۔ جب وعدہ پورا ہوتا ہے تو نظر امیری غریبی تھوڑا دیکھتی ہے۔ اس کی خوشحالی کو لگنے والی نظر وہم کے پنجرے سے نکل کر یقین کی منڈیر پر آن بیٹھی۔ اِک یقین ہی تو ہے جس میں جان ڈالنا انسان کے اختیار میں ہے۔ فروا نے اپنے وہم کی قبر پر آخری مُٹھی مٹی کی ڈال کر اپنی کانچ کی چوڑیوں پر ہاتھ رکھا جو کل تک سات تھیں اور اب تین رہ گئیں

تھیں-چوڑیاں ٹوٹی تھیں یقین نہیں-خدا نہ چاہے تو کائنات کی کوئی شے ہمیں نفع دے سکتی ہے اور نہ نقصان تو پھر زندگی اور موت بھی نظر اور وہم سے کیسے جی اور مر سکتے ہیں

☆☆☆

کچھ پل تیرے نام

تحریر: راحیلہ بنت مہر علی شاہ (ضلع ٹانک)

شام کا وقت تھا...... آسمان کالے بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا...... ہلکی ہلکی ہوا نے دن بھر کی تیز دھوپ کی تمازت کو تھوڑا کم کیا...... اس نے نماز پڑھی تھوڑی دیر تک دعائیں پڑھتی رہی اور پھر جائے نماز رکھ کر کھڑکی میں آ کھڑی ہوئی تیز ہوا کے جھونکوں نے اس کے صبیح چہرے کا طواف کیا اس نے آسمان کی جانب نگاہ کی تو دائیں جانب دھند کے آثار نظر آئے اسے بادلوں سے ڈھکا آسمان ہمیشہ سے بہت اچھا لگتا تھا...... لیکن دھند ہمیشہ اسے کوفت زدہ کرتی تھی لیکن اب یہ دھند میرا کیا بگاڑ لے گی دھند تو وہ تھی جس نے میری سانسیں مجھ سے چھن کرا ڑالی........... میری متاع حیات میرا کل سرمایہ جس کے بعد میں کچھ بھی نہ رہی...... کچھ بھی نہیں سینے میں پھر سے درد اٹھا جسے اندر ہی اندر دبا کر...... اس نے جلدی سے کھڑکی بند کی اور کپڑے اترنے چھت پر چلی گئی...........

سیما...... سیما...... امی کی پکارنے پر سیما فوراً چلی آئی جی امی !!!! ہانیہ کہاں ہے؟ وہ امی موسم خراب ہو رہا ہے دھند آنے والا ہے وہ چھت پر کپڑے اتارنے گئی ہے......

چھت پر گئی ہے !!! پھر سے چھت پر گئی ہے بھاڑ میں جائے کپڑے جانے کیوں دیا آپ نے؟ مجھے بتا دیتی...... کم از کم ارے پہلے ہی کم مصیبت تھی جو آج پھر گئی چھت پر جانے آج کونسی نحوست لے کر آئی گی...... وہ غصے میں بول رہی تھی...... اور لاونج میں چکر پہ چکر کاٹنے لگی................. یہ امی کو کیا ہو گیا ہے؟ آپی کی چھت پر جانے سے اتنی غصہ کیوں ہے........... سیما حیرت سے سوچتے ہوئے امی کو چکر پہ چکر کاٹتے ہوئے دیکھ رہی تھی...... جاؤ جلدی سے دیکھ آو کیا کر رہی ہے چھت پر کمبخت...........

...... ابھی ان کی بات پوری بھی نہ ہوئی تھی کہ ہانیہ کپڑوں کے ڈھیر کے ساتھ لاونج میں داخل ہوئی

......سیمانے بے ساختہ ٹھنڈی سانس لی کیا کر رہی تھی؟ چھت پہ اتنی دیر کیوں کی؟ صوفیہ بیگم نے مشکوک لہجے میں پوچھا...... سیمانے چونک کر ماں کو دیکھا یہ کیا ماجرہ ہے آخر ہوا کیا امی اس طرح کا بی ہیو کیوں کر رہی ہے...... آپی کے ساتھ وہ ششدر سوچ رہی تھی .... جواب میں ہانیہ نے اتنے سرد نگاہوں سے صوفیہ بیگم کو گھورا کہ وہ سرتاپا فریز ہوگئی...... کچھ لمحے یوں ہی ساکت سی کھڑی رہنے کے بعد ملنے کے قابل ہوئی اور بے دم سی ہو کر صوفے پر ڈھے گئی...... ہانیہ کپڑے لے کر جا چکی تھی جبکہ حیرت سے گنگ سیما آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی آئی اور ماں کے پاس صوفے پر بیٹھ گئی...... صوفیہ بیگم گھبرا کر دوسر کی جیسے کیسی ڈراونے خواب سے بیدار ہوئی ہو سیما پر ایک بار پھر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ کر گرے کیا ہو گیا ہے امی آپ کو اور اس طرح غصہ کیوں کر رہی تھی...... آپی کے چھت پر جانے سے آخر بات کیا ہے وہ آل ریڈی اتنی پریشان ہے...... صدمے میں ہے...... اور آپ اس کے ساتھ ایسا بی ہیو کر رہی ہیں کیوں امی...... سیمانے ماں کے گرد بازو حائل کر کے کہا۔

بتاؤنگی لیکن آ بھی نہیں اس نے کہا اور اٹھ کر کمرے میں چلی گئی............ سیما اچھی خاصی پریشان ہو کر بیٹھی کے بیٹھی رہ گئی.................. کمرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کیا کپڑوں کا ڈھیر بیڈ پر رکھا کچھ دیر اپنے آنسو کو ضبط کرتی رہی، لیکن جب انتہا نہ رہی تو بیڈ پر گری اور آنسوں کو بند توڑنے دیا...... امی .... ابو منہ سے سسکی کے مانند نکلا" اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی کہ اب رونا ہی مقدر تھا اور یہی نصیب تھا اور جن کے آگے ہر بندہ بے بس ہے...... تقدیر کھیل کھیلتی ہے اور انسان بس بے بس سا تماشہ دیکھتا ہے

☆☆☆

.... امی میں کیسے رہونگی اتنے دن وہاں میں آپنے گھر میں ٹھیک ہوں کچھ نہیں ہو گا مجھے ڈونٹ وری اس نے ماں کو قائل کرنے کی کوشش...... نہیں میری چندا آپ کو وہاں جانا ہو گا یہاں اکیلے نہیں چھوڑ سکتے ہم تم کو...... شبانہ پیار سے بولی ابو آپ سمجھاو نا امی کو میں کہیں اور کیسے رہ سکتی ہوں پلیز ابو...... بیٹا

تمہاری امی بلکل ٹھیک کہہ رہی ہے......آپ کو وہاں جانا چاہئے دیکھے بھالے لوگ ہیں......تمہاری امی کی سگی خالہ ہیں......یہاں اور کوئی رشتہ دار نہیں ہیں ان کے سوا سو تم یہ کچھ دن وہاں گزار لینا اس کی بیٹی کے ساتھ تو تمہاری اچھی بنتی ہے ان کے ساتھ گپ شپ کرنا......اور فون پہ بات ہوتی رہی گی پریشان مت ہو بیٹا......ابو نے رسان سے سمجھایا......برے برے منہ بناتے بناتے آخر کو راضی ہوئی......امی ابو کے جانے کے بعد وہ بھی خالہ کے گھر چلی آئی۔ خالہ بہت اچھے سے ملی، خالہ کی ایک ہی بیٹی تھی......جو ہاسٹل میں رہ رہی تھی......خود خالہ ایک اسکول میں پڑھاتی تھی......شوہر حیات نہ تھے......وہ تو پہلے ہی یہاں نہ آنا چاہ رہی تھی......اور آنے کے بعد یہاں تنہائی نے اور زیادہ بور کر دیا......سارا دن بس بولائی بولائی سی پھرتی تھی......اور پھر اس کی زندگی میں وہ قیامت برپا ہوگئی......چینل سرچ کرتے کرتے اچانک ان کی انگلی رکی حاجی خیموں میں آگ بہت سے افراد زخمی اور جاں بحق ابھی زخمیوں اور مرنے والوں کی تعداد کا اندازہ نہیں خبروں کی تفصیل بریک کے بعد......یا اللہ خیر اس کے لب لرزے جلدی سے ابو کو فون ملایا۔

خ خالا......ابو................کا فون بند آرہا ہے..........اس نے آنسو سے بھری آنکھوں سے خالہ کی طرف دیکھ کر کہا اللہ خیر کرے بیٹا امی کو فون ملا کر دیکھو......ام امی................کا بھی بند ہے خالہ وہ بولی اور ہچکیوں سے رو پڑی......اس دن کے بعد زندگی کیسے گزرنے لگی......اسے کسی چیز کا ہوش نہ رہا نہ کھانے کا نہ پینے کا بس زندہ لاش بن کر رہ گئی......کیا سوچا تھا......کیسے کیسے ارمان تھے......کیسے خواب دیکھے تھے سب کے بخیئے ادھڑ گئے اپنوں نے بس فون پر رسمی سا اس کے ساتھ تعزیت کی اور جان چھڑا لی اپنے تھے بھی کتنے دو ماموں جو انگلینڈ میں مقیم تھے......باقی کسی کے ساتھ نہ تو کوئی رابطہ تھا اور نہ ہی کبھی اس نے جاننے کی کوشش کی تھی......اگر امی ابو نے ددھیال کے بارے میں کچھ بتایا نہیں تو کوئی وجہ ہو گی......اور ہانیہ کیلئے سب کچھ امی ابو تھے................رشید اعظم کے دو بھائی وہ دونوں

سے چھوٹا تھا......وہ ابھی چھوٹا تھا جب ماں باپ دارفانی سے کوچ کر گئے......تب اس کی تعلیم اور اخراجات دونوں بھائیوں نے اٹھائے......لیکن جب دونوں کی شادی ہوگئی......اور ایک دن دونوں کے بیچ حالات کشیدہ ہو گئے......تو بات سب کچھ علیحدہ کرنے پر ختم ہوئی......اور بٹوارے میں رشید اعظم یہ کہہ کر دودھ میں مکھی کی طرح نکال پھینکا کہ ہم اتنا پیسہ آپ کے تعلیم پر خرچ کر چکے ہیں......اور وہ اس وقت دلبرداشتہ ہو کر گھر سے نکل آئے پھر پلٹ کر نہ وہ واپس گئے نہ ان لوگوں نے خبر لی......کیونکہ اب اس گھر میں ان کی جگہ بھی تو نہیں رہی" اور پھر کھٹن حالات کا سامنا کرتے کرتے اللہ اس پر مہربان ہوا...... پہلے اسے ایک کمپنی میں معمولی سی نوکری ملی اور آج وہ کئی فلکٹریوں کے مالک تھے............بس ماموں کا ایک بیٹا فرحاد ہی تھا جو بڑے ماموں کا بیٹا تھا جس کے ساتھ وہ بچپن سے منسوب تھی......جو روز کال کرتا اس کی دلجوئی کرتا اور جلد از جلد آنے بھی لگا تھا...... پہلے اس کے بھی خواب تھے......ارمان تھے لیکن جب جینا ہی سزا بن جائے تو کہاں کے خواب اور کہاں کے ارمان......آپی اللہ کیلیے مرنے والوں کے ساتھ مرا نہیں کرتے......سنبھالو آپنے آپ کو......ایسے کیسے چلے گا سیما نے اس کے زرد چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا......اس نے زرا کی زرا نظریں اٹھائی سیما کا دل کٹ کر رہ گیا......کتنی ویرانی تھی اس کی آنکھوں میں، بلکل خالی سب کو کچھ چھن گیا تھا......کچھ بھی تو نہ رہا، سنبھل کر کیا کرونگی سیما؟ میرے پاس تو جینے کی وجہ تک نہیں رہی......خالی نگاہوں اسے تھکتے ہوئے بولی......سیما کی آنکھیں بھی نم ہوگئی...... اسے پتہ تھا کہ خالی خولی تسلی سے اس کی تشفی نہیں ہوسکتی پھر بھی اس نے کوشش کی......لیکن کامیاب نہیں ہوسکی......اور پھر دکھے دل کے ساتھ واپس ہاسٹل چلی گئی......کتنے دن سوگ منانے کا ارادہ ہے؟ بی بی یہاں تمہارے نوکر نہیں لگے ہیں......اپنے کپڑ و وغیرہ کو خود دھویا کرو خالہ نے نخوت سے اس کے کپڑے وہاں پھینکے اور کمرے سے نکل گئی......ماں باپ کی کوئی خبر نہ آئی تو سب نے کہا کہ شاید وہ بھی مرنے والوں میں شامل ہوں......اور تب خالہ نے بھی نظریں بدل لی......اس کا زیادہ تر وقت چھت پہ گزرنے

لگا......اور جب بھی وہ چھت پر جاتی خالہ کا پارا ہائی ہوتا لیکن اسے اب جیسے کچھ محسوس ہی نہیں ہوتا تھا......کون کیا کہتا ہے کیوں کہتا ہے اس کی بلا سے......تنہائی غم کی شدت اور کوئی دو بول تسلی والا نہ ہونے کی وجہ سے بیٹھے بیٹھے خود سے باتیں کرنے لگتی تھی......اور خالہ کو ڈر لاحق ہو گیا تھا کہ شاید اس پہ کسی آسیب کا سایا ہے......اور پھر دو دنوں میں، ہاں دو دنوں میں خالہ نے وہ کیا کہ اس کا رہا سہا خون بھی نچڑ گیا

...........خالہ آپ ایسا نہیں کر سکتی وہ کڑے تیوروں کے ساتھ خالہ کے سر پر پہنچی......اے ہے کیوں نہیں کر سکتی تمہارے ماں باپ تو رہے نہیں تو اب تم میری زمہ داری ہو......زین اچھا لڑکا ہے پرچون کی دوکان ہے اور...............تو آپ اپنی بیٹی کی شادی کر دیں ان کے ساتھ اور مجھے بخش دیں خالہ کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی اس نے سرد لفظوں میں کہہ کر خالہ کو چپ کرا یا لیکن یہ وقتی خاموشی تھی بہت جلد وہ اس کا نکاح کرانے کا ارادہ رکھتی تھی......اتنی دن خالہ کے ساتھ رہ کر وہ بھی اس کی خصلت سمجھ چکی تھی......رات اپنی پیکینگ کر کے صبح سویرے کیسی کو بتائے بنا اپنے گھر روانہ ہوئی......گھر پہنچ کر ایک بار پھر اس کے زخموں سے خون رسنے لگا......گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھی اپنے خالی ہاتھوں کو دیکھا پھر اپنے خالی ویران گھر کو حلق میں آنسو کے گولے اٹکے ہونٹ لرزنے لگے ہلکی ہلکی سسکی منہ سے نکلی اور اچانک پھوٹ پھوٹ کر رو دی......جب رو رو کر دل تو ڑا شانت ہوا تو وضو کر کے اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہو گئی......نوافل پڑھنے کے بعد تلاوت کی......اچانک فون کی گھنٹی بجی اس نے چونک کر اپنے موبائل کو دیکھا......موبائل اٹھا کر دیکھا تو اجنبی نمبر تھا اس نے لیس کا بٹن پریس کیا......ہانیہ عاظم سلام کے بعد اس آدمی نے تصدیق چاہی......جی خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا......رشید عاظم اور اس کی اہلیہ باقی زخمیوں کے ہمراہ پاکستان لائے جا چکے ہیں......سٹی ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہیں......آپ فورا آ جائیں اس آدمی نے کہا......اور ہانیہ ہانیہ پر شادی مرگ کی کیفیت طاری ہو گئی امی ابو زندہ ہیں؟ آنکھوں کے بجھے جوت پھر سے چمک اٹھے......اس وقت اس کی حالت ایسی تھی......جیسے تپتے

صحرا میں آبلہ پا چلنے والے بھوکے پیاسے بے منزل مسافر کو ٹھنڈی چھاؤں میسر آ جائے یا اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے میرے مولیٰ میں کیسے تیرا شکریہ ادا کروں میرے مالک......اس نے بے ساختہ آسمان کی جانب دیکھا اور اللہ کا شکر ادا کیا خوشی اور سرشاری اس کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی......خوشی سے لرزتے کانپتے جلدی جلدی ابو کے دیئے چیک پرس میں ڈالے موبائل لیا اور گھر کو لاک کر کے ہوسپٹل روانہ ہوئی......تھوڑی سی محنت کے بعد اسے امی ابو کا وارڈ ملا......تو ہوا کے دوش پر جیسے وہاں پہنچی امی ابو کو دیکھ کر اس کے ضبط کے بندھن پھر سے ٹوٹے......کبھی امی تو کبھی ابو کے پاس جاتی ان کے ہاتھ پیر چومتی وہ دونوں بھی رو رو کر بیٹی کی دیوانگی کو دیکھ رہے تھے......دونوں کی حالت اب خطرے سے باہر تھی......ادھر آ جاؤ نی شبانہ بیگم نے نقاہت بھری آوز میں کہا......وہ جلدی سے ابو کے پاس سے اٹھ کر ماں کے پاس آئی......شبانہ نے بیٹی کے پر ہاتھ پھیر کر اس کو اپنے سینے پر رکھ دیا......میری بچی کیا حالت ہو گئی ہے تیری......ایسے تو چھوڑ کر نہیں گئے تھے......اپنی بیٹی کو وہ رو دی......فکر نا کریں امی اب آپ لوگ آ گئے ہے نا......تو اب پھر سے آپ کی بیٹی پہلے جیسے ہو جائی گی......ان شاء اللہ

دونوں نے ایک زبان ہو کر کہا......اس نے فوراً دونوں کو ایک اچھے پرائیویٹ ہسپٹل میں منتقل کیا دونوں کے ایڈمٹ ہونے اور باقی کاروائی پوری ہونے کے بعد......اس نے اپنا موبائل چیک کیا ،فرحاد کو پہلے ہی وہ خبر دے چکی تھی......او ہووو سیما کے دس مسڈ کالز......اس نے فوراً سیما کو کال ملائی......آپ کہاں ہیں؟ گھر سے کیوں بنا بتائے چلی گئی ......آپی؟ پتہ ہے......میں کتنی پریشان ہوں......اور فون کیوں نہیں اٹھا رہی تھی؟ اس نے ایک ہی سانس میں سوال کر ڈالے......سیما......سیما میرے امی ابو زندہ ہیں ابھی میں ان کے پاس ہوں......خوشی سے اس کی آواز لرزنے لگی......سچ کیا

واقعی آپی!!! سیما خوشگوار حیرت میں گر کر بولی......ہاں سیما اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے......او کے آپی کونسے ہسپتال میں ہے......مجھے بتاو ہم ابھی آتے ہیں......سیما خوش ہو کر بولی......اس نے پتہ سمجھا دیا

......تھوڑی ہی دیر میں وہ دونوں وہاں پہنچیں......شبانہ بار بار صوفیہ بیگم کا شکریہ ادا کر رہی تھی کہ اس نے نے اس کی بیٹی کا خیال رکھا......ہانیہ کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ کھیل رہی تھی ......صوفیہ بیگم گھبرا کر بار بار ہانیہ کی جانب دیکھ رہی تھی ......جیسے ابھی ابھی اس کا پول کھول دے گی......لیکن وہ سیما کے ساتھ باتوں میں مصروف تھی ......جاتے وقت خالہ نے اسے باہر آنے کا اشارہ کیا......بب بیٹا اللہ کے واسطے مجھے معاف کردو اور شبانہ سے کسی بات کا ذکر مت کرنا......وہ ملتجی سی ہاتھ جوڑ کر بولی اس نے فوراً اس کے ہاتھ تھامے خالہ جو ہوا اسے میں بھول چکی ہوں......پلیز آپ بھی بھول جائیں......مجھے میرے ماں باپ ملے میرے لئے یہ بات آہم ہے......باقی مجھے کچھ یاد نہیں اس نے کہا تو بے ساختہ خالہ کے منہ سے ٹھنڈی سانس خارج ہوئی شبانہ اسے اچھی خاصی رقم دی تھی حج پہ جانے سے پہلے آئندہ ایسے متوقع رقم سے وہ ہاتھ نہیں دھونا چاہتی تھی اس لئے اس سے معافی مانگی ....دونوں کو خدا حافظ کہہ کر وہ وہ واپس کمرے میں جانے والی تھی ......کہ ٹھٹک کر رکی ......وہ بھی متحیر سا اسے دیکھے جا رہا تھا......تم تم ہنی ہی ہونا؟ قریب آ کر وہ سلام نہ دعا حیرت سے پوچھا ....اسلام علیکم اس نے جھٹ سے سلام پیش کیا وعلیکم سلام......اس نے فوراً جوابی سلامتی بھیجی لگتا ہے آپ کے سلام کا رواج نہیں اس نے طنز سے کہا اپنی وے کیسے ہیں آپ اور جس وقت میں نے آپ کو فون کیا......اس وقت تو آپ نے یہ نہیں کہا......کہ میں آ رہا ہوں......؟ میں تو ٹھیک ہوں لیکن تم مجھے ٹھیک نہیں لگ رہی اور لگتا ہے تمہارے ہاں مہمان کو بٹھانے کا رواج نہیں اس نے اپنا بدلہ لے کر کہا......چلو کینٹین چلتے ہیں وہ فوراً بولی کینٹین کی طرف چل دی کینٹین میں آمنے سامنے بیٹھ گئے......کیا لیں گے آپ؟ فلحال کچھ نہیں تم نے جو کھانا ہے تم کھاؤ۔

......نہیں مجھے بھی بھوک نہیں ....کیسے ہیں خالہ خالو؟ اب تو ماشاءاللہ بہت بہتر ہیں......ہانیہ نے کہا ......اور تم نے یہ کیا حالت بنالی ہے؟ فرحاد!!! کیا آپ کو لگتا ہے جو کچھ ہوا وہ کم تھا؟ میں لمحہ لمحہ مری ہوں ....میرے سانسیں چلتے ہوئے بھی نہیں چل رہی تھی ......یتیمی بہت ......جان لیوا ہے فرحاد اگر کچھ

دن مزید اس طرح گزرتے تو شاید میرا دل پھٹ جاتا......اللہ نہ کرے دل پھٹے تیرے دشمنوں کے وہ بڑے بوڑھوں کے انداز میں بولا" ایم سیریلس فرحا دوہ بولی......ہاں تو میں کونسا لطیفے سنا رہا ہوں......ہاں مگر کیا سوچ کر آئی تھے......اور کیا ہو گیا......وہ کرسی کے پشت سے ٹیک لگا کر ٹھنڈی آہ بھر کر بولا کیا سوچ کر آئے تھے آپ؟......ہم تم سے شادی کا سوچ کر آئے تھے لیکن آپ کو دیکھ کر...........اس نے جان بوجھ کر جملہ ادھورا چھوڑا......لیکن کیا؟ اس نے کڑے تیوروں سے اسے گھورا......اب اس ہڈیوں کے ڈھانچے، زرد چہرے اور آنکھوں کے گرد حلقوں والی لڑکی سے شادی تو نہیں کر سکتے نا......وہ یوں ہی اسے تنگ کرنے کو بولا......تو کر لیتے نا وہاں کیسی گوری بھینس سے شادی وہ جل کر بولی......مشکل تھا یار کیونکہ وہاں بھینسیں نہیں ہوتیں......اسے جیسے صدمہ تھا اس بات کا......تو یہاں کر لو وہ اسے گھور کر بولی......ہاں یہ ٹھیک ہے وہ خوش ہوا......فوراً سیدھا ہو کر بیٹھ گیا......تم ڈھنڈ ولو نا کوئی دلچسپی سے اسے جلتا دیکھ کر بولا!!!!میں گولی نہ ماروں اسے وہ کلس کر بولی......اس نے بمشکل ہنسی لبوں میں دبا لی دل خوشی سے بلیوں اچھلنے لگا......کسے؟ وہ اس کی گہری آنکھوں میں جھانک کر بولا......بھاڑ میں جاؤ، وہ اچھی خاصی جلال میں آ گئی......اور واک آوٹ کر گئی...........پیچھے پیچھے وہ بھی سرشار سا چل دیا......

اسلام علیکم خالہ خالو وہ اندر آ کر باری باری دونوں کو دیکھ کر بولا......دونوں بے تحاشہ خوش ہوئے......کب آئے ہو بیٹا شبانہ نے محبت سے اپنے لمبے چوڑے ہنڈسم بھتیجے کو دیکھ کر کہا......آپ بھی نہ خالہ مابدولت تو 25 سال پہلے آئے ہیں...........وہ شوخی سے بولا......افففف سیریلس نام کی کوئی چیز نہیں اس میں تو وہ کوفت سے سوچنے لگی......اس کی باتوں پر ابھی تک چڑی ہوئی تھی...........خالہ آپ کی بیٹی یوں منہ پھیرے کیوں بیٹھی ہے؟

پتہ نہیں بیٹا......ہنی !!! کیا ہوا چندا؟ کچھ نہیں امی بس یوں ہی وہ سب کی طرف منہ کر کے بولی......خالہ میں سوچ رہا ہوں جب آپ دونوں مکمل طور پر صحت یاب ہو جائیں تو میری آزادی کو سلب کر لیجیے گا!!

......مطلب شبانہ کو خاک سمجھ میں نہ آیا.........اب اتنے صاف لفظوں میں تو نہیں سمجھا سکتا نا لاکھ انگلینڈ پلٹ سہی پر ہوں تو مشرقی نا اور شرم بھی کوئی چیز ہوتی ہے اس نے شرمانے کی ایکٹینگ کی .... رشید اعظم اس کی بات سمجھ کر بے ساختہ ہنس دیا..........ٹھیک ہے برخوردار ہماری لئے اس سے بڑی خوشی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے.........تب شبانہ کی سمجھ میں بھی شاید بات آ گئی کیونکہ اس نے بھی خوش ہو کر اثبات میں سر ہلایا..............ویسے خالہ خالو یہ کس پہ گئی ہے..........اتنی خونخوار!!اس نے ہانیہ کی طرف دیکھ کر کہا..........اس کی تو سر پر لگی تلووں پر بجھی "آپ آپ میری بات کر رہے ہیں......ہانیہ دانت کچکچا کر اس سے لڑنے پر آمادہ ہوئی.........بلکل آپ ہی کی بات کر رہا ہوں میں..........اس نے خوشی خوشی کہا جیسے اس کی تعریف کر رہا ہو..............اور آپ نے اپنے بارے میں کچھ سوچا ہے کبھی ،ان مینرڈ جسے سلام تک نہیں آتا اور..............شکریہ اس تعریف کا اس نے سر تسلیم خم کر کے اس کی بات کاٹ لی..........ہانیہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اسے کچا چباتی ....شبانہ اور رشید اعظم مسکراتے ہوئے دونوں کو لڑتا ہوا دیکھ رہے تھے......کے اس لڑائی میں بھی دونوں کی محبت نظر آ رہی تھی ......فرحاد آپ ضائع ہو جاؤ گے کسی دن میرے ہاتھوں "ہانیہ بدستور سخت غصہ تھی......ہونہہ ضائع!میں کوئی دانہ پانی ہوں......جو تمہارے ہاتھوں ضائع ہونگا......اس نے ناک پر سے مکھی اڑائی......امی !!!سمجھاو اسے ہانیہ نے امی کی طرف منہ کر کے فریاد کی..........فرحاد کیوں تنگ کر رہے ہو بچی کو؟بچی ! خالہ زیادتی کر رہی ہیں آپ یہ بچی کہاں ہے..........فرحاد کی زبان پھر پھسلی......ہانیہ نے پھر کڑے تیوروں سے اسے گھورا..........اچھا اچھا سوری مجھے معاف کر دو پلیز ززز......

یہ تو ویسے ہی میں تھوڑا ماحول کو فریش کرنے کی کوشش کر رہا تھا......لیکن تم ہی غصہ میں آ گئی......اس نے ہتھیار پھینک کر بلکل بچوں کی طرح منہ پھلا کر کہا تو بے اختیار ہانیہ کو ہنسی آئی...... ماحول بلکل بدل گیا تھا ......غم کے بادل چھٹ گئے......اور خوشی بنا دستک کے جیسے گھر آ گئی......سب خوش تھے......مسرور تھے

......اور آئندہ کیلیۓ پلاننگ کر رہے تھے..........

☆......☆......☆

ناول ☆اک تیرے لوٹ کے آنے سے☆

(قسط نمبر ۱)

تحریر: معصومہ ارشاد سولنگی

بس بس یہی روک دیجیے "اک گھر کے سامنے اس نے ڈرائیور کو رکنے کا اشارہ کیا "میم صاحب لینے کب آؤں" ڈرائیور نے دروازہ کھولا اور اس کے اترتے ہی ادب سے پوچھا......شام کو لینے آجانا اور ہاں صاحب کو کہنا کے وہ کنزی بی بی کو سکول سے لینے خود جائیں "اس نے ڈرائیور کو ہدایت دی "او کے میم صاحب" ڈرائیور نے گاڑی ریورس گیئر میں لی تو وہ بھی دروازے کی جانب بڑھی اور ڈور بیل بجانے لگی۔ "تھوڑی ہی دیر میں اک سات سالہ بچہ دروازہ کھول کے اس کے سامنے کھڑا تھا"۔ بیٹا آپ کی امی گھر میں موجود ہیں "جی ہاں آنٹی پر آپ کون ہیں؟" بچے کی معصومیت سے پوچھے گئے اس سوال پر اس کو بے تحاشہ پیار آیا اس سے پہلے کے وہ کوئی جواب دیتی اندر سے آنے والی جانی پہچانی آواز نے اس کو اپنی طرف متوجہ کیا کون ہے بیٹا؟

"پتا نہیں امی کوئی آنٹی ہیں جو آپ سے ملنا چاہتی ہیں "عرفی نے دروازے سے ہی جواب دیا تھا اور وہ آواز اک بار پھر سے سنائی دی

"تو بیٹا اندر لے آؤ ناں ان کو" یہ کہتے ہی شاید وہ خود بھی تب تک ان دونوں کے قریب ہی پہنچ چکی تھی۔

"میں واقعی درست گھر میں ہی آئی ہوں نہ اور آپ شگفتہ ہی ہو ناں "وہ بچے کے پاس کھڑی عورت کو دیکھ کر بلکل ہی دنگ رہ گئی تھی اس یقین ہی نہیں ہوا کے آیا یہ وہی شگفتہ ہے جس کو وہ سات سال پہلے جانتی تھی" تم اب تک نہیں بدلی ہو عظمی "شگفتہ نے اس کے بولنے کے انداز سے اسے جھٹ پہچان لیا اور مسکراتے ہوئے مخاطب ہوئی "پر تم تو بہت بدل گئی ہو شگو "ایک دوسرے کے گلے ملیں تو اتنے عرصے

کی جدائی آنسوؤں کی صورت آنکھوں سے بہنے لگی جن کو مسکراتے ہوئے صاف کرنے کے بعد اک دوسرے سے شکوے کرنے لگیں اتنے عرصے بعد ماں کو مسکراتا دیکھ عرفی بہت خوش ہوا "امی یہ آنٹی کون ہیں" وہ اس آنٹی کا تعرف چاہتا تھا۔ "بیٹا یہ میری بچپن کی سہیلی ہے"

"شگو ماشاءاللہ کتنا پیارا بیٹا ہے تمہارا؟" عظمی نے عرفی کے گالوں کو سہلایا کیا نام ہے بیٹا آپ کا؟" اس نے اس بار سوال بچے سے ہی کیا آنٹی میرا نام عرفان ہے"

" عظمی جب تک تم بیٹھ کر عرفی سے باتیں کرو میں تمہارے لیئے چائے بنا کر لاتی ہوں پھر مل کر باتیں کریں گے "اوکے جناب آپ جاؤ ہم پرنس عرفان سے ہی باتیں کر لیتے ہیں آیئے پرنس" عظمی عرفی کو لے کر صوفے پر بیٹھ گئی جب کے شگفتہ کچن کی جانب بڑھی ہاں تو پرنس کون سی کلاس میں پڑھتے ہیں آپ "i study in class three" عرفی کی اتنے پیارے اور جاندار لہجے کے ساتھ انگریزی میں جواب دینے نے عظمی کو کافی متاثر کیا "ارے واہ آپ تو کافی اچھی انگلش بول لیتے ہو کون سی مس پڑھاتی ہیں"

"مس ماریہ ہماری انگلش ٹیچر ہیں" اچھا یہ بتائیں آج سکول کیوں نہیں گئے آج تو کوئی چھٹی بھی نہیں" "ٹیچر نے کہا تھا کے کل اگر فیس نہیں لے کر آئے تو کلاس میں بیٹھنے نہیں دیا جائے گا۔ امی نے فیس نہیں دی تو اس لیئے میں سکول نہیں گیا" بچے کے معصومیت میں دیئے گئے جواب میں اک عجیب سا کرب تھا جو عظمی کو بے چین کر گیا تو آپ نے اپنے ابو سے کہا ہوتا نہ بیٹے "آنٹی میرے ابو تو ہیں ہی نہیں"

" کیا؟" عظمی کو جیسے شاک سا لگا وہ تقریبا چیخی تھی ہاں آنٹی امی کہتی ہیں ابو میرے لیئے ڈھیر سارے کھلونے اور کتابیں لینے گئے ہیں "تو کیا آپ نے اپنے ابو کو کبھی نہیں دیکھا" نہیں "عرفی کے مختصر سے جواب نے حیرت کا اک بڑا جھٹکہ دیا تھا اس کو حیرت ہے شگفتہ نے تو کبھی ذکر ہی نہیں کیا اس کا" عظمی نے زیر لب بڑبڑایا اور کچھ سوچنے لگی ."ارے شگفتہ بیٹی ذرا میرے لیئے ایک کپ چائے کا تو بنا دے

"شگفتہ کی ساس کی آواز نے اس کی سوچ کا سلسلہ منقطع کر دیا" ارے دادی یہ امی تھوڑی نہ ہیں یہ تو عظمی آنٹی ہیں "عرفی نے دادی کو ٹوکا تو اس نے ہاتھ میں پکڑا چشمہ دوپٹے کے کونے سے صاف کر کے آنکھوں پر لگا لیا "سلام خالا جی" عظمی نے اٹھ کر سلام کیا تو شگفتہ کی ساس نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اس کو دعا دی جیتی رہو بیٹی ،بیٹھو بیٹی بیٹھو "اس نے بیٹھتے ہی عظمی کو بھی بیٹھنے کے لیئے کہا

"معاف کرنا بیٹی میں سمجھی شگفتہ بیٹی بیٹھی ہے۔ یہ بڑھاپا بھی عجیب ہے نظر سماعت سب پر بھاری پڑ جاتا ہے "اس نے بڑھاپے کو کوسا جب کے عظمی نے صرف مسکرانے پر ہی اکتفا کیا تم کیسی ہو بیٹی؟

"اللہ کا شکر ہے خالہ میں ٹھیک ہوں "اس نے مسکرا کے جواب دیا اور سدھیر بیٹا کیسا ہے ساتھ نہیں آیا تیرے؟"

"وہ بھی ٹھیک ہیں خالہ اور آفس کے کام میں تھوڑے بزی تھے اس لیئے نہیں آئے۔ میں نے کہہ دیا کے میں تو اپنی سہیلی سے مل آؤں آپکی مرضی ہے جب جی چاہے اپنے دوست سے مل لیجیئے گا "شھباز کا ذکر سن کر شگفتہ کی ساس کا منہ بلکل ہی اتر گیا ایسے لگ رہا تھا گویا عظمی نے کوئی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا ہو اسکو سمجھ نہیں آرہا تھا کے آخر یہ سب کیا ہے کہیں شھباز۔۔۔وہ اس سے آگے سوچ ہی نہیں پائی کیوں کے اس وقت تک شگفتہ چائے اور دوسرے لوازمات کے ساتھ آ چکی تھی۔۔

چائے ختم ہونے کے بعد شگفتہ کی ساس نماز کے لیئے اٹھی تو عظمی نے موقع دیکھ کر بات شروع کی "شگو !عرفی بتا رہا تھا کہ اس نے اپنے ابو کو نہیں دیکھا۔اور خالہ سے ذکر کیا تو وہ بھی افسرزدہ سی ہو گئیں آخر بات کیا ہے؟"وہ کافی دیر سے اس معمے کو حل کرنے کی کوشش میں تھی مگر شگفتہ کی ساس کی موجودگی میں وہ کچھ بھی پوچھنے کی ہمت نہیں کر پا رہی تھی عرفی بیٹا آپ جاؤ باہر جا کر کھیلو" شگفتہ نے اپنے بیٹے کو بہانے سے باہر بھیج دیا اور پھر خود پوری طرح سے عظمی کی جانب متوجہ ہوئی کچھ دیر تلک "وہ خاموش بیٹھی خالی نظروں سے اپنے ہاتھ کی لکیروں دیکھنے لگی "میں تم سے کچھ پوچھ رہی ہوں شگو؟" عظمی

نے کپ ٹیبل پر رکھا اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر گویا اپنا سوال پھر سے دہرایا۔" عظمی وہ مجھے چھوڑ کر کر چلا گیا ہے کسی اور کے ساتھ "اک سرد آہ اس کے سینے کی قید سے آزاد ہوئی جس کے نتیجے میں آنسوؤں کو بھی روانی مل گئی"واٹ؟ آئی ڈونٹ بلیواٹ" عظمی کو گویا اپنی سماعت پر یقین ہی نہیں آیا "ہاں یہ ہی سچ ہے"اس نے اپنے آنسوؤں کو پونچھنے کی ناکام سی کوشش کی لیکن کیوں؟ یہ سب کیسے ہوا؟ کب گیا وہ؟" عظمی کے سوال تھے کے ختم ہی نہیں ہو رہے تھے بہت عرصہ پہلے "آنسوؤں نے لُھجے کو بھی بھگو کے رکھ دیا کیا عرفی کی محبت بھی اسے واپس نہ لا سکی" عظمی کے آگے عرفی کا معصوم سا چہرا آ گیا "عرفی کا وجود اس وقت میرے اندر تین مہینے کا تھا عظمی "اور ایسے میں بھی تم نے اس کو جانے دیا کیسی بیوی ہو تم" عظمی کو شگفتہ پر غصہ آ رہا تھا"بس ایسی ہی ہوں میں خیر چھوڑو ان باتوں کو تم اپنی سناؤ ارے ہاں سدھیر بھائی کیسے ہیں شگفتہ نے خود ہی موضوع بدل دیا ٹھیک ٹھاک مزے میں کس کر جو رکھا ہے میں نے" عظمی نے اپنے مخصوص انداز میں جواب دیا تو شگفتہ بھی مسکرا دی سنا تھا تمہارے ہاں اک بیٹی ہوئی ہے کیا نام تھا۔۔" شگفتہ وہ نام یاد کرنے کے لیئے ذہن پر زور دینے لگی۔

" کنزی، سدھیر کو بہت پسند تھا یہ نام سو میں نے سوچا بیٹی پر رکھ دیتی ہوں ہر کنزی کو باپ کی نظر سے دیکھے "یہ سن کر شگفتہ کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"تم نہیں بدلی عظمی بلکل بھی نہیں اب تک ویسی کی ویسی ہو۔اچھا یہ بتاؤ اب مستقل پاکستان میں رہنے کا ارادہ ہے یا پھر سے اڑ جاؤ گی لندن" دیکھیں کیا ہوتا ہے سدھیر کوشش تو بہت کر رہے ہیں یہاں پر شفٹ ہونے کی۔ پر اتنا پھیلا ہوا بزنس وائنڈ اپ کرنے میں کچھ وقت تو لگتا ہے ناں؟

"اب وہ بھی سنجیدہ ہو گئی ہاں یہ تو ہے" شگفتہ نے بھی اس کی تاعید کی۔

"یار شگو انکل اور آنٹی کیسے ہیں "بلکل ٹھیک کچھ دن پہلے ہی فون پر بات ہوئی تھی ان سے"فون پر بات ہوئی تھی مطلب تم جاتی نہیں ہو کیا وہاں؟"چلی جاتی ہو یار بس سال میں اک دو

بار "ایک ہی شہر میں رہتے ہوئے بھی سال میں اک دو بار" عظمی قدرے حیران ہوئی

"ایک ہی شہر میں کہاں اب وہ اسلام آباد شفٹ ہو چکے ہیں "اچھا کتنا کچھ بدل گیا ہے نہ یہاں اور ہم

وہاں پردیس میں مانو سب سے بے خبرو بے نیاز جیتے ہیں" عظمی کو اس نے بہت گہری سوچ میں گم کر دیا

"امی باہر کسی آدمی نے یہ لفافہ دیا ہے "عرفی نے ماں کے ہاتھ میں اک لفافہ پکڑا کر پھر سے

باہر کی جانب دوڑ لگائی کیا ہو سکتا ہے اس میں "باہر سے کورٹ کا اسٹیمپ دیکھ کر وہ خود سے بڑبڑائی جب

لفافہ کھول کر پڑھنے لگی تو اس کے چہرے کے تاثرات بدلتے گئے جنہیں دیکھ کر عظمی بھی اس کی طرف

متوجہ ہو گئی آخر ہے کیا اس میں؟ اتنا پریشان کیوں ہو گئی ہو؟"

تم خود ہی دیکھ لو "اس نے لفافہ عظمی کے ہاتھ میں پکڑایا یہ تو گھر خالی کرنے کا نوٹس ہے۔ مگر شگو جہاں تک

مجھے یاد پڑتا ہے یہ گھر تو تمہارے نام تھا تمہارے برتھ ڈے پر گفٹ دیا تھا شھباز نے تمہیں "ہاں تھا تو

میرے نام مگر شھباز نے گروی رکھ کر پیسا بزنس میں لگایا تھا۔ اور وہ بزنس ٹھپ ہو چکا تھا۔ "بے اختیار

اس کی آنکھوں میں آنسو جاری ہو گئے اور اس کے لبوں پر زخمی مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے صوفے پر

ٹیک لگا کر آنکھیں موندھ لی خود اسی نے اجاڑا معصومہ آشیاں ہمارا تھا بخشا کبھی ہمیں سائبان جس

نے۔

☆......☆......☆
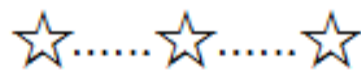
"شگو! کیا جادو کیا ہے بچارے پر کے ہلتا تک نہیں صرف تیرا دیدار ہی کیے جا رہا ہے "ہاتھوں

میں کتاب لیئے شگفتہ اور عظمی کلاس سے باہر آ رہی تھیں تبھی ان کی نظر سامنے والے کلاس روم کے

دروازے پر کھڑے ایک لڑکے پر پڑی جو بغور شگفتہ کو ہی گھورے جا رہا تھا اور یہ سلسلہ پچھلے ایک ماہ سے

جاری تھا آج عظمی سے رہا نہیں گیا تو اس نے پوچھ لیا میں کوئی جادوگرنی ہوں کیا جو جادو کرنے لگی

خود ہی دیوانہ ہوا جا رہا ہے

"اس نے لاپرواہی سے جواب دیا تو کردو نہ بچارے کے دیوانے پن کا علاج" عظمی شرارت پے اتر آئی
میں کوئی ڈاکٹر نہیں جائے کسی ڈاکٹر سے رجوع کرے" لہجے میں ابھی تک وہی لاپرواہی تھی۔
ہائے اللہ شگو اتنی بھی سنگدل مت بنو" عظمی نے قدرے نرم لہجے میں کہا اور اک نظر اس لڑکے کو دیکھا اچھا
جی اگر اتنی ہی ہمدردی ہے تو آپ ہی کردیں نا علاج۔"وہ بات کرتے کرتے ایک درخت کے سائے
میں آ کر کھڑی ہو گئیں میرے پاس تو ایک پیشنٹ پہلے سے ہی موجود ہے، میں دوسرے کا علاج کیسے
کروں۔ویسے شگو لڑ کا بہت اچھا ہے ہاتھ سے نکلنے مت دو" عظمی نے اس کو مفت مشورے سے نوازا
تو شگفتہ بھڑک اٹھی اچھا اب چھوڑو یہ بکواس چلو اب کینٹین چلتے ہیں مجھے بہت بھوک لگی ہے۔" جاتے
جاتے عظمی نے ایک بار پھر سرسری نظر اس لڑکے پر ڈالی۔۔۔۔۔
شگفتہ ایک کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتی تھی وہ اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھی اس لیئے زیادہ
لاڈلی بھی تھی۔اس کے پاپا اک جانے مانے وکیل تھے خاندان بھر سے اور دوست احباب کی طرف سے
اس کے لیے کئی رشتے آئے تھے مگر اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا تھا کے میں اپنی بیٹی کا رشتہ اس کی مرضی
کے بغیر نہیں کرنا چاہتا اور ابھی وہ پڑھنا چاہتی ہے آگے چل کر ہماری بیٹی نے جس کو پسند کیا ہم
تو اسی کو اپنا داماد بنانا چاہیں گے۔
شگو ذرا ادھر تو دیکھو" عظمی نے ہلکی سی سرگوشی کی مگر وہ سمجھ نہیں پائی
" کیا کہہ رہی ہو یار ٹھیک سے بتاؤ نہ" شگفتہ نے آئسکریم کا چمچ منہ میں لیتے ہوئے کہا
"ارے بدھو اس طرف دیکھو تمہارا دیوانہ" عظمی نے ہاتھ سے سامنے والی سیٹ کی طرف اشارا کیا
"اوہ ماء گاڈ! یہ کب میرا پیچھا چھوڑے گا" شگفتہ کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات پھیلنے لگے سر آپ کیا
لیں گے "ویٹر نے بڑے مئودبانہ لہجے میں پوچھا ......ہوں"ویٹر کی آواز نے اس کو چونکا دیا
"میں نے پوچھا سر آپ کیا لیں گے"؟ ویٹر نے اپنا سوال پھر سے دہرایا

"چائے ہی پلا دو یار "او کے سر "ویٹر آڈر لے کر چلا گیا تو وہ واپس شگفتہ کو ہی گھورنے لگا

"عظمی مجھے تو کوئی ابنارمل ہی لگتا ہے "شگفتہ نے کن اکھیوں سے اس کو اپنی طرف گھورتے ہوئے دیکھا۔یار شگو یہ جو پیار کرنے والے ہوتے ہیں نہ یہ ابنارمل ہی کہلائے جاتے ہیں"

عظمی نے اس کی بات کا جواب دیا اور ساتھ میں آئسکریم سے بھی انصاف کیا

تو پھر وہی بکواس کرنے لگی چل اٹھ اب تو میں اک منٹ بھی اور یہاں نہیں رکوں گی "شگفتہ نے اپنا پرس لیا اور کتابیں اٹھالی "یار تھوڑی دیر رکو نہ آئسکریم تو ختم کرلوں پھر چلتے ہیں ناں" عظمی نے بڑی ڈھٹائی سے کہا اور اس لڑکے کو دیکھ کر مسکرانے لگی تو تم یہی بیٹھی رہو میں چلتی ہوں "شگفتہ غصے سے کہتی ہوئی مڑی تو عظمی بھی آٹھ کھڑی ہوئی "اچھا رک نہ ساتھ میں چلتے ہیں وہ دونو کینٹین سے نکلیں تو وہ لڑکا بھی جانے کے لئے اٹھا۔

"ارے یار شھباز کہاں رہتے ہو؟ آجکل تو نظر ہی نہیں آتے ہو "اسنے آواز کی جانب مڑ کر دیکھا تو پیچھے جمی کھڑا تھا ارے یار جمی میں تو یہی ہوں بس تمہیں ہی نظر نہیں آتا جانے کیوں "اس نے بھی مسکرا کے کہا مجھے کیا آجکل تو لگتا ہے تم خود کو بھی دکھائی نہیں دیتے ہوگے "جمی نے اس کو چھیڑا

"ویسے یار کہتے تو تم ٹھیک ہی ہو آجکل تو بس ہر جگہ وہ ہی وہ نظر آتی ہے "شھباز من ہی من بڑبڑایا

ارے یار کہاں کھو گئے؟ "جمی نے چٹکی بجائی ہوں "وہ چونک سا گیا

"سر چائے "اس سے پہلے کہ وہ جمی کو کوئی جواب دیتا ویٹر چائے لے کر آگیا

"ایسا کرو یہ چائے تم پی لو اور یہ لو بل کے پیسے باقی تماری ٹپ "اس نے والٹ جیب سے نکال کر اس میں سے پیسے نکالے اور ویٹر کو تھما دیئے۔ویٹر پیسے لے کر عجیب نظروں سے شھباز کو دیکھتا چائے واپس لے گیا

"ارے یار جب چائے نہیں پینی تھی تو منگوائی ہی کیوں تھی؟ "جمی نے حیرانی سے پوچھا

"بس یار یوں ہی منگوالی تھی۔اچھا ایسا ہے یار جمی کے مجھے سدھیر سے اک ضروری کام ہے

اس "dontuif" "mind" سو مجھے جانا پڑے گا اس نے جان چھڑانے کے لیے اک بہانا بنایا

"نیور مائینڈ ایکچوئلی مجھے بھی کہیں جانا تھا۔ اور تمہیں تو پتا ہے مجھے ہر جگہ ٹائم پر پہنچنے کی عادت ہے" جمی نے جب لمبی چھوڑنا شروع کی تو شھباز نے مسکرا کے اپنا راستہ پکڑا۔

☆......☆......☆

شھباز کا تعلق کھاتے پیتے گھرانے سے تھا وہ اٹھارہ سال کا تھا جب اس کے والد کا انتقال ہو گیا تب وہ لندن میں پڑھ رہا تھا مگر شوہر کے انتقال کے بعد شھباز کی ماں خود کو بہت اکیلا محسوس کرنے لگی۔ اس لیئے اس نے پھر کبھی اپنے بیٹے کو خود سے جدا نہ ہونے دیا وہ اپنی ماں کا، اور اسکی ماں اس کا واحد سہارا تھی۔ اس لیئے اس نے پاکستان میں ہی اپنی آگے کی اسٹڈی جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔ بچپن سے ہی اس نے سب سے الگ طبعیت پائی تھی۔ وہ لڑکیوں کی صحبت سے ایسے دور بھاگتا تھا گویا وہ کوئی لڑکی نہیں اچھوت کی بیماری ہو۔ پر پچھلے مہینے سے جب سے اس کی نظر شگفتہ پر پڑی تھی وہ اپنے آپ پر قابو نہیں رکھ پایا تھا۔ اور من ہی من شگفتہ کو چاہنے لگا پر کبھی اظہار_ محبت نہیں کر پایا بس اس کو گھورتے رہنا ہی جیسے اس کا پسندیدہ مشغلہ ہو گیا تھا۔۔۔

بیٹے وہاں جا کر اپنا خیال رکھنا ایسا نہ ہو کے دوستو کے ساتھ کچھ الٹا سیدھا کھالو۔ اور ہاں مری میں آجکل زیادہ ٹھنڈ ہے گرم کپڑے استعمال کرنا مت بھولنا۔ اور مجھے فون کرتے رہنا ورنہ مجھے فکر لگی رہے گی اور۔۔۔" شھباز نے ماں کی بات بیچ میں ہی کاٹ دی

"اوہ! ممی پلیز اب اتنی ہدایتیں بھلا کون یاد رکھ پائے گا۔ ویسے بھی میں پکنک پر جا رہا ہوں اور پکنک کا مطلب ہے انجوائیمنٹ۔ بس آپ اتنی فکر مت کریں۔ میں وہاں اکیلا نہیں جا رہا میرے ساتھ میری پوری کلاس ٹرپ پر جا رہی ہے" بیگ کو ایک کونے میں رکھنے کے بعد وہ ماں کے قریب آ گیا

" کیا کروں بیٹا ماں ہوں ناں اور پھر اکیلے تم ہی تو ہو میری پوری دنیا اور ہے ہی کون میرا" وہ قدرے

سنجیدہ ہوگئی "ارے ماں آپ تو بلکل سیرئس ہوگئی ہیں تو پھر ٹھیک ہے میں اپنا جانا کینسل کر دیتا ہوں "اس نے موبائل ہاتھ میں لیا تو اس کی ماں نے جھٹ اس سے وہ فون چھین لیا

"ارے نہیں بیٹا ایسا مت کرو میں جانتی ہوں تمہیں اس ٹرپ پر جانے کا کتنا انتظار تھا اور پھر میں پہلے ہی اپنی وجہ سے تمہیں بہت کمزور بنا دیا ہے لیکن اب میں چاہتی ہوں کے تم بہادر بنو بلکل اپنے پاپا کی طرح "ممی آپ پاپا کو بہت مس کر رہی ہیں ناں، میں بھی "شہباز بھی قدرے اداس سا ہو گیا اس کی ماں نے جب بیٹے کو اس قدر اداس دیکھا تو موضوع ہی بدل دیا

"اچھا بیٹا اب رات بہت ہوگئی اب تم سو جاؤ صبح پھر کالج جانا ہے۔اور پھر ٹرپ پر بھی تو جانا ہے نہ کیا پتا وہاں آرام بھی کرو گے یہ دوستوں کے ساتھ مستی میں وقت گذارو گے "اسکی ماں جانے کے لیئے کھڑی ہوگئی "اوکے گڈ نائٹ ممی"

" گڈ نائٹ بیٹا "ماں نے بیٹے کا ماتھا چوما اور کمرے کی بتی بجھا دی

☆......☆......☆
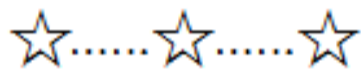
"امی پلیز مجھے جانے دیں نہ میری سب سہیلیاں جا رہی ہیں" کالج والوں نے آل پاک ٹوئر کا پروگرام بنایا تھا تو شگفتہ بہت ایکسائیٹڈ تھی کالج سے جیسے ہی گھر آئی تھی اس نے اپنی ماں سے اس کا ذکر کیا مگر ماں نے اس کو فیصلہ سنا دیا کے وہ ٹوئر پر نہیں جائے گی بس تب سے وہ ماں کی منت کرنے لگی مگر اس کی ماں کے تو کانوں پر جیسے جوں "رینگ رہی تھی تو جانے دو ان کو "وہ پہلے کی طرح بے نیاز سوئیٹر بننے میں مگن رہی امی آپ ایسا کیسے کر سکتی ہو میرے ساتھ میں آپ کی اکلوتی اولاد ہوں آپ کو میری خوشی کی کوئی پرواہ نہیں "اس نے ماں کے ہاتھ سے آدھا بنا سوئیٹر لے کر ایک طرف رکھ دیا

"مجھے تمہاری خوشی کی پرواہ ہے بیٹی پر میں اتنی ٹھنڈ میں اکیلے کہیں جانے نہیں دوں گی فکر ہے مجھے تیری کیوں کے تو اپنا بلکل خیال نہیں رکھتی ہے "ماں نے پیار سے بیٹی کے گال سہلائے۔

امی آل پاک ٹوئر ہے۔آپ جانتی ہیں ناں مجھے پورا پاکستان دیکھنے کا کتنا شوق ہے امی۔اور پھر اپنی فرینڈز کے ساتھ گھومنے کا تو مزا ہی کچھ اور ہے پلیز امی مان جائیں ناں"اس نے بانہوں کا ہار اپنی ماں کے گلے میں ڈال کر اک بار پھر اس کی منت کی ٹھیک ہے میں تمہارے پاپا سے کہہ دوں گی کے وہ ہمیں آل پاک ٹوئر پر لے چلے پر میں تمہیں اکیلے نہیں جانے دوں گی"ماں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا "امی میں اکیلی کہاں جا رہی ہوں پوری کلاس چل رہی ہے اور کالج کے کچھ اور ڈپارٹمنٹ کے سٹوڈنٹس اور ٹیچرز بھی تو جا رہے ہیں ناں"ماں کا کوئی ریسپانس نا پا کر اس نے پھر سے بات کو آگے بڑھایا امی ایسے موقعے بار بار نہیں ملتے۔پلیز اس بار جانے دی ناں۔میں نے سب فرینڈز سے کہہ دیا ہے کہ میں بھی چلوں گی۔اب نہیں جاؤں گی تو سب برا مان جائیں گی اور میرا مذاق آڑائیں گی امی پلیز پلیز۔۔"اس نے ہاتھ جوڑتے ہوئے رونی سی صورت بنا کر کہا۔

"بس کہہ دیا نہ کے تم نہیں جاؤ گی تو نہیں جاؤ گی ہر بات مانتے ہیں ہم تمہاری تم اک بات نہیں مان سکتی"بیٹی کی رونی صورت بھی اسکے فیصلے کو نہیں بدل پائی پلیز امی بس آخری بار میری بات مان لیں آئندہ میں خود سے منع کر دوں گی ان سب کو۔اور کہہ دوں گی گریجویشن کرنے کے باوجود بھی ابھی تک چھوٹی سی بچی ہوں جو اکیلی اپنے فرینڈز کے ساتھ کہیں گھومنے بھی نہیں جا سکتی"شگفتہ کے لہجے میں میٹھا سا طنز پا کر اس کی ماں اس کو گھورنے لگی۔

"کیا بات ہے بھئی کس بات پر ماں کی اتنی منت وسماجت کی جا رہی ہے"اس سے پہلے کے اسکی ماں اس کو کوئی جواب دیتی اس کے ابو سٹڈی روم سے نکل کر چشما صاف کرتے ہوئے انکے قریب اک صوفے پر بیٹھ گئے ابو ہمارے کالج نے آل پاکستان ٹوئر بنایا ہے"وہ ماں کے قریب سے اٹھ کر اپنے ابو کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔

"بھئی یہ تو بہت اچھا پروگرام بنایا ہے پھر"

"پھر یہ ابو کے میں بھی جانا چاہتی ہوں" اس نے ماں کی طرف کن اکھیوں سے دیکھتے ہوئے دھیمے سے لہجے میں کہا

"تو بیٹا روکاوٹ کیا ہے؟"

"ابو رکاوٹ کوئی نہیں بس امی جانے کی اجازت نہیں دے رہی ہیں" اس کے چہرے کے ساتھ اسکا لہجہ بھی بھرسا گیا "ارے نیک بخت یہ میں کیا سن رہا ہوں کیا کہہ رہی ہے ہماری گڑیا"

"ٹھیک کہہ رہی ہے اور سن لیجیے آپ بھی شگو بیٹی کہیں نہیں جائے گی سمجھے آپ" اس نے گویا اپنا حتمی فیصلہ سنادیا

"پر کیوں نہیں جائے گی؟"

"بس میں نے جو کہہ دیا تو۔۔۔"

"تمہارا کہنا کیا پتھر پر لکیر ہے جو اک بار کھینچ دی گئی تو پھر نہیں مٹے گی؟" ماں باپ کی اس بحث سے وہ قدرے سہم سی گئی

"دیکھیں جی اس کی ہر بات مان کر کی ہر بات مان کر آپ خوامخوہ ہی بگاڑ رہے ہیں اس کو۔" اس کی ماں نے جھنجلا کر کہا "ایسا ہے تو ایسا ہی سہی پر ہماری گڑیا آل پاکستان ٹور کے لیئے ضرور جائے گی یہ میرا فیصلہ ہے" کیا سچ ابو" تھوڑی دیر پہلے سہمی ہوئی شگفتہ کا چہرا ایک دم سے پھول کی مانند کھل اٹھا

"سو فیصد سچ، جاؤ اب تم جا کر اپنی پیکنگ کرلو" او ماں سوئیٹ ابو" وہ اپنے ابو کے گال چوم کر تقریبا دوڑتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

"یہ آپ نے ٹھیک نہیں کیا" شگفتہ کی ماں نے بناوٹی خفگی سے کہا

"جو کچھ بھی کیا ہے نہ بلکل ٹھیک کیا ہے"

" کیا آپ جانتے بھی ہیں کے کتنے دنوں کے لیئے کہہ رہی ہے پورے ایک ماہ، ایک ماہ میں کتنے دن

ہوتے ہیں جانتے ہیں نہ آپ پورے تیس دن" نم آنکھوں سے کہتی وہ قدرے سنجیدہ ہوگئی

"تو اس میں ہرج ہی کیا ہے؟ اور ویسے بھی گھومنے پھرنے کے لیئے ایک ماہ بہت کم ہے"

"ان دونوں میں چاہے میری جان ہی چلی جائے" پلکوں کے ساتھ اس کا لہجہ بھی بھیگ سا گیا

"نہیں جاتی تمہاری جان نیک بخت" وہ اٹھ کر اپنی بیوی کے پاس آ گئے۔

"ذرا سوچو شگفتہ کی ماں! بیٹی کو ایک نہ ایک دن تو ودا کرنا ہی پڑے گا ناں تب کیا ہوگا؟ اس سے اچھا نہیں کے ہم ابھی سے اس کی عادت ڈال دیں"

"تب کی تب دیکھی جائے گی لیکن ابھی میں۔۔۔" اس کے شوہر نے اس کی بات بیچ میں ہی کاٹ دی

"ایک ماہ کی تو بات ہے گھومنے پھرنے دو اسے۔ مت روکا کرو نیک بخت! گھومنے پھرنے کا اصل مزہ تو اسی عمر میں آتا ہے"

"آپ ہمیشہ سے ہی اپنی بیٹی کی طرفداری کرتے ہو"

"آ جی آپ کی بھی کرلیں گے مگر آپ حق پر ہوں تب ناں" رہنے دیں جی رہنے دیں دیکھی ہے آپ کی طرفداری رہے ناں آخر وکیل کے وکیل" وہ بناوٹی خفگی سے کہتے ہوئے صوفے سے اٹھنے لگی

"اب کہاں چل دی آپ"

"شگفتہ کی پیکنگ میں مدد کرنے"

"ہوں یہ ہوئی ناں بات، اچھا سنو ایک کپ چائے کا بجھوا دینا میرے سٹڈی روم میں" وہ بھی اٹھ کر اسٹڈی روم کی جانب بڑھا جی اچھا"

☆......☆......☆

"کیا سچ شگو؟" وین میں چڑھتے ہوئے عظمی نے حیرت سے پوچھا ہاں بھئی میں تو ڈر ہی گئی تھی اور من ہی من پچھتا رہی تھی کے میں نے ابو سے بات ہی کیوں کی۔ پر شکر ہے ابو نے بات سنبھال لی" وہ دونو

اپنی اپنی سیٹ پر بیٹھ گئیں۔

"یہ ہی تو کمال ہوتا ہے وکیلوں کا۔ایسے ایسے دلائل پیش کرتے ہیں کے سامنے والے کی مات پکی" عظمی نے اپنی رائے کا اظھار کیا......

"سچ عظمی آئم پراوؤڈ کے وہ میرے ابو ہیں" فخر نے اس کے لہجے کو بھی بارعب بنادیا۔وین اپنی منزل کی جانب چل پڑی

" تمہیں تو اپنے ابو پر فخر ہے اور مجھے تمہاری قسمت پر رشک آتا ہے" عظمی کن اکھیوں سے سامنے دیکھ کر مسکرائی

"میری قسمت پر رشک ،میں کچھ سمجھی نہیں"

"پتا ہے شگو میں جب بھی تمہارے اس مجنوں کو دیکھتی ہوں ناں تو مجھے تمہاری قسمت پر رشک آتا ہے"وہ اب بھی سامنے دیکھ کر بات کر رہی تھی جس وجہ سے اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی

"او مائی گاڈ!یہ یہاں بھی۔"شگفتہ نے عظمی کی نظروں کا تعقب کرتے ہوئے سامنے والی رو کی پچھلی سیٹ پر بیٹھے شھباز کو دیکھا جو وین میں بیٹھے سارے طلباء سے بے نیاز بس اسی کو ہی گھورے جا رہا تھا

"تم کچھ بھی کہہ لو شگو اس مجنوں کے تیور دیکھ کر تو مجھے ایسا لگتا ہے کے اس ٹور کی واپسی تک وہ تمہیں اپنی لیلٰی بنا کر ہی چھوڑے گا"وین میں بیٹھے طلباء اتنا کشری وموسیقی سے لطف اندوز ہو رہے تھے مگر یہ دونوں تو اپنی باتوں کی دنیا میں مگن تھیں

"او،شٹ اپ عظمی ایسا کچھ نہیں ہونے والا جیسا تم سوچ رہی ہو"اس نے چڑ کر کہا

"دیکھیں گے ویسے تم۔۔"اس سے پہلے کے عظمی اپنی بات مکمل کرتی پیچھے سے روبی بیچ میں بولی

"ارے عظمی وہ والا گانا سنا ناں جسے گا کر تو نے سدھیر کو پٹایا تھا"

" کیوں جی آپ کا کسے پٹانے کا ارادا ہے"روبی کا بیچ میں بولنا ان دونو کو نا گوار لگا

"بس تو وہ گانا سنا ناں" روبی نے شرماتے کہا پہلے تو اس کا نام بتا نہ" عظمی نے بھی اس کی نقل اتاری

"وہ ش۔۔ش۔۔ش۔۔۔"

"شرم آ رہی ہے صرف نام بتانے میں۔تو گانا گا کر پٹائے گی کیسے۔چل نام بتا" جتنے نرم لہجے میں اس نے بات شروع کی اتنی ہے تیز لہجے میں اس کا اختتام بھی کیا

"شھباز" نظریں جھکا کر شرمیلے انداز میں آخراسنے نام بتا ہی دیا

"واٹ" شگفتہ کی تیز آواز نے نہ صرف روبی کو سہادیا بلکہ وین میں موجود سارے سٹوڈنٹس کو اس کی جانب متوجہ کر دیا۔کچھ لمحوں کے لیئے پوری وین میں خاموشی چھا گئی پھر اچانک گانے کی آواز بلند ہوئی تو سب اپنی اپنی مستی میں مگن ہو گئے کیا کروں ہائے کچھ کچھ ہوتا ہے" یہ بول سن کر عظمی کو بھی مستی سوجھی

" کیوں شگورانی کچھ کچھ ہوا کیا؟" جب عظمی نے سرگوشی والے انداز میں پوچھا تو شگفتہ نے کوئی جواب دیئے بغیر شرم سے نظریں جھکا دیں

"ارے مجنوں کہاں کھویا ہوا ہے؟"شھباز کے قریب بیٹھے راحت نے اس کو جھنجھوڑا تو وہ چونک گیا

"ہوں۔۔راحت کیا ہوا؟"

"مجھے کچھ نہیں ہوا میں میں تجھے ہوش میں لا رہا تھا جب سے وین میں بیٹھے ہو بغور اسی کو ہی دیکھے جا رہے ہو پلک تک نہیں چھپکائی یہاں تک کے یہ بھی ہوش نہیں رہا کے ہم اپنی منزل_ مقصود تک پہنچ گئے ہیں۔سب اتر رہے ہیں وین سے اگر تمہیں اسی وین میں بیٹھے رہنا تو دوسروں کو جگہ دو"۔یہ کہتے ہی وہ سائیڈ سے نکل کر آگے بڑھا شھباز نے نظر دوڑائی تو تقریبا پوری وین خالی ہو چکی تھی وہ بھی اپنا بیگ لے کر آگے بڑھا

"ارے عظمی رک تو ذرا میرا پلو اٹک گیا ہے وین ڈور میں" وین سے اترتے شگفتہ کا دوپٹہ وین میں پھنس گیا تو وہ پریشان ہو گئی

"ارے یار میں اتنا بوجھ اٹھا کر یہاں کھڑی نہیں رہ سکتی میں اندر جا رہی ہوں تو پلو چھڑا کر آ جانا تب تک میں کمرے کی چابی لے لیتی ہوں عظمی کو جاتا دیکھ وہ اور بھی پریشان ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی پر آس پاس کوئی بھی نہیں تھا "یہ لیجیے آپ کا پلو" آواز پر چونکتے اس نے مڑ کر دیکھا تو سامنے شھباز اس کا پلو تھامے کھڑا تھا تھنک یو ویری مچ" پلو ہاتھ میں لے کر وہ آہستہ سے چلنے لگی۔

نو مینشن اٹس مائی پلیپچر۔ بائی دوے مجھے شھباز کہتے ہیں" وہ شگفتہ کے ساتھ چلنے لگا

"اینڈ مائی نیم از شگفتہ "آ ئنو" شھباز کی یہ بات سن کر شگفتہ کی نظریں خود بخود شھباز کی نظروں سے جا ٹکرائی۔ نظریں نظروں سے ملی تو آنکھیں چار ہوئی اکسکیو زمی ذرا راستہ دیجیے گا۔"

"ہوں" ہوٹل سے نکلتے ایک آدمی کی آواز نے دونوں کو چونکا دیا وہ دونوں ہوٹل کے اندر داخل ہوئے تو سامنے عظمی کھڑی تھی ابھی تو شروعات ہے شگورانی آگے آگے دیکھ ہوتا ہے کیا" عظمی نے من ہی من سوچا عظمی !اے عظمی کی بچی" شگفتہ نے اس کو چٹکی کاٹی ہوں۔" وہ چونک کر ادھر ادھر دیکھنے لگی

" کسے ڈھونڈ رہی ہو" شگفتہ اس کی اس حرکت پر حیران ہوئی

"اسی کو جو تمہارے ساتھ تھا" عظمی نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا وہ تو کب کا ہال میں پہنچ گئے ہونگے سر کے پاس اور اب ہمیں بھی چلنا چاہئے" اس نے آگے بڑھتے ہوئے کہا

"وہ عظمی نے زیر لب بڑبڑایا

"ارے واہ پہلے تو ذکر سنتے ہی بھڑک اٹھتی تھی اب "وہ بن گئے ہیں "شگفتہ نے نگاہیں جھکا دیں۔۔

" کیوں ڈر گئی کیا شگورانی کے کوئی اور۔۔۔۔" شگفتہ نے اس کی بات بیچ میں ہی کاٹ دی عظمی ہمیں جلد از جلد ہال میں پہنچنا چاہئے چلو" وہ شرم سے سرخ چہرے کے ساتھ عظمی" عظمی کا ہاتھ پکڑ کر تقریبا اس کھینچتی ہوئی لے گئی ہاں تو سٹوڈنٹس ابھی آپ اپنے اپنے کمروں میں جا کر فریش ہو لو اور تھوڑا آرام کر لو ٹھیک ایک گھنٹے بعد ہم سب اسی ھال میں ملیں گے از دیٹ کلیر" سر فاروقی حسب_عادت ٹہل کر اپنی

بات مکمل کر چکا تو سب کی طرف دیکھنے لگا یس سر "سب نے ہم آواز جواب دیا اور اپنے اپنے کمروں کی جانب چلنے لگے

☆......☆......☆

" کیا بات ہے آج بہت خوش لگ رہے ہو؟ اب یہ مت کہنا کے یہ خوشی ٹرپ کی ہے۔ کیونکہ تیرے چہرے پر پھیلی یہ مسکراہٹ صاف چغلی کھا رہی ہے کے یہ خوشی ٹرپ کی تو ہرگز نہیں ہے "سدھیر نے غور کیا کے جب سے وہ اپنے روم میں آئے تھے تب سے جانے کون سا خیال رہ رہ کر مسکراہٹ بن کر شھباز کے چہرے پر نمودار ہو رہا تھا بس یار ہے کوئی اور خوشی "اک چہرے کا عکس پھر سے مسکان بن کر اس کے لبوں پر بکھر گیا کہیں یہ خوشی شگفتہ جی سے تو رلیٹیڈ نہیں؟ "اس بار سدھیر نے ٹھیک نشانے پر تیر مارا

"تم نے بلکل ٹھیک پہچانا یار"

"تو اس کا مطلب اس نے بھی اظہار_ محبت کر ہی لیا سدھیر نے قدرے پر جوش ہوتے ہوئے کہا نہیں یار ابھی تو بات چیت شروع ہوئی ہے پہلے یہ جان تو لوں کے اس کے دل میں کیا ہے"

"پھر اتنا مسکرا کیوں رہے تھے؟ "پتا ہے یار سدھیر آج پہلی بار وہ مجھے دیکھ کر غصہ نہیں ہوئی اور جب میں نے اس بات کی نا تو اس نے بھی ہنس کر میرے ساتھ بات کی۔"

(باقی آئندہ)

☆......☆......☆

پہلا تاثر

تحریر: نبیلہ خان (ڈیرہ اسماعیل خان)

میں نے جب پہلی بار اسے دیکھا تو مجھے لگا کہ اگر دنیا میں کوئی مہذب ہے تو صرف وہی ہے۔ اسکا شہد ٹپکاتا لہجہ، اسکا نرم انداز اپنے اندر ایک خاص شیرینی لئے ہوئے تھا۔ وہ مجسم اخلاق کا پیکر لگی مجھے۔ کہا جاتا ہے کہ پہلا تاثر ہی دیرپا اور پائیدار ہوتا ہے۔ انگلش کے اس مقولے پر دنیا نے شخصیت جانچنے کے میعار کو قائم کیا ہوا ہے۔

First Impression is the Last Impression.

اور دنیا میں رہتے ہر انسان کی طرح میں نے بھی اسی مقولے کو شخصیت جانچنے کا میعار مقرر کر رکھا تھا۔ مگر کیا واقعی ایسا ہے؟ آیئے اس سوال کا جواب میرے ذاتی تجربے اور مشاہدے کو پرکھتے ہوئے کرتے ہیں۔

ڈور بیل پر انگلی رکھے مجھے صرف ایک لمحہ ہی لگا تھا کہ بوتل کے جن کی طرح ایک نوعمر لڑکا دروازے پر نمودار ہوا۔ جی؟ اسکی سوالیہ نظریں ہماری جانب اٹھی ہوئی تھیں۔ صدف باجی گھر پر ہیں؟ جی بھابھی تو نہیں ہیں گھر پہ، میرے استفسار کے جواب میں وہ لڑکا بولا۔ ابھی آنے والی ہیں۔ اماں جی ہیں؟ آپ لوگ اندر آجائیں۔ اس لڑکے نے نہایت تمیز کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا اور ہمیں اندر آنے کے لیے راستہ چھوڑا۔ میں اور ثمینہ باجی جو صدف باجی کی غیر موجودگی کا سن کر تھوڑا مایوس ہو گئی تھیں۔ لڑکے کے اس جواب سے پرامید ہو کر اندر کی جانب قدم بڑھائے۔ کیونکہ ہم دونوں ہی جانتی تھیں کہ گھر سے بار بار نکلنا ہم دونوں کے لیے کافی دشوار کام ہے۔ وہ لڑکا ایک کمرے میں ہمیں بیٹھنے کا کہہ کر اندر کہیں غائب ہو گیا۔ ہمیں لگا شاید یہ کوئی ملازم ہے۔ ابھی ہم گردونواح کا جائزہ ہی لے رہے تھے کہ ایک بزرگ

خاتون جو سادگی کی بہترین مثال تھیں۔ انہوں نے کمرے میں قدم رکھا۔ میں اور باجی دونوں نے کھڑے ہو کر ان سے سلام دعا خیر خیریت دریافت کی۔ پتا چلا کہ وہ خاتون صدف باجی کی ساس صاحبہ ہیں۔ انہوں نے ہمیں بیٹھنے کا کہا کہ صدف بس ابھی آتی ہی ہو گی۔ وہ نفیس خاتون میزبانی نبھاتے ہوئے چائے پانی کا پوچھ ہی رہی تھی کی صدف باجی کی آمد ہوئی۔ رسمی سلام دعا کے بعد انہیں اپنی آمد کا مقصد بتاتے ہوئے ہم نے کہا کہ ہمیں ان کی خدمات چاہییے کہ وہ ہمارے بچوں کو ٹیوشن پڑھا دیا کریں۔ انہوں نے بصد خوشی ہماری درخواست کو منظور کر لیا۔ ان کی آنکھوں کی غیر معمولی چمک ان کے بات کرنے کا انداز سب اتنا متاثر کن تھا کہ میں اور ثمینہ باجی ان کی ہر بات اور ہر انداز سے بہت متاثر ہوئے۔ بظاہر ان میں کچھ بھی خاص نہیں تھا۔ جو حسن کے زمرے میں آتا۔ عام سی شکل وصورت، سانولا رنگ، آنکھوں پر نظر کا چشمہ، درمیانہ قد، قدرے فربہی مائل جسم، مگر پھر بھی ایک خاص تمکنت، ایک خاص بات تھی ان میں جو مقابل کو سوچنے پر مجبور کرتی تھی کہ ہاں واقعی اس شخصیت میں کچھ خاص ہے اور وہ تھی ان کی تمیز انکا اخلاق، ان کے لہجے کی مٹھاس، انکا اپنائیت بھرا انداز۔

صدف باجی کے گھر انعم کو لانے لے جانے کی ذمہ داری میں نے اپنے سر لے رکھی تھی۔ کیونکہ ثمینہ باجی کی بچی نے ان سے پڑھنے سے انکار کر دیا تھا۔ بقول اسکے اسے ان کے پڑھانے کی سمجھ ہی نہیں آئی۔ مگر انعم کو چونکہ میتھس میں مشکل پیش آتی تھی اس لیے اسکے لیے یہ ٹیوشن ناگزیر تھی۔ اور اکیلے بھیجنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ سو مجبوراً پہلے انعم کو چھوڑنے جاتی اور پھر دو گھنٹے کے بعد لینے جاتی تھی اور یہ کافی تھکا دینے والا کام تھا۔ مگر اولاد کی خاطر ماں باپ کو مشقت اٹھانی پڑتی ہے اور یہ مشقت میں بخوشی نبھا رہی تھی۔ شروع میں جن لڑکے کو میں نوکر خیال کرتی رہی وہ صدف باجی کا دیور تھا اور گاؤں سے پڑھنے کے لیے آیا ہوا تھا۔ صدف باجی کی سسرال کا تعلق ایک پسماندہ گاؤں سے تھا۔ ان کے سسرالی رشتہ داروں میں پڑھے لکھے لوگوں کا کال پڑا ہوا تھا۔ یہ تو انکی قسمت کہ ان کا شوہر PHD ڈاکٹر تھے۔ اور ان کے بل

بوتے پران کے چھوٹے بھائی بھی پڑھ لکھ رہے تھے۔خیر قصہ مختصر۔انعم کولانے لے جانے میں مجھے ایک بات کا بخوبی اندازہ ہوا،اور وہ تھا کہ صدف باجی کا رویہ اپنے سسرالیوں کے ساتھ۔۔۔

پہلے پہل جب صدف باجی کو میں نے اپنی ساس سے یہ کہتے سنا کہ اماں جی چائے بنا دیتی ہیں؟تو مجھے لگا کہ شاید وہ ان سے ریکویسٹ کر رہی ہیں مگر جب بکثرت ایسے جملے جو وہ اپنی ساس اور دیور سے کہتی تو مجھے بڑی حیرت ہوتی کہ یہ حکمرانی کرنے کا کیا طریقہ ٹھہرا؟اور وہ معصوم اور سادہ لوگ خوشی خوشی ان کے حکم بجالاتے ماتھے پر کوئی بل ڈالے بغیر،اس پر صدف باجی کا بات بات پر یہ احسان جتانا کہ ان لوگوں کو ہم نے ہی سنبھالا ہوا ہے،ان کے اخراجات خواہ وہ تعلیمی ہوں یا ماں باپ کی بیماری پر خرچ ہونے والا پیسہ،وہ ایک احسان کی صورت میں بار بار جتایا کرتی تھیں۔مجھے حیرت ہوتی کہ بظاہر ایک پڑھی لکھی خاتون جو معاشرے میں ایک مقام رکھتی ہے وہ اپنے گھر میں ڈکٹیٹر شپ قائم کیے ہوئے ہے۔وہ اپنے گھر میں وکیل بھی خود،گواہ بھی خود اور منصف بھی خود ہی تھیں۔وہ سب کو اپنے انداز میں پرکھنے میں مہارت رکھتی تھیں۔جو انہوں نے سوچا سمجھا جانا بس وہ حقیقت باقی سب جھوٹ،بکواس۔آخر میں فیصلہ کر کے بہت مطمئن انداز میں اس پر مہر ثبت کرنا بھی ان کی فطرت تھی۔آپ لوگ سوچ رہے ہونگے کہ میں یہ سب کیسے جان پائی تو بات یہ کہ ان کی میرے ساتھ اچھی دوستی ہوگئی یا پھر ان کو ایک سامع چاہیے تھا جو ان کو میرے صورت میں میسر آیا۔اس طرح وہ اپنے اندر تک کی باتیں جو بظاہر بڑے مہذب انداز میں وہ کرتی تھیں مگر اس میں موجود کمیاں اور خامیاں ان کی شخصیت کے منفی پہلوؤں کو اجاگر کرتی تھیں۔وہ سب نمایاں ہو کر میرے سامنے آئیں۔

کتے کے بچے،حرامزادے،کتے کی نسل،جیسا باپ ویسا بیٹا،جیسا دادا ویسا پوتا،جاہل گنوار، قوم کے جاٹ،گندی نالی کی اینٹ،تم لوگ اس قابل ہی نہیں ہو کہ اپنے برابر بٹھایا جائے۔رذیل اور خسیس ہو تم سب،مرو اپنے گھر،میرا جینا حرام کر رکھا ہے۔گالیاں اور مغلظات کا ایک طوفان تھا جو

صدف باجی کے منہ سے رواں تھا اور یہ الفاظ سنتے ہوئے میں جس سکتے کی کیفیت سے دوچار تھیں وہ بیان سے باہر ہے۔قارئین شروع میں جو سوال میں نے آپ سے اپنے آپ سے کیا تھا اسکا جواب یقیناً آپکو بھی مل گیا ہوگا اور مجھے تو ایسا ملا کہ میں نے اس مقولے کو سرے سے ہی مسترد کردیا۔

بے شک تعلیم ہمیں شعور اور آگہی دیتی ہے مگر ضروری نہیں کہ تعلیم انسان کو اندر کی جاہلیت کو بھی ختم کردے۔بعض پڑھے لکھے لوگ بھی حد درجہ جاہل ہوتے ہیں اور بعض ان پڑھ لوگ بھی اندر سے عالم فاضل ہوتے ہیں۔

قارئین آپ بھی یقیناً مجھ سے اتفاق کریں گے کیونکہ خود پسندی انسان میں تکبر پیدا کرتی ہے اور تکبر جہالت کی بہت بڑی قسم ہے جو بعض بہت پڑھے لکھے لوگوں میں پائی جاتی ہے۔اور ان میں بگاڑ کا باعث بنتی ہے۔صدف باجی کی مثال آپ کے سامنے ہے۔

☆......☆......☆

افسانہ☆مان☆

تحریر:ام نسیبہ

رات کے اس پہر بجنے والی موبائل کی بیپ نے اس کی نیند کے تسلسل کو توڑا......ادھ کھلی آنکھوں سے موبائل کی چمکتی ہوئی اسکرین پر جو نظر ڈالی تو اس کی توقع کے مطابق وہی مانوس نمبر جگمگا رہا تھا......اس نے ساتھ لیٹی امی جی کے چہرے کی طرف کن انکھیوں سے دیکھا, جو بے خبر سوئی ہوئی تھیں......

دس بارہ دن ہو گئے تھے عفت عجیب سی بے چینی کا شکار تھی, موبائل کی ہر گھنٹی پر دل دھڑک جاتا...... دوسری طرف سے کالز اور میسجز کا سلسلہ اس طرح سے جاری تھا کہ کچھ دیر ہو جانے پر اب اسے بھی انتظار سا محسوس ہوتا......ابھی پچھلے مہینے ہی اس کے بے حد اصرار پر اس کے ابو جی اپنی لاڈلی بیٹی کے لئے ایک موبائل فون لے آئے تھے......

ہوا کچھ یوں کہ چند دن پہلے اس کے موبائل پر انجانے نمبر سے کال آنے لگی......اس نے یہ سوچ کر کہ کسی دوست یا جاننے والی کال کر رہی ہوگی, کال ریسیو کر لی......مگر دوسری طرف سے مردانہ آواز سنتے ہی رانگ نمبر کہہ کر کال منقطع کر دی......بس وہ دن ہے اور آج کا دن میسجز اور کالز کا ایسا تانتا بندھا جو رکنے کا نام ہی نہ لیتا......کال تو اس نے کوئی رسیو نہ کی مگر میسجز پڑھتی رہی......اس کا نام پوچھا جاتا, فون اٹھانے پر اصرار کیا جاتا اور اس کی آواز کی خوب تعریف کی جاتی, اپنے بارے میں بتایا جاتا......اس کے جواب نہ دینے کے باوجود میسجز اور کالز کا سلسلہ مستقل مزاجی سے جاری تھا......عفت کے لیئے یہ سب نیا تھا......چھوٹی سی عمر کا ایک انجانا سا احساس تھا جسے وہ خود سمجھنے سے قاصر تھی......

کیا ہوا اگر میں بھی ایک میسج کر دوں یہی پوچھ لیتی ہوں کہ کون ہو اور کیوں مجھے تنگ کر رہے ہو, اس لمحے اس کے دماغ میں خیال کوندا......ٹائم دیکھا تو رات کے تین بج رہے تھے......کتنی ہی بار اس نے میسج لکھ

کر مٹایا, عجیب شش و پنج کا شکار تھی ......کوئی رات کے اس پہر بھی اس سے بات کرنے کے لئے بے چین تھا, یہ خیال اسے نہ جانے کیوں ایک انجانی سی خوشی دے رہا تھا......بالآخر سوچ بچار کے بعد اس نے ایک میسج ٹائپ کرلیا......جس میں اس نے لکھا کہ وہ کون ہے اور رات کے اس پہر اسے کیوں تنگ کررہا ہے......ہاں کوئی بات نہیں ایک میسج ہی تو ہے, اور پوچھ لینے میں قباحت ہی کیا ہے, اس نے خود کو تسلی دی......ابھی بٹن دبانے ہی لگی تھی کہ بجلی کی سی تیزی سے ایک چہرہ اس کی دماغ کی اسکرین پر ابھرا......وہ خود حیران تھی کہ ایسا کیوں ہوا......

"میری بیٹی تو میرا مان ہے"

استحقاق سے کہا ہوا یہ جملہ جو اس کے بابا اس کا ماتھا چومتے ہوئے اکثر دہرایا کرتے تھے......اس کے حلق میں کانٹے چبھنے لگے......

"بیٹیاں جب معاشرے میں سر جھکا کر چلتی ہیں ناں تب ہی اس کے بھائی اور باپ سر اٹھا کر چلنے کے قابل ہوتے ہیں"

شفقت و محبت سے کہا گیا بابا کا ایک اور جملہ دل کی تار چھیڑ گیا......اسے اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہوا......

جب کبھی امی جی بابا کو اسے سر چڑھانے کا طعنہ دیتیں تو بابا کی طرف سے ایک مخصوص جواب آتا کہ

"عفت تو اپنے بابا کا غرور ہے"

اور ہمیشہ ہی اسے یہ جملہ سرشار کردیتا......اسے اپنا سارا وجود سن ہوتا ہوا محسوس ہوا, بڑی مشکل سے بستر پر سے اٹھی......پسینے سے شرابور لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ بالکونی میں جا کھڑی ہوئی......

"میری بیٹی تو میرا غرور ہے"

"میری بیٹی تو میرا مان ہے"

"میری بیٹی بہت بہادر ہے"

کانوں میں گونجتی بابا کی آواز اب تک سنائی دے رہی تھیں......

"جی بابا جانی میں کمزور نہیں ہوں, آپکی عفت آپ کا غرور نہیں توڑے گی ان شاءاللہ......آپ کا سر کبھی جھکنے نہیں دے گی, آپ کا یہ مان ہمیشہ قائم رکھے گی......آپ کی دی گئی محبت کا نا جائز فائدہ نہیں اٹھائے گی"......

وہ سرگوشی میں بولتی گئی, آنسو اس کے گالوں کو تیزی سے بھگو رہے تھے......

اس نے جلدی سے اس نمبر کو بلاک کیا......سکون کے احساس کے ساتھ اس نے گہرا سانس لیا اور آسمان کی جانب دیکھنے لگی رات آخری سانسیں لے رہی تھیں کچھ دیر میں سحر ہونے کو تھی......ماحول کا جائزہ لیتی نگاہ نیچے صحن میں پہنچی تو دیکھا, بابا تہجد پڑھنے کے بعد اللہ رب العزت کے سامنے ہاتھ پھیلائے دعا مانگنے میں مصروف نظر آئے......اس کے بابا اللہ سے اس کی عزت و آبرو کی دعا مانگیں اور اللہ پاک اسے گناہوں کی دلدل سے نہ بچائیں ایسا کیسے ہوسکتا تھا......اسے اس لمحے اپنے بابا پر بے حد پیار آیا......

ان کی صحت و سلامتی کی دعا کرتی وہ وضو کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی......

انجان نمبروں کے ذریعے پھینکا ہوا یہ شیطان کا جال ہوتا ہے جو وہ صنف نازک پر پھینکتا جو وہ صنف نازک پر پھینکتا ہے, ایک جگہ سے نشانہ چوک جائے تو دوسری جگہ آزماتا ہے اور جہاں نشانہ لگ گیا رسوائی و پچھتاوا لڑکی کے حصے میں ہی آتا ہے......قابل تعریف ہیں وہ لڑکیاں جو ان جالوں سے اپنی اور اپنے سے وابستہ رشتوں کی ناموس کو بچالیتی ہیں اور اپنے والدین کا مان ٹوٹنے نہیں دیتیں......

☆......☆......☆

رات بارش ٹھنڈی ہوا اور اس کی یاد

عروشمہ خان عروش

وقت کتنا بدل گیا تھا.......................پچھلے برس اس طرح بارش میں اس کے ساتھ کا احساس ساتھ تھا ابھی بارش شروع ہوئی میں خوش ہوگی......اس کی بوند بوند میں سر تھے ایسا لگتا تھا کہ بارش اور ہوا مل کر پیار کا خوبصورت گیت گا رہی ہوں، بارش کی بوندیں چمکتے موتی کی طرح زمین پر پڑ رہی تھی رات بہت خوبصورت اور حسین ہوگئی۔ وہ کمرے کی کھڑکی میں بیٹھ کر اس حسین موسم کو اپنے دل میں اترتا محسوس کر رہی تھی ٹھنڈی ہوا اس کی چہرے سے ٹکرا کر واپس پلٹ جاتی اس کے سیاہ گھنے بال ہوا کی تیزی سے کھل گے اس کے چاند سے چہرے پہ ہوا کی وجہ سے لٹیں بار بار اس کے چہرے کو چھو رہی تھی اس کی ۲۲ سالہ زندگی میں پہلے بھی بارش ہوتی رہی مگر اس بارش میں پتہ نہیں ایسی کیا خاصیت تھی یا شاید شاہ زیب کی محبت تھی جس نے اس کی زندگی کے ہر لمحے کو ہی خاص اور خوبصورت بنا دیا اس کے خیال میں کھو کر وہ اتنی پاگل ہو جاتی کہ سب کچھ اچھا اچھا لگنے لگتا اسی سوچ میں اس کے موبائل کی سکرین اندھیرے میں جگمگا اٹھی اس نے موبائل اٹھا کر دیکھا سکرین پر نمبر دیکھ کر اس کی دھڑکنیں بے ترتیب ہوگیئں اور خوشی سے اس کا پور پور سرشار ہو گیا مطلب وہ بھی اسے مس کر رہا تھا اس نے کال پک کی اس کی بھرپور مردانہ آواز اس کے کانوں میں رس گھول گئی......ہیلو اور اس سے بولا نہ گیا وہ خاموش ہو کر اسے سننا چاہتی تھی ہیلو اف بولو بھی یار؟ موسم کتنا اچھا ہے، رہا نہیں گیا اس لیے کال ملا لی مجھے پتہ تم کو میرا اتنی رات کو کال کرنا پسند نہیں مگر اس حسین موسم میں بندا کیسے اپنے محبوب سے بات کیے بنا رہ سکتا بہت بہت مس کر رہا ہوں۔ دل کر رہا تمھارے پاس آ جاؤں، اوکے میں آ رہا وہ جو اتنی دیر سے خاموش اس کی باتیں سن رہی تھی جھٹ

سے بولی نہیں پاگل ہو گئے کیا اتنی رات کو اور آ گے سے اس کی بات سن کر زوردار قہقہہ......شکر تم بولی تو سہی پاگل مجھے تمھاری عزت اور پاکیز گی اپنی جان سے بھی عزیز ہے یہ تو اس لیے کہا کہ تم بول نہیں رہی تھی اور مجھے تمھاری آواز سنی تھی......اوکے جناب اب سن لی آواز اب کافی رات ہو گئی۔سو جائیں یہ کہہ کر اس نے کال کاٹ دی وہ کتنی خوش تھی منگنی کے بعد اچانک شاہ زیب کے مارکیٹ جاتے بم دھما کے میں موت نے سب کچھ بدل دیا اس کے سارے حسین خواب چکنا چور گئے آج اس کو اس جہاں سے گئے تین ماہ ہو گئے ثانیہ کو اب بھی صبر نہیں آیا تھا اس کو لگتا تھا شاہ زیب اب بھی اچانک آ جائیں گے اور کہیں گے ثانی پلیز یار ایک کپ چائے ہی پلا دو چائے سے یاد آیا امی کب کی چائے رکھ گئیں اس کے پاس مگر وہ تو شاہ زیب کے خیالوں میں اتنی محو تھی اچانک بارش شروع ہو گئی تیز ہوا کی وجہ سے ادھ کھلی کھڑکی مکمل کھل گئی تیز ہوا کے جھونکے سے اس کے لمبے بال اس کے حسین چہرے پر پھیل گئے تھے،بین کر رہے تھے بارش کی بوندیں ٹپکنے کی آواز سے اسے وحشت ہونے لگی کتنا فرق تھا پچلے برس کی بارش میں اور اب کے بارش میں اسے لگا آسمان بھی اس کے غم میں شریک ہے اس کی آنکھیں اور آسمان اس نے جھٹ سے کھڑکی بند کی بال سہی کیے اور جنونی کیفیت میں زور زور سے رونے لگی موبائل کی سکرین اندھیرے میں جگمگانے لگی اس نے جھٹ سے موبائل اٹھایا اسے لگا شاہ زیب کی کال آءی ہے اسے یہ موسم کتنا پسند تھا وہ جلدی جلدی اٹھ کر بیڈ کی طرف دوڑی موبائل اٹھا کر کان سے لگا لیا اور زور زور سے چیخنے لگی شاہ زیب ،زیبی ،شاہ زیب بولو؟ ہیلو زیبی بولتے کیوں نہیں وہ جنونی کفیت میں موبائل کو دیکھنے لگی مگر موبائل ساکت تھا اس نے موبائل دیوار میں مار دیا اور بستر پر ڈھ گئی شاہ زیب کی محبت نے اسے دنیا سے بے گانہ کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

سولفظی کہانی ☆ دست سوال ☆

وہ ہرکی ہوئی گاڑی کی جانب لپک رہی تھی اس کے معصوم سے چہرے نے مجھے اپنی جانب متوجہ کیا......

میں ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھی

اس کی آواز نے چونکا دیا

باجی بچی بھوکی ہے کھانا کھلانے واسطے کچھ دے...........

بچی بامشکل سات یا آٹھ ماہ کی ہوگی کمزور لاغر...........

اس کا باپ کون ہے؟

کہاں ہے؟

اس بچی کا مستقبل کیا ہوگا؟

سوچ رہی تھی کہ ایسے بہت سے چہرے نظروں کے سامنے ابھرنے لگے..................

جو ایسے ہی بچوں کو گود میں اٹھائے ان کی بھوک مٹانے کے لیے دست سوال بلند کر رہے تھے......

آمنہ نثار (اسلام آباد)

☆......☆......☆

☆زندگی☆

نبیلہ خان،ڈیرہ اسماعیل خان۔

آج صبح سے اس کے سر پر ایک ہی دھن سوار تھی اور وہ تھی اپنے فیلڈ ورک کو مکمل کرنے کی۔

صبح پانچ بجے الارم کی پہلی گھنٹی نے ہی اسکے خوابیدہ ذہن کو ایک لمحے میں بیدار کر دیا۔آنکھ کھلتے ہی ایک جست لگا کر بستر کی جان چھوڑی اور سیدھا واش روم کی راہ لی۔واش روم جانے سے پہلے ہی وہ اماں کو ناشتے کی تیاری کا کہہ گیا تھا تا کہ اسکا ٹائم ضائع نہ ہو۔پندرہ منٹ بعد وہ ناشتے میں مصروف تھا۔

اماں دعا کرنا کہ یہ آرڈر مجھے مل جائے۔اس ایک آرڈر پر ہی میری آگے کی زندگی کا دارومدار ہے۔اگر یہ آرڈر مجھے مل گیا تو سمجھو ہمارے وارے نیارے ہو جائیں گے۔اس نے بڑے بڑے نوالے منہ میں ڈالتے ہوئے ساتھ ساتھ اماں کو بھی تفصیل سے آگاہ کیا۔بیٹا میری تو دن رات یہی دعا ہے کہ میرا بیٹا زندگی میں بہت ترقی اور کامیابی حاصل کرے۔اماں نے ڈبڈباتی آنکھوں سے اپنے لعل کو دیکھتے ہوئے کہا۔میرا تو خدا کے بعد تو ہی آسرا ہے۔تیرا باپ تو بھری جوانی میں ہی ساتھ چھوڑ گیا۔تو بھی جانتا ہے کہ میں نے کتنے جتن کر کے تجھے پالا ہے۔اماں کو بیتا وقت یاد آیا تو باقاعدہ رونا شروع کر دیا۔تنویر نے ناشتہ سے ہاتھ روک کر اماں کو پیار کرنا شروع کر دیا۔اماں تو فکر نہ کر میں ہوں نا۔اب تیرے سارے دکھ درد ختم ہونے کا وقت آ گیا ہے۔اب زندگی ہم پر بھی مہربان ہو گی۔تنویر نے اماں کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔

اچھا اماں مجھے اپنی دعاؤں میں رخصت کرتا کہ میری منزل آسان ہو۔تنویر نے اماں کو اپنے سے جدا کرتے ہوئے الوداعی بوسہ اماں کے ماتھے پر لیا۔جا میرا بیٹا اللہ تعالی تیرا حامی و ناصر ہو اور تجھے تیرے مقصد میں کامیاب کرے۔آمین۔

خدا حافظ اماں۔خدا حافظ بیٹا

تنویر نے جلدی سے بائیک کی چابی اٹھائی اور تیز تیز قدموں سے باہر کی راہ لی۔سڑک پر بائیک دوڑاتے ہوئے وہ اپنے لائحہ عمل کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ وہ کیسے اس آرڈر کو اپنے نام کروانے کے لیے کس حد

تک کوشش کر سکتا ہے۔انہیں خیالوں میں غلطاں وہ یوٹرن کے لیے مڑنے ہی لگا تھا کہ پیچھے سے آتے ہوئے ٹرک کی ٹکر نے اسے ہوش وحواس سے بیگانہ کر دیا۔بس اسکی آنکھوں نے جو آخری منظر دیکھا وہ یہ کہ اسکا فائل بیگ فضاء میں اڑ رہا تھا۔پھر وہ دنیا و مافیھا سے بے خبر ہو گیا اور زندگی دور کھڑی اسکی حسرت ویاس میں ڈوبی ہوئی آنکھوں پر مسکرا رہی تھی۔

☆......☆......☆

★ عید الاضحی ریسپیس ★

چپلی کباب:

اجزاء:

قیمہ--------------آدھ کلو

نمک--------------حسب ذائقہ

ثابت زیرہ-----------ایک کھانے کا چمچ

ثابت دھنیا-----------ایک کھانے کا چمچ

انار دانہ-------------ایک کھانے کا چمچ

کٹی لال مرچ----------ایک کھانے کا چمچ

پیاز---------------ایک عدد

ہری مرچ------------تین عدد

ہرا دھنیا---------------چوتھائی کپ

مکئی کا آٹا---------------ایک کپ

ٹماٹر-------------------دو عدد

ترکیب:

قیمہ میں پیاز باریک چوپ، ٹماٹر چوپ کر کے شامل کریں اور ساتھ ہی ہری مرچ، ہرا دھنیا، نمک، کٹی لال مرچ، زیرہ، دھنیا، انار دانہ مکس کریں پھر مکئی کا آٹا شامل کر کے اچھی طرح مکس کریں۔

پھر کباب بنائیں اور ٹماٹر لگائیں۔

ٹماٹر والی سائیڈ کو پین ڈال کر فرائی کریں اور نکال کر پیش کریں۔

مٹن چوپس:

اجزاء:

چانپیں--------------1/2 1 کلو

دہی----------------1 پیالی

تیل----------------1 پیالی

باریک کٹا ہرا دھنیا--------1 گٹھی

لیموں--------------3 عدد

باریک کٹی ہری مرچ---------4 عدد

ادرک لہسن کا پیسٹ---------1 کھانے کا چمچ

پسی لال مرچ-----------1 کھانے کا چمچ

کُٹی کالی مرچ----------1/2 1 کھانے کا چمچ

نمک--------حسب ذائقہ

ترکیب:

ایک دیگچی میں 1/2 1 کلو چانپیں، 1 کھانے کا چمچ ادرک لہسن کا پیسٹ، 1 پیالی دہی، 1 کھانے کا چمچ پسی لال مرچ اور حسب ذائقہ نمک ڈال کر اُبال لیں۔ پانی بالکل نہ ڈالیں، جب چانپوں کا پانی خشک ہو جائے تو اُن میں 1 پانی تیل، 1/2 1 کھان کا چمچ کُٹی کالی مرچ، 3 عدد لیموں اور 4 عدد باریک کٹی ہری مرچ ڈال کر خوب اچھی طرح بھون لیں۔ آخر میں 1 گٹھی باریک کٹا ہرا دھنیا ڈال کر گرم گرم نان کے ساتھ سرو کریں۔

مٹن سلی بوٹی:

اجزاء:

مٹن------ایک کلو

ٹماٹر-----چھ عدد

پیاز-----چار عدد

ادرک لہسن پیسٹ------دو کھانے کے چمچ

پسی لال مرچ------ڈیڑھ کھانے کا چمچ

ہلدی-----دو چائے کے چمچ

چینی------ایک کھانے کا چمچ

سرکہ------چار کھانے کا چمچ

کوکنگ آئل------آدھا کپ

ہرا دھنیا-----ایک گٹھی

نمک-----حسب ذائقہ

سلی------ایک پیکٹ

ترکیب:

مٹن کو نمک اور ادرک لہسن کا پیسٹ لگا کر الگ رکھیں- ایک برتن میں تیل گرم کر کے پیاز براؤن کر لیں-

جب پیاز براؤن ہو جائے تو مٹن شامل کر کے پکائیں-

اب اس میں پسی لال مرچ اور ہلدی ڈال کر درمیانی آنچ پر 5 منٹ تک پکائیں- پھر اس میں ٹماٹر اور کٹا آدھا دھنیا شامل کر کے پکاتے رہیں، اتنا کہ تیل اوپر آ جائے- آخر میں دو کپ پانی ڈالیں اور پریشر ککر میں 10 منٹ تک پکائیں، تا کہ گوشت اچھی طرح گل جائے۔ سرونگ پلیٹ میں نکالیں- ہرا دھنیا سجائیں اور درمیان میں سلی ڈال کر گرم گرم پیش کریں-

☆......☆......☆

انٹرویو

شخصیت:لبنیٰ غزل

ترتیب:محمد ناصر

اسلام علیکم ورحمتہ اللہ و بر کاتہ......

دوستوں اپنے عہد کے مطابق ہم "ست رنگ میگزین" کے اس پلیٹ فارمُ سے نامور مصنفین کی آپ سے ملاقات کرواتے ہیں چنانچہ ہماری آج کی شخصیت داتا کی نگری میں جنم لینے کے بعد روشنیوں کے شہر کراچی کا فخر بن گئیں ،اور آج بھی ہیں ۔حروف سے ان کی محبت موروثی ہے ،والدین لکھنے پڑھنے کے شوقین ،مطالعے کے دلدادہ ،تو یہ کیسے پیچھے رہ سکتی تھیں؟ جو بچی شعور کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اپنی والدہ کو "زیب النساء" اور "حور" کا مطالعہ کرتے دیکھے گی لامحالہ اسی طرف توجہ دے گی چنانچہ جب یہ من موہنی سی شخصیت میٹرک میں تھی تو اپنی پہلی تحریر "زیب النساء" جیسے مقبول و معروف رسالے کی زینت بنا چکی تھی اور دوسرا افسانہ اسی رسالے کے انعام یافتہ افسانوں میں شامل ہو کر ہماری میٹرک کی طالبہ کو باقاعدہ مصنف بنا چکا تھا ،اگر "زینب النساء" نہ ہوتا تو ہم ان شاندار تخلیقات سے محروم رہ جاتے جو اس مسکراتی شخصیت کا طرہ امتیاز ہیں...... "رات کا دکھ", "قفس اداس ہے"، "چاند بھول پڑے راستہ کبھی" , "زرد موسم کی آخری شب"، ،زندگی اجنبی سی لگتی ہے" کیکٹس کا پھول", "لمبے سفر کی دھوپ ,"اور اس کے علاوہ بے شمار ناولٹ ،افسانے ،ایک سلسلہ وار ناول بھی جو "ماہنامہ کرن" میں "اجالے میرے سجدوں کے " ٹائٹل کے تحت شائع ہوا اور قارئین کے دل کو جیت لیا......

اس پیاری سی گلابوں جیسی خاتون نے 1978 سے لے کر 1992 تک مسلسل اور خوب لکھا اور بہترین لکھا پھر الفاظ و قلم دونوں نے تعطیلات کی درخواست پیش کی اور یوں کچھ عرصے کے لیئے یہ ہم سے دور ہو

گئیں......

جو لکھا وہ خواتین کے مسائل کو پیش نظر رکھتے ہوئے لکھا، خصوصاً گھریلو مسائل اور ملازمت پیشہ خواتین کے مسائل پر قلم اٹھایا۔ خواتین ڈائجسٹ کے ادارے کے تحت ان کے چاروں میگزین، "خواتین ڈائجسٹ، "شعاع، کرن، اور حنا میں بے شمار تحریریں لکھیں اور ان مصنفین میں آ گئیں کہ جو کسی بھی ادارے کے ہر جریدے کی شان ہوتے ہیں...... 14 سالہ رائٹنگ کیریئر میں 400 کے قریب افسانے لکھے "1996" میں "رات کا دکھ" کے نام سے بھی ایک کتاب منظر عام پر آ چکی ہے۔
اپنے قارئین کے پرزور اور محبت بھرے اصرار پر دوبارہ قلم اٹھالیا، سوشل میڈیا کا دور ہے کئی گروپس پر آپ ایکٹیو نظر آ رہی ہیں خاص طور سے 100 لفظی کہانیوں کے سیگمنٹ میں......
اس کے علاوہ جلد ہی ان کا شعری مجموعہ منظر عام پر آنے والا ہے اور ایک نیا ناول "لاریب" کے نام بھی سے زیر تحریر ہیں، یہ دونوں کتابیں جلد ہی منظر عام پر آ جائیں گی، اور کامیاب بھی ہوں گی، انشاءاللہ، میرا خیال ہے کہ میں نام بتا ہی دوں مگر پہلے یہ مصرعہ تو پڑھ لیں "غزل اس نے چھیڑی مجھے ساز دینا"
جی ہاں پیارے دوستوں یہ ہیں ہماری بہت ہی ہردلعزیز مصنفہ "لبنیٰ غزل" صاحبہ......جن سے کیے گئے آپ کے سوال اور لبنیٰ جی کے برجستہ جوابات آپ قارئین کی نظر ہیں......

☆............☆
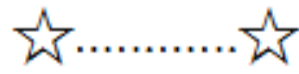
ناہید کپور: 1۔ آپ کے خیال میں ادب کیا ہے اور اسے کیسا ہونا چاہیئے؟
2۔ آپ کی رائے میں قدیم و جدید ادب کے درمیان کیا فرق ہے؟
3۔ معاشرتی سطح پر ہونے والی تبدیلیوں نے ادب کو کس حد تک متاثر کیا ہے؟
لبنیٰ غزل: جواب 1: ادب وہ خوبصورت صنف تحریر ہے جس میں آپ اپنے اردگرد کے ماحول و معاشرے میں جنم لینے والی برائیوں کو، ان کے مسائل کو، اپنے ذاتی تجربات اور مشاہدات کو اپنی خداداد

صلاحیتوں کے ذریعے اپنے قلم سے قرطاس پر اتارتے ہیں......

ادب کو ہمیشہ با ادب، معیاری تعمیری اور اصلاحی ہونا چاہئیے۔ ایک ادیب اپنے قلم کی طاقت سے جو کردار تخلیق کرتا ہے اس سے قاری بہت متاثر ہوتا ہے، اور منفی اور مثبت دونوں طرح کے اثرات لیتا ہے اس لئے ہمیشہ اصلاح معاشرہ پر فوکس ہونا چاہئے......

جواب 2: قدیم اور جدید معاشرے کے ادب کا بنیادی فرق زمانے کا ہے، جس زمانے میں رہ رہے ہیں، اسی کے مطابق تخلیقی کام ہوگا، پہلے زمانے میں سادگی تھی اور ادب برائے ادب تھا۔ آج کا دور کمرشل ازم کا دور ہے اس لئے اب کمرشل ادب پر فوکس زیادہ ہے......

جواب 3: بدلتے ہوئے معاشرے نے جہاں ہر چیز کو بدلا ہے وہیں ادب پر بھی اس کے اثرات گہرے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ادب بھی ماڈرن اور کمرشل ہو گیا ہے، پہلے سے زیادہ آزاد اور بے باکی کے ساتھ لکھا جا رہا ہے......ادب میں بے باکی تو پہلے بھی تھی مگر کم کم تھی......ڈھکے چھپے لفظوں میں لکھا جاتا تھا......اب مسائل اور بے راہ روی بہت بڑھ گئی ہے اسی لحاظ سے ادب میں بھی ایسی بڑی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں، کیونکہ ادب معاشرے کا عکاس ہے۔

نازیہ نازی: 1: کہانی کا تانا بانا بننے کے بعد قاری کو مطمعن کرنے کے لیے آپ کن باتوں کا خیال رکھتی ہیں 2: آپ کی نظر میں کہانی کا حسن کس طرح برقرار رکھا جا سکتا ہے......3: آخر تلک گہرا فلسفہ کہانی کے مقصد کو جلا بخشتا ہے یا اسکو فوت کر دیتا ہے؟

لبنیٰ غزل: جواب 1: کہانی لکھنے کے لئے عمدہ مرکزی خیال کے بعد اس کے مطابق کرداروں کی تشکیل الفاظ کا چناؤ، منظر نگاری، مکالموں کی ساخت، کہانی کا کلائمیکس اور پھر اس کا اختتام۔

جواب 2: کہانی کی خوبصورتی یہی ہوتی ہے کہ پڑھنے والا آخر تک اس کے حسن میں محو رہے، کہانی کے موضوع پر مکمل گرفت......جو کردار تخلیق کرنے جا رہے ہیں اس کے متعلق مکمل مشاہدہ اور لفظوں کا سحر اور

غیر متعلق باتوں سے پرہیز، ایک قاری کی توجہ ہٹنے نہیں دیتا، جیسے آج کل عمیرہ احمد اور سر محمود ظفر ہاشمی کے قلم کا جادو قاری کو اپنی گرفت میں رکھتا ہے۔

جواب: فلسفہ کہانی کے مطابق ہی اچھا لگتا ہے اور جہاں اس کی ضرورت اور جہاں اس کی ضرورت ہو، غیر ضروری فلسفہ قاری کو بور کر دیتا ہے۔ انداز بیاں جتنا سادہ اور آسان ہو قاری اسی قدر اس میں دلچسپی لیتا ہے......

فیصل شہزاد: کیا اب تک آپ نے کسی کلی کو پھول بنایا کہ وہ بھی آپ کے زیر سایہ مہک رہا ہو؟

لبنیٰ غزل: فیصل شہزاد کا سوال یوں ہونا چاہیئے تھا کہ آپ نے کبھی کسی کی رہنمائی کی جو آج ادب کی خدمت کر رہا ہو؟ بہر حال جواب حاضر ہے کئی لوگ ہیں جو اپنی تخلیقات کے بارے میں رہنمائی کے خواہش مند ہوتے ہیں۔ سعدیہ عزیز آفریدی اسکول میں میری طالبہ رہ چکی ہے......اس نے جب پہلا افسانہ لکھا تو مجھے اصلاح کے لئے دیا، اور میں نے اسے چند ضروری معلومات کے بعد اس افسانے کو خود جا کر ڈائجسٹ میں شائع کروا دیا......آج سعدیہ لکھ رہی ہے اور کئی کتابیں ہیں اس کی......

ام حضیفہ: 1: ایک خاتون کی حیثیت سے آپ کو قلم کے میدان میں کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا؟

2: آپ کے خیال میں ادبی دنیا پھولوں کی سیج ہے یا کانٹوں کا بستر؟

لبنیٰ غزل: جواب 1: اللہ کا شکر رہا کہ مجھے ایسی کوئی مشکلات پیش نہیں آئیں......خاص طور پر اپنی فیملی کی طرف سے......مجھے ہمیشہ والدین اور بہن بھائیوں کی سپورٹ ملی......البتہ لکھنے کی کچھ پالیسیاں آڑے ضرور آئیں, ہمارا دور ضیاء الحق کا دور تھا جس میں کافی پابندیاں تھیں اور مواد سنسر ہوتا تھا......میری کئی کہانیوں میں ردوبدل کرنا پڑا......اور ایک کہانی امتل لصبور جو خواتین ڈائجسٹ کی مدیرہ اب بھی ہیں نے یہ کہہ کر واپس کر دی کہ ہمیں اپنا میگزین بند نہیں کروانا ......تو یہ کچھ مشکلات تھیں کہ کھل کر لکھنے کی آزادی نہیں تھی , اور ادارے کی پالیسی کے تحت آپ صرف اسی ادارے کے پرچوں میں لکھنے کے

پابند کہیں اور طبع آزمائی نہیں کر سکتے......جبکہ اب ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔

جواب2: خواتین کے لئے بہت زیادہ آسانیاں نہیں تھیں......اور خواتین کی صلاحیتوں کو دیر سے قبول کیا جاتا خاص طور پر شاعرات کو......اس لئے ادب کی دنیا پہلے مشکلات کا دور رہی......جبکہ اب آزادی اظہار کا دور ہے، خواتین آسانی سے نہ صرف لکھ رہی تھیں بلکہ ان کی صلاحیتوں کو تسلیم بھی کیا جا رہا ہے......اور اب عزت ،دولت شہرت سب کچھ ہے......اس لئے ادب کی دنیا اب کانٹوں کا بستر نہیں ہے

حوریہ ایمان ملک: 1: کیا کبھی کوئی کہانی ایسی بھی لکھی آپ نے جو کہانی سے زیادہ حقیقت ہو؟

2: کہانی لکھنے کے لیے آپ کو پہلے موڈ اور ماحول بنانا پڑتا ہے یا کہیں بھی کسی بھی ماحول میں لکھ سکتی ہیں؟

3: آپ کا قلم آپ کی اصل زندگی میں کس حد تک اثر انداز ہوا ہے؟

لبنیٰ غزل: جواب1: کئی کہانیاں ایسی ہیں، کیونکہ یہ ہمارے معاشرے کا ہی حصہ ہیں......اور بہت سے مسائل اجتماعی بھی ہوتے ہیں......اس لئے اکثر حقائق ہی ہوتے ہیں جنہیں افسانوی رنگ دینا پڑتا ہے

جواب: کہانی لکھنے کے لئے موڈ اور ماحول دونوں دیکھنے پڑتے ہیں۔ مجھے خاموشی اور تنہائی میں لکھنا زیادہ پسند ہے، اگر آمد ہو رہی ہو تو پھر بھی سکون والے ماحول کی تلاش ہوتی ہے......

جواب2: قلم ذاتی زندگی میں خوشگوار تبدیلیاں بھی لاتا ہے. عزت اور شہرت آپ کے حصے میں آتی ہے......اور آپ کی فیملی کے لوگ فخر بھی کرتے ہیں, اور اب تو اچھی خاصی ادائیگی بھی ہوتی ہے آپ کی کاوشوں کی ،سب سے بڑھ کر آپ کی اپنی تسکین بھی ہوتی ہے کہ جو کچھ آپ کہنا چاہ رہے ہیں وہ سب تک پہنچ رہا ہے......

کرن خان: 1: ایک شاہکار تحریر کے لوازمات کون کون سے ہوتے ہیں؟

2: آج کل ہر دوسرے ڈرامے میں عورت کی عزت کی پامالی کا ایشو چل رہا ہوتا ہے، کیا یہ معاشرے میں بگاڑ کی وجہ نہیں ہے؟

لبنیٰ غزل: جواب 1: سب سے پہلے مرکزی خیال جتنا طاقتور ہوگا کہانی کا تانا بانا ویسے ہی بنا جائے گا۔ کردار نگاری ......خوبصورت لفظوں کا چناؤ اور مکالمے ......منظر نگاری، کہانی کا کلائمیکس اور پھر اختتام

جواب 2: ہمارے معاشرے میں اب جو کچھ ہو رہا ہے اسے بڑی آزادی کے ساتھ لکھا اور دکھایا جاتا ہے اور اس کی وجہ سے آزادی اور بے حیائی عام ہوتی جارہی ہے کیونکہ ٹی وی ہر گھر میں ہر فرد دیکھ رہا ہے...... جس سے سبق کم اور منفی اثرات زیادہ لئے جاتے ہیں حالانکہ رائٹر تو اس کا انجام بھی دکھا رہا ہے...... جیسے اڈاری ڈرامے میں امتیاز کا منفی کردار اور اس کا انجام۔

کامران خان: 1: کبھی آپ نے کہانی کو اپنی مرضی کے برعکس عوام کی امیدوں کے مطابق اختتام پذیر کیا؟ اگر ہاں تو تھوڑی تفصیل بتا دیں؟

2: آپ نے اپنے فرضی کرداروں میں سے کسی کردار کو حقیقت میں کسی میں محسوس کیا؟

3: کوئی ایسی تحریر جس کو لکھتے ہوئے کبھی آپ اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ پائی ہوں اور روئی ہوں؟

لبنیٰ غزل: جواب 1: کئی بار ایسا ہوا کہ میگزین کی ایڈیٹر نے اختتام تبدیل کروایا......وجہ یہی کہ زندگی میں پہلے ہی بہت دکھی ہیں لوگ......لوگ کہانی پڑھ کر فریش ہونا چاہتے ہیں......اس لئے ہیپی اینڈنگ پر زیادہ زور ہوتا تھا......اور کچھ پالیسی کی وجہ سے اختتام تبدیل کرنا پڑا......

جواب 2: کہانی رات کا دکھ میں فضہ کا کردار ایک حقیقی کردار تھا......میرے پاس لائبریری میں ایک پر وقار سی خاتون آتی تھیں انہیں دیکھ کر مجھے لگتا تھا کہ ان کے اندر کوئی کہانی ہے......

جواب 3: کئی کہانیاں ایسی تھیں ......مثال کے طور پر رات کا دکھ......اجالے میرے سجدوں کے، قفس اداس ہے......وغیرہ ایک کہانی تھی چاند نہ میرے آنگن اترا جو ماں بیٹے کی محبت اور جدائی کی کہانی تھی اسے لکھتے ہوئے کئی جگہ میری آنکھ میں آنسو آئے تھے......

انمتہ گل: 1: آپ کا کوئی ایسا افسانہ ایسا ناول جس میں آپ نے خود کو محسوس کیا ہو؟

2: آجکل نئے لکھنے والے کیسا لکھ رہے ہیں اور لکھنے کے لئے کونسا وقت بہتر ہے؟

جواب 1: کئی مرتبہ ایسا محسوس ہوا......میں فطرتاً خاموش پسند اور سادہ طبیعت کی ہوں......اور میری ہیئر وئن میں یہ خاص بات رہی......

جواب 2: نئے لکھنے والے بہت اچھا لکھ رہے ہیں......بہت اچھا لکھنے کے لئے بہت اچھا مطالعہ بہت ضروری ہے......میرا لکھنے کا وقت عام طور پر دوپہر کی خاموشی کا وقت ہوتا تھا......کئی کہانیاں بالکل حقیقت پر تھیں جنہیں میں نے افسانے کا رنگ دیا......

عروشمہ خان: 1: آپکو گھر میں سب سے زیادہ کس نے سپورٹ کیا لکھنے کے لئے؟

لبنٰی غزل: مجھے اپنے گھر میں سب سے زیادہ سپورٹ اپنے والدین کی ملی جن کی حوصلہ افزائی کی بدولت میں آج اس مقام پر ہوں......بڑے بھیا کی بھی بہت سپورٹ رہی

بختاور بخت (میر ب خان): میرا پہلا سوال یہ ہے کہ۔۔۔ایسی کون سی تین صلاحتیں یا خوبیاں ہیں جو رائٹر کو ادب کے بام عروج پر لے جا سکتی ہیں؟

لبنٰی غزل: سب سے پہلے تو خداداد صلاحیت ہے......یہ صلاحیت ہی آپ کے اندر اٹھنے والی تحریکوں کو ابھارتی ہے...دوسرے بہترین ادب کا مطالعہ، زندگی کے زندہ مسائل کا مطالعہ......یعنی ایسے مسائل پر قلم اٹھائیں جو ہمارے معاشرے اور ہم سب کے گرد کسی نہ کسی صورت گھوم رہے ہیں......

میرا دوسرا سوال یہ ہے کہ ایک لکھاری کا فلسفیانہ سوچ کا حامل ہونا کتنا ضروری ہے۔اور کسی کہانی میں فلسفیانہ جملوں کا استعمال کس قدر ضروری ہے؟

لبنٰی غزل: کہانی میں فلسفیانہ سوچ رائٹر کے ادبی ذوق کا بھی پتہ دیتی ہے......اور کہانی کی بنت میں فلسفہ بیان کرنے کا بھی ہنر اور حسن ہوتا ہے......کسی بھی چیز کی کمی اس کے حسن کو گہنا دیتی ہے تو اس کی زیادتی نقصان دہ ہوتی ہے......کہانی کے مطابق فلسفہ بیان کرنا اس کے حسن کو بڑھاتا ہے اور اگر ضرورت سے

زیادہ ہو جائے تو قاری بور ہو جاتا ہے......قاری کی دلچسپی برقرار رکھنی ہے......

مرا تیسرا سوال یہ ہے کہ اکثر تحریروں میں عمدہ مرکزی خیال، جملوں کی بہترین ساخت اور تسلسل سب کچھ موجود ہوتا ہے، مگر پھر بھی رائٹر کے لب و لہجے میں چاشنی محسوس نہیں ہوتی، اس کی کیا وجہ ہے؟

لبنیٰ غزل: بہت زیادہ فلسفہ بھی قاری کی توجہ ہٹا دیتا ہے......ضرورت سے زیادہ منظر نگاری محض صفحات کی تعداد بڑھاتی ہے......مگر قاری کا دل و ذہن ہٹ جاتا ہے......

مرا آپ سے آخری سوال یہ ہے کہ اچھی تخلیق کے لیے دل اور دماغ کا باہمی ملاپ کس قدر اہم۔ ہے ۔۔یا کردار میں ڈوبے بنا بغیر کیفیاتی بہاؤ کے محض ذہنی قابلیت سے بھی ایک اچھی کہانی کی تشکیل ممکن ہے؟؟؟۔اگر آپ کا جواب ہاں میں ہے تو پھر اس کیفیت والے مسئلے سے نکلنے کے لیے کوئی ٹرک بتا دیں۔۔ بہت شکریہ

لبنیٰ غزل: اچھی تخلیق دل و دماغ کی ہم آہنگی سے تشکیل پاتی ہے......لکھنے کے لئے دماغ کو الجھن سے پاک ہونا چاہیئے اور دل کو مستعد......تب ہی اچھا لکھنے کی تحریک ملتی ہے......اور کردار میں ڈوب کر اور ماحول کا حصہ بن کر ہی لکھا جاتا ہے......اس کے بغیر تحریر میں جان نہیں پڑتی ...... جب تک کردار آپ پر طاری نہیں ہوگا آپ متاثر کن نہیں لکھ سکتے......

مدیحہ نور مہک: 1: کسی بھی تحریر کو ورق پہ اتارنے سے پہلے آپ کن باتوں کو مدنظر رکھتی ہیں؟

2: قاری کو اکتاہٹ سے بچانے کے لیے کیسے مکالمے بازی ہونی چاہیئے؟

3: ہر تحریر ہمارے ارد گرد کے ماحول کی عکاسی کرتی ہے یا نہیں؟

لبنیٰ غزل: سب سے پہلے اس کا مرکزی خیال......کہانی کے اتار چڑھاؤ، مکالمے خوبصورت مختصر اور برجستہ ہونے چاہئیں، کہانی ہمارے معاشرے کی عکاس ہوتی ہے جسے افسانے کا رنگ دے کر خوبصورت بنایا جاتا ہے......

شہربانو: اتنے خوبصورت اور بھرپور قلمی سفر کو آپ نے کیوں چھوڑ دیا؟

لبنیٰ غزل: بس گھریلو مصروفیات آڑے آ گئیں اور پھر بچوں کو بھی وقت دینا تھا......اور پھر اس طرح فاصلہ بڑھتا گیا میرے اور قاری کے درمیان......

عائشہ احمد رشی: میرا یہ سوال ہے کہ لکھا کیوں جاتا ہے؟

لبنیٰ غزل: فن کی تخلیق کسی بھی صورت میں ہو، فنکار کے اندر کی صلاحیتیں باہر آنے کے لئے بے تاب ہوتی ہیں، اور ایک لکھنے والا اپنی صلاحیت کی تسکین کے لئے اپنے ذہن کے ساتھ قلم کا سہارا لیتا ہے

طیبہ عنصر: آپ سے یہ سوال ہے کہ آپ جب کچھ عرصہ تک لکھنے سے دور رہی ہیں تو آپ کے لیے وہ تمام عرصہ لکھنے کی تحریک نہیں ہوئی یا ایسا کبھی نہیں ہوا کہ آپ کے ذہن میں کسی اچھی تحریر نے دم توڑ دیا ہو اور آپ نے اس کو لکھا نہ ہو کیا اب وہ لکھ سکتی ہیں انہیں صفحہ قرطاس پہ ان ہی رنگوں سے؟

لبنیٰ غزل: طیبہ، میری پیاری دوست میں جتنا عرصہ لکھنے کے میدان سے غائب اور دور رہی، میرے اندر سے لکھنے کی لگن کچھ عرصے کے لئے ضرور کم ہو گئی تھی......مگر ذہن میں الاؤ ساد ہکتا رہتا تھا......بہت سے خیال تڑپتے رہتے تھے......اور کتنی ہی کہانیوں کے پلاٹ بنتے بگڑتے بھی رہے......وقت اور مصروفیت کے باعث لکھ نہ پائی تھی......مگر ذہن کبھی خالی نہ ہوا تھا......اور بہت سی کہانیوں کے پلاٹ جو ذہن میں ابھرتے تھے انہیں ایک ون لائنر کی صورت لکھ کر محفوظ کر لیا......اب ان شاءاللہ فرصت ملتے ہی ان پلاٹ پر کام کروں گی......بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ فوری طور پر خیالات کو سپرد قلم نہ کیا جائے تو اچھی سوچ ذہن سے نکل جاتی ہے......اور بعض اوقات اس سے بھی اچھی سوچ ذہن کو مل جاتی ہے......سو بننے بگڑنے کا عمل جاری رہتا ہے......

عاصمہ کنول: میرا پہلا سوال یہ ہے کہ، انسان کیسے جان سکتا ہے کہ اس میں لکھنے کی قابلیت کس قدر پائی جاتی ہے؟ دوسرا سوال: ایک رائٹرز کے اندر نقاد کو برداشت کرنے کا حوصلہ کتنا ضروری ہے؟ کیونکہ مثبت

ومنفی بےلاگ تبصرے ہی ایک رائٹر کو فرش سے عرش تک پہنچاتے ہیں،تو ایسے میں اس کو ثابت قدم رہنے کے لیے کتنا حوصلہ درکار ہوتا ہے؟ تیسرا یہ کہ لکھنے کے لیے مشاہدہ کتنا ضروری ہے؟

میرا چوتھا سوال یہ ہے جیسا کہ آپ جانتی ہیں کہ معاشرے میں لڑکیوں کو اپنی تعلیم اور مستقبل کے حوالے سے بے شمار مسائل کا سامنا ہے، کچھ پرانے خیالات لوگوں کے ذہن میں آج بھی لڑکیوں کی تعلیم کے حوالے سے اختلاف پایا جاتا ہے اور بہت سی قابل لڑکیوں کا روشن مستقبل روایات کی نظر ہو جاتا ہے تو آپ کے خیال میں ایسے مسائل کا شکار لڑکی کیسے اپنے ان مسائل سے نبرد آزما ہو سکتی ہے؟

اور پانچواں سوال آپ سے کہ آپ نیو رائٹرز کو کیسے اور کس مقام پہ دیکھ رہی ہیں؟

لبنیٰ غزل: جواب 1: لکھنے کی یا کسی اور فن کی صلاحیت میں خداداد ہونے کا بہت دخل ہے...... آپ کے اندر کی صلاحیت خود بہ خود باہر آنے کے لئے بے تاب ہوتی ہے اور اگر آپ اس صلاحیت کو ابھارنے کے لئے بہت اچھے ادب کا مطالعہ کرتے ہیں تو آپ کی صلاحیتیں نکھر جاتی ہیں...... آپ کے اندر کی لگن ہی آپ سے بہت کچھ کروا سکتی ہے......

جواب 2: ہر فنکار کو اپنے اندر تنقید برداشت کرنے کا بہت حوصلہ ہونا چاہیئے......صحت مند تنقید سے بہت کچھ سیکھ کر اپنی اصلاح کی جا سکتی ہے......

جواب 3: معاشرے کا مشاہدہ بہت ضروری ہے...... جب تک آپ معاشرے کے مسائل کو دیکھیں اور سمجھیں گے نہیں...... آپ اپنے قلم کے ساتھ انصاف نہیں کر سکیں گے اور نہ ہی ان مسائل کا احاطہ کر سکیں گے......

جواب 4: لکھنے والوں کو میں بہت اچھے مقام پر دیکھ رہی ہوں...... نئے لوگ بہت اچھا لکھ رہے ہیں اور ان کے پاس قلم کی آزادی بھی ہے......بہت اچھا اور روشن مستقبل ہے......

آصف نور: میرا ایک ہی سوال ہے کہ دورِ جدید کے تقاضوں کے مدنظر ہمارے معاشرے میں ایک رائٹر

رائے کیا ہے؟ قلم کی اہمیت اب بھی ہے یا نہیں......

لبنیٰ غزل: میرے خیال میں پرنٹ میڈیا کی اہمیت کم نہیں ہو سکتی، جب تک کتاب کو ہاتھ میں لے کر نہ پڑھا جائے، پڑھنے کا لطف نہیں آتا، اور جو کچھ آن لائن شائع ہو رہا ہے آخر اسے پرنٹ بھی ہونا ہوتا ہے ورنہ تو وہ سب کچھ ہوا برد ہو جائے گا، قلم کی اہمیت کم نہیں ہو سکتی، قلم بہت بڑی طاقت ہے، پہلے قلم سے الفاظ نکلتے ہیں، پھر وہ کمپیوٹرز کی اسکرین پر نظر آتے ہیں......

فہمیدہ غوری: آپ کو اپنا کون سا افسانہ یا ناول بہت پسند ہے، پسندیدگی کی وجہ بھی بتائیں؟

لبنیٰ غزل: بہت سے ہیں، خاص طور پر "رات کا دکھ، اجالے میرے سجدوں کے......اور قفس اداس ہے" یہ خاص طور پر پسند ہیں اور پسند اس وجہ سے کہ انہیں دل سے لکھا اور قارئین کی پذیرائی بھی ملی......

فہمیدہ غوری: زوال پذیر ادب کی وجوہات کیا ہیں؟

لبنی' جی سے میرا سوال ہے کہ کسی موڑ پر ایسا ہوا کہ وقت بھی تھا اور ورق بھی ....قلم بھی ہاتھ میں اور کہانی کا خاکہ بھی ذہن میں موجود تھا مگر آپ وہ کہانی لکھ نہ پائی ہوں...............اگر ایسا ہو تو مصنف کو کیا کرنا چاہیئے؟

لبنیٰ غزل: کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سب کچھ ہونے کے باوجود موڈ نہیں بنتا، تو ایسے میں کچھ دیر کے لئے خاموشی بہتر ہے......پھر جب موڈ بن جائے تو لکھا جائے تو بہتر رہتا ہے۔

رابعہ ثناء: زندگی میں انسان ہزاروں لوگوں سے ملتا ہے، کوئی ایسا شخص ملا جس کو آپ نے کردار کے روپ میں اپنی کسی کہانی میں شامل کیا ہو؟

لبنیٰ غزل: جی بالکل "رات کا دکھ" میں فضہ کا کردار......میرے پاس ایک نہایت سلجھی ہوئی مخلص خاتون آتی تھیں، انہیں دیکھ کر لگتا تھا کہ ان کے پیچھے کوئی کہانی ہے......

رابعہ ثناء: قلم ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے، نئے لکھنے والوں کے لئے اس ذمہ داری کو خلوص نیت سے

نبھانے کے لئے کوئی نصیحت فرمادیں؟

لبنیٰ غزل: قلم واقعی بہت بڑی طاقت ہے......لکھنے والے پر بھاری ذمہ داری ہوتی ہے،کم اور معیاری لکھا جائے۔بہت زیادہ اور متواتر لکھنے سے کوالٹی میں فرق آجاتا ہے......اچھا لکھنے کے لئے اچھا مطالعہ بہت ضروری ہے......

ش م دانش: آج کل لکھنے والے یورپی ادب کی بہت زیادہ تقلید کر رہے ہیں اسی حوالے سے اکثر تحریریں اردو اور انگریزی الفاظ کا ملغوبہ بن کر رہ جاتی ہیں اس کے علاوہ ہمارے اپنے ہاں اتنے زیادہ تخیلات ہیں کہ ہمیں کسی دوسرے ادب سے کچھ مستعار لینے کی ضرورت بھی ہے یا نہیں؟ کیا اس تقلید سے ہمارا فائدہ ہو رہا ہے یا ہم نقصان اٹھا رہے ہیں؟ سب سے زیادہ اہم بات یہ بتائیں ایسے وقت لکھتے ہوئے اپنی من موہنی زبان کو ترجیح دی جائے یا غیروں کی زبان استعمال کرنی چاہیے؟ کیا ایسی تقلید سے ہم ترقی کی طرف قدم اٹھا رہے ہیں یا رو بہ زوال ہیں؟ ہماری اپنی تخلیقی صلاحیتیں کیا اسی قابل ہیں کہ ہم خود کچھ تخلیق کرنے کی بجائے دوسروں کی تقلید کریں؟ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ ہم ایسی روش اپنائیں کہ باقی ہماری تقلید میں لکھیں؟

لبنیٰ غزل: دوسری زبانوں کے ادب سے متاثر ہونا بری بات تو نہیں ہے،مگر ان کی تقلید میں اپنی زبان اور ثقافت کو نظر انداز کر دینا بہت زیادتی والی بات ہے۔ہمیں ہر حال میں اپنی زبان اور اقدار نہیں چھوڑنی چاہئیں،دنیا کی قوموں نے اپنی زبان کے بل بوتے پر ہی ترقی کی ہے،اور ہمارے زوال کا سبب ہماری روایات،زبان اور اقدار کا ساتھ چھوڑ دینا ہے۔ہماری اپنی تخلیقات اس قابل ہیں کہ دیگر زبانوں میں ان کے ترجمے ہوں......عمیرہ احمد کی تحریروں کے ترجمے انگریزی زبان میں ہو رہے ہیں......

معصومہ ارشاد: لبنیٰ جی ہم نو آموز لکھاریوں کے لیے آپ کیا سمجھتی ہیں کون سی کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے؟

لبنیٰ غزل: آج آپ نوآموز ہیں......کل ان شاءاللہ ایک نامور رائٹر ہوں گی، ہمارے رائٹرز کسی سے کم نہیں ہیں۔اشفاق احمد، بانو آپا،عمیرہ احمد، سرمحمود ظفر ہاشمی کی کتابیں ضرور پڑھیں......

امتیاز سندھی: میرے کچھ سوال ہیں لبنی جی سے کہ کسی کو لکھاری بننے کیلیئے کیا راستہ اپنانا چاہیۓ جب اس میں جذبہ ہو موضوعات بھی انیک ہو پھر کیسے اسے الفاظ کی خوبصورتی دیکر افسانے تک سفر کرایا جاۓ ایک سوال یہ بھی کہ خوشی ہے آپ نے خواتین کے مسائل اوران کے حقوق پر لکھا ہے کیا کوئی ایسا ملا حقیقت میں جسے آپ کا دل کرے کہ اس کی حقیقی سوانح حیات کی کتاب کی شکل میں منظرکشی کریں آپ سب سے اہم سوال کہ آپ نے دنیا کے کس ادب وابستگی رکھی اور پاکستان میں ہماری خواتین کے حقیقی مسائل غریب لوگوں کی زندگی اور حکمرانوں کیلیئے کیا کہیں گے آپ؟

لبنیٰ غزل: ہرانسان میں صلاحیتیں موجود ہوتی ہیں......بس انہیں نکھارنے کی ضرورت ہوتی ہے......اپنی لکھنے کی صلاحیت کو ابھارنے کے لئے اچھااور معیاری ادب کا مطالعہ ضرور کریں......

زندگی میں کئی لوگ ایسے ہوتے ہیں جن سے آپ متاثر ہوتے ہیں......اوران کی زندگی کو مثال بنا کر لکھنے کو جی چاہتا ہے......میرا زیرتحریر ناول ایک شخصیت سے متاثر ہو کر ہی میں لکھ رہی تھی درمیان میں بہت تعطل آ گیا......اب دوبارہ سلسلہ شروع کروں گی......لیکن یہ ان کی سوانح حیات نہیں ہو گی......

میں نے پاکستانی ادب سے ہی بہت شغف رکھا ہے۔

خواتین کے مسائل کے لئے حکومتی سطح پر کچھ کام تو ہو رہے ہیں مگر انہیں تسلی بخش نہیں کہا جا سکتا......کچھ این جی اوز بھی کام کررہی ہیں......مگر ہمارے گاؤں اور پسماندہ علاقوں کی صورتحال اس وقت تک نہیں بدلے گی جب تک وڈیرہ اور چوہدری کلچر ختم نہیں ہو گا......

وجاہت حسین: میرا سوال ہے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کچھ لکھاری خودغرض اور گھمنڈی ہوتے جاتے ہیں انکے لئے آپ کیا کہتی ہیں؟

لبنیٰ غزل: آج کل کے کچھ لکھنے والوں میں اس رویے کی شکایت دیکھی گئی ہے......شاید اس لئے کہ یہ مادہ پرستی کا دور ہے، کچھ لوگ ایسا کر رہے ہیں، سب نہیں۔ ہمارے دور میں ایسا نہیں ہوتا تھا......

وجاہت حسین: پرانے لکھاری نئے لکھنے والوں کو مدد کیسے کر سکتے ہیں؟

لبنیٰ غزل: نئے لکھنے والوں کے لئے، پرانے لکھنے والوں کی کتابیں ان نئے لکھنے والوں کے لئے ہر قدم پر مددگار ثابت ہو سکتی ہیں......سر محمود ظفر ہاشمی نہ صرف اپنی کتابوں کے ذریعے بلکہ فیس بک پر وقتاً...... اپنی تحریری شیئرنگ کے ذریعے یہ کام بخوبی کر رہے ہیں......عمیرہ احمد کی زیرِنگرانی الف کتاب کا سلسلہ نئے لوگوں کی بہت رہنمائی کر رہا ہے......

وجاہت حسین: منظر نگاری کے وقت منظر کی کن اشیا کو شامل کرنا چاہیے اور کن کو چھوڑ دینا چاہیے؟

لبنیٰ غزل: ضروری منظر نگاری کہانی کے اس سین کا حسن ہوتی ہے جہاں اس کی ضرورت ہوتی ہے سین کے مطابق منظر نگاری کی جاتی ہے......جیسے اگر بیڈروم کا منظر ہے تو کھڑکی کے لہراتے پردوں......بیڈ کی سائڈ ٹیبل لیمپ کی روشنی......کو خاص طور پر ہائی لائٹ کیا جاتا ہے......مگر غیر ضروری طوالت بور کر دیتی ہے......

وجاہت حسین: کہانی میں نئے موضوعات کو کہاں سے لیا جائے؟

لبنیٰ غزل: اس معاملے میں ہمارے معاشرے میں جا بجا مسائل بکھرے پڑے ہیں......

بنت عبداللہ: لبنیٰ باجی زندگی کی الجھنوں کو اپنے قلم سے سلجھانے کا ہنر آپ بخوبی جانتی ہیں۔ آپ کی زندگی کی الجھنیں شریکِ حیات کے بچھڑنے کے بعد کس طرح سلجھی؟ کن کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور کیا اس کٹھن وقت میں بھی آپ کے قلم نے آپ کا ساتھ دیا؟

لبنیٰ غزل: کافی عرصے سے میں قلم کی دنیا سے دور رہی، پھر بہت دوستوں کے اصرار پر دوبارہ قلم سے ناتہ جوڑنے کے لئے اپنے آپ کو تیار کیا تو زندگی اک بہت بڑے سانحے اور صدمے سے دوچار ہو گئی اور

میں بالکل ماؤف ہو چکی تھی ......پھر رفتہ رفتہ زندگی کی طرف آئی اور فیس بک جوائن کیا تو پتہ چلا کہ لوگ اب بھی مجھے یاد کرتے ہیں اور اصرار کرتے ہیں کہ میں پھر لکھوں ،بس اب پھر کسی نہ کسی چھوٹی موٹی تحریروں کی صورت میں آپ کے سامنے ہوں ......اور اب پوری کوشش ہے کہ اپنے قلم کو زندہ رکھوں ......ان سب میں آپ سب کی محبت شامل ہے......

صدف آصف: لکھنے سے آپ کو دور کر دیا جائے تو کیسا محسوس ہوگا؟

لبنیٰ غزل: یہ ایسا ہی ہوگا جیسے کسی آزاد پرندے کو زبردستی پنجرے میں قید کر کے اس کی بے بسی اور پھڑ پھڑانے کا تماشہ دیکھا جائے......

آمنہ عبدالغفور: 1: کے ہر کہانی ہر ڈرامہ میں عورت ہی کیوں مظلوم دیکھاء جاتی ہے؟

2: کیا قلم کے اندر اتنی طاقت ہے کہ وہ معاشرے کو بدل سکتا ہے؟

3: آپ کے خیال میں ادب کو کیسا ہونا چاہیے؟

4: آپ کا کیا خیال ہے جو لوگ درد بھرے الفاظ لکھتے ہیں وہ محبت میں گرفتار ہو کر لکھتے ہیں؟

5: کیا آداب کی دنیا مشکل ہے؟

لبنیٰ غزل: جواب 1: ہر ڈرامے یا کہانی میں تو نہیں مگر اکثریت ایسی کہانیوں کی ہے......شاید اس لئے کہ مرد کے اس معاشرے میں عورت اب تک اپنے حقوق سے محروم ہے

جواب 2: قلم میں بہت طاقت ہے، علامہ اقبال کا قلم ہی تو تھا جس نے اس سوئی قوم کو بیدار کیا، اب بھی کئی قلم یہ خدمت انجام دے رہے ہیں......

جواب 3: ادب کو معیاری............مثبت اور فعال ہونا چاہئیے یعنی کہ لکھنے والے کی بات باآسانی پڑھنے والے کے دل وذہن میں اترے......

جواب 4: ضروری نہیں اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا......

جواب 5: ادب کی دنیا مشکل نہیں ہے، اب تو اظہار رائے کی کھلی آزادی ہے، اور لکھنے والا زیادہ سہولت سے اپنی رائے کا اظہار بھی کر رہا ہے اور کما بھی رہا ہے......

امتیاز سندھی: سوشل میڈیا اور ڈجیٹل پرنٹ میڈیا کے حالات حاضرہ کے حوالے سے کیا کہیں گے آپ اور ہمیں یعنی نئی نسل کو کیا پیغام دینا چاہیں گے؟

لبنیٰ غزل: ہر ٹیکنالوجی کے فائدے نقصانات دونوں ہیں......مگر بدقسمتی سے ہم نے غلط استعمال سے رحمت کو زحمت بھی بنالیا ہے......سوشل میڈیا نے سب کو اپنی اپنی حد تک محدود و مصروف کر دیا ہے......اور سوشل میڈیا سے غلط قسم کے لوگ سرگرم نظر آتے ہیں......ڈیجیٹل میڈیا پرنٹ سے کام آسان اور تیز ہو گیا ہے......نئی نسل کے لئے یہ کہنا چاہوں گی کہ سائنس کی ترقی سے مثبت فائدہ اٹھائیں......اور رحمت کو اپنے اور دوسروں کے لئے بھی زحمت نہ بنائیں۔

بشریٰ سیال: آپ کے خیال میں آج کا ادیب معاشرے کو سنوارنے میں کس حد تک مثبت کردار ادا کر رہا ہے۔

لبنیٰ غزل: آج کا ادیب دونوں کام کر رہا ہے......کچھ لوگ اتنا اچھا اور معیاری ادب پیش کر رہے ہیں کہ جس میں تفریح کے ساتھ ساتھ اصلاحی پہلو بھی نظر انداز نہیں ہوتا......جیسے عمیرہ احمد اور کچھ ایسا بھی لکھا جا رہا ہے جس میں صرف تفریح کا عنصر مدنظر رکھا جاتا ہے، بہت معذرت کے ساتھ یہ کہوں گی کہ کچھ تو اخلاقیات سے ہٹ کر دکھا دیا جاتا ہے جو ادب کے زمرے میں بالکل نہیں آتا......ہم جو کچھ لکھتے ہیں دکھاتے ہیں اس کا اثر نئی نسل فوری طور پر قبول کرتی ہے لہٰذا ایک مصنف کی اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ منفی راستہ نہ اپنائے......اس کی تحریر......اس کے کردار رول ماڈل کی حیثیت اختیار کر جاتے ہیں......

بشریٰ سیال: آپ کی کوئی ایسی کہانی جو بہت دل سے لکھی ہو، جو حقیقت ہو؟

لبنیٰ غزل: جی رات کا دکھ، اجالے میرے سجدوں کے، قفس اداس ہے، قفس اداس ہے اس وقت یعنی آج

سے پچیس تیس سال پہلے ڈرگس مافیا پر لکھا تھا......

شہلا عزیز: اب جو افسانے لکھیں گیں تو ہیروئن پرانی ہی ہو گی تیکھی سی لڑاکا سی یا پھر تبدیل ہو گی؟

۲ آپ نے لکھنے میں اتنی دیر کیوں لگائی ایک لکھاری اپنے قلم کے ساتھ اتنا بڑا ظلم کیسے کر سکتا ہے وجہ بتائیں؟

لبنیٰ غزل: اب آپ سب کے اصرار پر قلم سے دوبارہ ناطہ جوڑا ہے، اب وقت بدل چکا ہے، آج کل کے مطابق ہی سب کچھ ہو گا، لیکن ادب کے دائرے میں، جو میں نے ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھا۔

لکھنے میں دیر تو ہو گئی، اس بات کا مجھے بہت ملال بھی ہے......اللہ کے ہر کام میں مصلحت ہوتی ہے......یہ تسلی کافی ہے۔ میں نے جو ظلم نہ لکھ کر اپنے قلم کے ساتھ کیا......اب ان شاءاللہ اس کا ازالہ کرنے کی کوشش کروں گی......

محمودہ عالیانی: میرا سوال ہے کہ آپ اتنا اچھا لکھتی ہیں پھر کیوں لکھنا چھوڑ دیا؟ اور آپکی شاعری بھی بہت ہی بہترین ہوتی ہے میری آپ سے درخواست ہے کہ جلد از جلد قلم سے ناطہ جوڑ لیں اور ہمیں اپنی اچھی اچھی تحریر پڑھنے کو دیں؟

لبنیٰ غزل: بس گھریلو مصروفیات ایسی آڑے آئیں کہ قلم سے غافل ہو گئی، لیکن اندر تڑپ موجود تھی، اب آپ سب چاہنے والوں کے اصرار پر دوبارہ لکھنے کی بھرپور کوشش ہے، اور شاعری کی پسندیدگی کا بھی بہت شکریہ، کوشش میں ہوں کہ شاعری کی کتاب بھی جلد منظر عام پر لے آؤں، آپ سب کی دعائیں ساتھ ہیں......

بنت عبداللہ: ادب کی دنیا میں آپ کسے اپنا استاد مانتی ہیں؟ یا آپ کس سے زیادہ متاثر ہیں؟

لبنیٰ غزل: جس سے بھی آپ کچھ سیکھ لیں وہ آپ کا استاد ہے، ادب کی دنیا بہت وسیع ہے، میں نے ادب کے پرانے لوگوں کو بھی پڑھا اور نئے لوگوں کو بھی پڑھ رہی ہوں اشفاق احمد، احمد ندیم قاسمی، بانو

قدسیہ قدرت اللہ شہاب، ممتاز مفتی ...... یہ سب قابل احترام اساتذہ ہیں، ان کے بعد کے دور میں عمیرہ احمد اور سر محمود ظفر اقبال ہاشمی سے بہت زیادہ متاثر ہوں .... اور ایک بہت صوفیانہ شخصیت، بابا یحییٰ جو چلتا پھرتا انسائکلو پیڈیا ہیں، لفظوں کا خوبصورت ذخیرہ اور معلومات کا خزانہ ہے ان کے پاس تو ان سب سے اور جو نیا اور اچھا لکھ رہے ہیں ان سے بھی استفادہ حاصل کرنے کی کوشش ہوتی ہے......

ام حضیفہ: 1: ایک عورت کی حیثیت سے ادب کی دنیا میں آپ کو کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا؟

2: آپ کے خیال میں خواتین کے لئے قلم کی دنیا پھولوں کی سیج ہے یا کانٹوں کا بستر؟

لبنیٰ غزل: جواب 1: ادب کی دنیا ہو یا کوئی اور میدان خواتین کی صلاحیتوں کو ذرا دیر سے ہی تسلیم کیا جاتا ہے، اور ادب کی دنیا میں آنے بعد دوسرے تو بعد میں، پہلے اپنے خاندان (ماں باپ بہن بھائیوں کے علاوہ) کے لوگ ہی تنقید کا نشانہ بناتے ہیں کہ لو اب محبت کی بے شرم کہانیاں لکھی جائیں گی، خاندان کا نام بدنام ہوگا وغیرہ وغیرہ، یہ ایک عام اور پرانا تاثر ہے جب لڑکیوں کا کسی بھی فیلڈ میں آنا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ اللہ کا شکر ہے میرا گھرانہ ایک تعلیم یافتہ گھرانا تھا اس لئے مجھے مشکل پیش نہیں آئی، میرے والد مجھے کہا کرتے تھے کہ طوطے مینا کی کہانیاں مت لکھنا...... جیسے جیسے لکھنے کا پختہ شعور آتا گیا...... کہانیوں کا انداز بدلنے کی کوشش کی تو میگزین والوں کا انتباہ کہ پالیسی سے متصادم نہ ہو...... میری کئی کہانیاں اس وجہ سے تبدیل کرائی گئیں کہ ہمیں پرچہ بند نہیں کرانا ...... تو مشکل اور آسانی تو ہر جگہ ہوتی ہے......

جواب 2: آج کا دور پہلے سے نسبتاً آسان دور ہے اور فیس بک کی بدولت رائٹر کو اس کی محنتوں کا صلہ فوری طور پر ستائش کی صورت میں مل جاتا ہے، ہمیں لوگوں کی رائے جاننے کے لئے ایک ماہ انتظار کرنا پڑتا تھا، آج کے دور میں لکھنے اور اظہار رائے کی آزادی نے رائٹر کو اتنا پابند نہیں رکھا، آسانیاں اور سہولتیں ہیں اور آپ کھل کر لکھ سکتے ہیں...... جیسا کہ آج کل کر لکھا جا رہا ہے...... اور اس میں عزت، دولت شہرت سب ہے۔ تو آج کا دور تو رائٹر کے لئے پھولوں کی سیج ہی ہے...... مگر اپنے آپ کو

منوانے کے لئے محنت لازم ہے......

انمول عائشہ صدیقی: آپ کی نظر میں معاشرے کی خرابی کی اہم ذمہ داری کی وجہ کون ہے؟

اوردوسرا سوال یہ ہے کہ لکھنے کیلیئے حقیقی زندگی بہت اہم ہوتی ہے مگر اکثر اوقات ہمیں خوابی الفاظ اور جادوئی دنیا (جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا) بھی دل میں ایک جگہ بنا لیتے ہیں تو کیا کبھی کبھی کچھ ایسا لکھنا بہتر ہوتا ہے؟ جو ہونا سکے مگر ہم چاہیں کہ کاش ایسا بھی ہو جائے جو ہم بس لکھ رہے ہیں......

لبنیٰ غزل: جواب: معاشرے کی خرابی اور بگڑتی ہوئی صورت حالات کے ذمہ دار ہم سب ہیں، معاشرہ ہم سب سے مل کر بنا ہے اور ہم اس کا حصہ ہیں۔ وقت اور زمانے کی ترقی نے سہولتیں تو دی ہیں مگر ان سہولتوں سے فائدہ اٹھانے کے ساتھ ساتھ ان کے نقصانات بھی ہیں اور منفی اثرات جلد اثر کرتے ہیں سو یہی حال ہمارے معاشرے کا بھی ہے......

ناہید اختر بلوچ: زندگی میں کس چیز نے ہمیشہ لکھنے پر اکسایا؟

اگر اپنے لکھنے کا کریڈٹ کسی کو دینا چاہیں تو کس کو دیں گی؟ اپنے راز کس کو بتاتی ہیں؟؟؟

اگر رائٹر نہ ہوتیں تو؟ زندگی میں کوئی کمی محسوس کرتی ہیں؟

لبنیٰ غزل: جواب: پہلے تو اپنا نام ڈائجسٹ کے صفحات پر دیکھنے کی تمنا نے لکھوایا۔ میرے والدین سے مجھے ادبی ذوق اور مطالعہ کا شوق ملا، میٹرک کلاس میں آئی تو زیب النساء رسالے کا مطالعہ کرتے ہوئے ایک دم یہ خیال ذہن میں آیا کہ میرا نام بھی ان صفحات پر شائع ہو بس اس لگن نے قلم ہاتھ میں تھما دیا، اور پھر جیسے جیسے شعور آتا گیا اس کے مطابق زندگی اور خواتین کے گھریلو معاشرتی مسائل پر لکھا......

جواب: لکھنے کا کریڈٹ میں اپنے والدین کو دوں گی جن کی حوصلہ افزائی کے باعث میں آج اس مقام پر ہوں......اس کے بعد اپنے قارئین اور آپ سب جیسے مخلص دوستوں کو جنھوں نے میری قدردانی کی اور مجھ سے لکھوایا......اتنا عرصہ میں اس میدان سے دور رہی مگر اب میں دیکھ رہی ہوں کہ میرے قدردان

میری تحریروں کے منتظر ہیں......تو اب دوبارہ لکھنے کا کریڈٹ میرے چاہنے والوں کو جاتا ہے

جواب: سب سے زیادہ رازدار ماں ہوتی ہے......اور اس کے آپ کی زندگی کا ساتھی آپ کا راز دار ہے میں نے اپنے شوہر سے جب تک وہ حیات رہے زندگی کا ہر دکھ سکھ، راز کی بات ان سے شئیر کی......اور اب اپنے بچوں سے سب کچھ شئیر کرتی ہوں اور وہ مجھ سے کرتے ہیں، ویسے کچھ خاص باتیں اپنے سچے اور مخلص دوست کے ساتھ شئیر کی جاتی ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر اللہ تبارک تعالی کی ذات پاک جو ہمارے دلوں کے بھید سب سے بہتر جانتا ہے......

جواب: اگر رائٹر نہ ہوتی تو ایک صحافی ہوتی......مجھے جرنلزم کا بھی بہت شوق رہا، یعنی قلم اور قرطاس سے رشتہ اور اس کی چاہ میری جڑوں میں شامل رہی ہے......

جواب: جی اب کرتی ہوں، میں اپنے شریک حیات کی کمی کو زندگی کے ہر قدم پر محسوس کرتی ہوں اور شاید جب تک میں زندہ ہوں یہ کمی پوری نہیں ہو سکتی......

میں نے اپنے قارئین کو بہت مس کیا جب میں قلم سے دور رہی......میں اپنے اندر اس کمی کو بھی محسوس کرتی ہوں کہ قلم کا وہ حق ادا نہیں ہوا جو ہونا چاہئے تھا......

ثمن شفاء: ہمیں اچھا لکھنے کے لیے مطالعے کے علاوہ معاشرے سے کس حد تک باخبر رہنا چاہیے؟

لبنیٰ غزل: جواب: کتابوں کے مطالعہ کے ساتھ معاشرے کا مطالعہ اور مشاہدہ بھی ضروری ہے معاشرہ اپنے گھر سے شروع ہو کر اجتماعی شکل اختیار کرتا ہے تو پہلے اپنے اردگرد نگاہ ڈالیں......ہمیں قدم قدم پر ستائے ہوئے لوگ اور ان کے مسائل نظر آئیں گے جو آپ کی تحریر میں تلخ ہی سہی مگر حقیقت کا رنگ بھریں گے......

جی تو دوستوں ہمیں امید ہے کہ لبنیٰ غزل کے ساتھ یہ طویل نشست آپ سب کو بہت پسند آئی ہوگی اب اگلے انٹرویو تک اجازت چاہتا ہوں......اللہ حافظ

☆ ست رنگ سروے ☆

اسلام علیکم......

سب سے پہلے ست رنگ میگزین کی ٹیم کو سلام اور مبارک باد کہ اتنی خوش اسلوبی سے یہ میگزین چلا رہی ہیں اور بہترین کاوشیں منظر عام پہ لائی جا رہی ہیں سکینڈ اس بات پہ مبارک باد کہ انہوں نے نئے رائٹرز کی حوصلہ افزائی کی اور انکی ہر ممکن مدد کی...... مجھے لکھتے ہوئے گیارہ سال ہو گئے میں اپنے کالج سکول کی بیسٹ ڈیبیٹر ہوں آنچل میں لکھتی ہوں مگر جتنی محبت ست رنگ سے ملی علینہ ملک سے ملی دل سے مشکور ہوں سچ میں قرض دار ہوں شاید ہی قرض چکا سکو بے شک میری تحاریر ڈائجسٹ میں لگ چکی مگر مجھے سپورٹ کرنے والی ہمت حوصلہ دینے والی میری کامیابیوں اور مجھے ملنے والی محبتوں کی وجہ ست رنگ میگزین کی انچارج علینہ ملک ہیں اگر کہوں کہ میری کامیابی انکے دم سے ہے اور جتنی محبت ملی...... مجھے خود کو نمایاں کرنا دوسروں سے مقابلے بازی پسند نہیں.......... اور میری خاموشی کے باوجود اتنی محبت تہہ دل سے مشکور ہوں اور ست رنگ میں مجھے کوئی کمی کوئی خامی نظر نہیں آئی یہ اک مکمل تفریحی اصلاحی میگزین ہے ہاں اک رائے دوں گی اک سلسلہ ہو جس میں قارئین رائٹر اپنا میسج دے سکیں...... بہت بہت شکریہ اور بہت سا پیار ست رنگ میگزین کے لئے اور علینہ ملک، کہکشاں صابر اور عدیلہ سلیم کے لیے......

سار یہ چوہدری (گجرات)

☆=☆=☆

السلام علیکم......

ست رنگ میگزین، کہاں سے شروع کرو کچھ سمجھ نہیں آ رہا ہے۔ ماشاءاللہ ہر تحریر مختلف رنگ، پہچان کے ساتھ دل مو لیتی ہے۔ میں نے آپ کا میگزین نومبر میں ہی پڑھنا شروع کیا تھا پر آپ کو یقین نہیں آئے گا کہ کیسے شدت سے ہر ماہ ست رنگ میگزین کا انتظار ہوتا ہے، آرٹیکل اور افسانوں کے اپنی ہی طرز تحریر ہے جو الف سے یے تک پل بھر میں ہماری اصلاح کرتی ہے وہی بہت سی باتیں۔ اور معلومات جس سے ہم بے خبر ہوتے ہیں اس سے ہمارے ذہنوں کو روشن کرنے اور ہمارے رویوں میں واضح فرق پیدا کرنے میں بھی مدد دیتی ہے......اب آتی ہوں سلسلے وار ناولز کی طرف، سب ہی ناول ایک سے بڑھ کر ایک...... بند قبا کھلنے لگی جاناں، از سعدیہ عابد، بہت ہی کمال ناول ہے رشتوں میں الجھا اور انہی رشتوں سے سلجھتا ہوا محبت و اعتماد کا راستہ۔ تیرے بن جی نہ سکے از نعیم سجاد کچھ لوگ زندگی کے لیے ضروری ہی نہیں بلکہ بہت ضروری ہو جاتے ہیں محبت کے گرد گردش کرتی محبت کی کہانی، سچ میں ایک بہترین تحریر جس کی تعریف چند سطور میں ممکن نہیں ......عشق سنگ مرمر سا۔۔۔ از اقراء عابد، عشق حقیقت میں ہے ہی نازک گلاب کا دوسرا عکس ہے یا ایسا کہوں تو غلط نہیں ہوگا کہ شفاف بہتا پانی ہے جو من سے من کو سیراب کرتا ہے، اقراء آپ کی تحریر دل کو چھو لینے والی ہے۔ زندگی کانچ کا کھلونا ہے از سار یہ چوہدری، زندگی کبھی ایک سی نہیں رہتی رنگ بدلتی ہے پل بھر میں کہ انسان کی سوچ اور احساسات منجمند ہو کر رہ جاتے ہیں

اور اگلی منزل اگلی راہ آپ کے لیے زندگی کا کون سا چھپا دروازہ کھول دیں خبر نہیں، انسانی تدبیریں سوچ میں گم ہونے لگتی ہیں...... سارہ چوھدری کا لکھنے کا انداز بہت ہی دلکش ہے۔

سب ہی ناول ایک دوسرے سے الگ لیکن ہر ایک میں بسے رنگ ہزاروں کی تعداد میں۔۔

اللہ تعالی آپ کے میگزین کو دن دگنی رات چگنی ترقی دے اور جو خواب آپ تینوں ایڈیٹرز۔۔ کہکشاں صابر۔ علینہ ملک اور عدیلہ سلیم کی آنکھوں میں اس میگزین کے متعلق ہے ان شاء اللہ جلد از جلد پورا ہوں آمین ...... تاکہ یہ رنگوں کا جہاں مجھے اور مجھ جیسے سبھی ریڈرز کو اپنی فیری ٹیل کی دنیا کی سیر کرواتا رہے

جزاک اللہ۔

ارم شیخ ...... فیصل آباد

☆=☆=☆

السلام علیکم......

سب سے پہلے تو ست رنگ کی ٹیم کو ایک سال مکمل ہونے اور بہترین کارکردگی پر بہت بہت مبارک باد اور دعائیں۔ ست رنگ میگزین بلاشبہ آج کے اس مقابلے کی دوڑ میں ایک ننھا پودا یا پھر اس دیئے کی طرح ہے جو بیشک اپنی روشنی کو بہت دور تک تو نہیں پہنچا سکتا مگر اس کے قریب اور آس پاس رہنے والے لوگوں کو اس سے فائدہ ضرور حاصل ہو رہا ہے اور ان شاء اللہ ہوتا رہے گا۔ میگزین کے سبھی سلسلے بہترین ہوتے ہیں معلوماتی اور اصلاحی اور خاص طور پر سلسلے وار ناول جن کا انتظار شدت سے رہتا ہے۔ سلسلے وار ناول تینوں بہت اچھے ہیں لیکن جن ناولز نے زیادہ متاثر کیا ہے ان میں، تیرے بن جی نہ سکے، عشق سنگ مرمر سا اور اب زندگی کانچ کا کھلونا ہے اپنی جگہ بنانے میں بھرپور طریقے سے کامیاب ہوا ہے۔ جس پر تینوں مصنفین داد کے مستحق ہیں۔ ست رنگ کی ایڈیٹرز کی محنت بھی قابل ستائش ہے۔ دعا ہے کہ میگزین مزید بہتری کی طرف گامزن ہو جائے...... آمین

عنایہ علی ...... ڈیرہ اسماعیل خان

☆=☆=☆

آپ کے خطوط

﴿آپ کے خطوط﴾

السلام علیکم۔

اُمید ہے آپ سب خیریت سے ہوں گے۔ میری طرف سے سات رنگ کو بہت بہت سال گرہ مُبارک ہو' اس ماہ پاکستان کی سترہویں سال گرہ اور سات رنگ کی پہلی سال گرہ منائی جارہی ہے۔

سات رنگ' اور میرا ساتھ اکتوبر دوہزار سولہ سے ہے جب اس میں میرا پہلا کالم شائع ہوا۔ پھر ایک افسانہ (میرے درد کو بیاں ملے) اس کے بعد سلسلہ وار ناول پر طبع آزمائی کی۔ جو ابھی تک زیرِ اشاعت ہے۔ اور اب اختتام کے قریب ہے۔ اس کی دو' تین اقساط باقی ہیں۔ پچھلے کچھ ماہ میں سلسلہ وار ناولٹ بھی شائع ہوا (''یہ داستانِ عشق ہے'' کے نام سے)۔

مجھے لکھنا آتا ہے یا نہیں' اس کا فیصلہ قارئین کرتے ہیں۔ ہاں ساتھ رنگ نے اس سب میں میرا جو ساتھ دیا وہ قابلِ ستائش ہے۔ سات رنگ میں ہر طرف رائیٹرز کے رنگ بکھرے ہوئے ہیں۔ سات رنگ بہت اچھے انداز میں Self-Finance پر اپنے میگزین کو آگے بڑھا رہا ہے۔ سات رنگ ہر گُزرتے شُمارے کے ساتھ بہتر سے بہترین کے سفر کی طرف گامزن ہے۔ اور ہم سب کی دُعائیں اس کے ساتھ ہیں۔ بلا شبہ یہ سات رنگ ٹیم ورک کی محنت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

میرا تعارف ایک اور میگزین والوں سے ہوا۔ میں نے انکو اپنے ناول بھیجنے کا کہا تو انہوں نے کہا کہ ساتھ -/350 روپے بھی بھیجو۔ میں حیران کہ کس لئے تو کہتے ہیں' تحریر شائع کرانے کے۔ خیر اس ماہ سال گرہ نمبر کے لئے افسانہ بھیج رہا ہوں۔ انشا اللہ جلد آپ میرا سلسلہ وار ناول (''رَسمِ وفا'') پڑھ سکیں گے۔ اللہ آپ سب کا حامی و ناصر ہو۔

آپ سب کی خیریت کا متمنی

نعیم راجپوت (اسلام آباد)

جواب:

وعلیکم سلام۔ بہت شکریہ نعیم میگزین کی پسندیدگی پر ہم آپ کے بہت مشکور ہیں...... آپ کو بھی جشن آزادی اور میگزین کے ایک سال مکمل ہونے پر بہت مبارک باد...... آپ ہمارے میگزین کے سب سے پہلے سلسلے وار ناول نگار ہیں اور ہمیں بہت خوشی ہے کہ آپ نے اپنی قلمی زندگی کا آغاز ہمارے میگزین سے کیا اور ہمیں پوری امید اور یقین ہے کہ آپ کا ہمارا ساتھ ہمیشہ رہے گا اور یوں ہی اپنی قیمتی آراء سے ہمیں مستفید کرتے رہیں...... ہماری دعا ہے کہ اللہ پاک آپ کو بہت کامیابیاں عطا فرمائے (آمین)

☆=☆=☆

اسلام علیکم؛

سب سے پہلے ست رنگ کے پورے سٹاف کو ست رنگ کی سالگرہ بہت بہت بہت مبارک ہو...... ست رنگ میری زندگی میں سات رنگوں کی بہار لے کر آیا...... ست رنگ کی دھنک سے ہم نے زندگی میں واضح خوبصورتی محسوس کی...... اس کی تعریف کیلئے سچ میں الفاظ گم سے ہو گئے ہیں...... کیونکہ سات رنگوں کی تعریف کرنا سورج کو چراغ دیکھانا ہے...... رنگ سبھی خوبصورت ہیں اور اگر کوئی ساتوں رنگوں سے مزین ہو...... تو تعریف کیسے کریں بحر حال ہم کوشش کرتے ہیں آپنی محبت کا اظہار کرتے ہیں کیونکہ اظہار کے بنا اس سے رشتہ کمزور پڑے گا اور ہم اتنے خوبصورت رنگوں سے رشتہ کیسے کمزور کر سکتے ہیں...... دسمبر سے ہم نے پڑھنا شروع کیا اور پھر بہت اچھا لگا...... اور ہم نے سوچا ہم بھی اس کے رنگوں میں شامل ہو جاتے ہیں (اگر چہ پھیکے سے رنگ ہیں

)اور جنوری میں ہماری خوشی کی انتہا نہ رہی جب میری تحریروں کو جگہ ملی ...... میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتی کہ میں کتنی خوش ہوئی ......اس کے بعد سات رنگ سمیٹنے کے ساتھ ساتھ اس میں اپنی تحریریں بھی بھیجتی رہی اور تبصرے بھی ......اور آج ماشاءاللہ ایک سال ہو گیا ہے...... دھرتی پر سات رنگوں کی دھنک بکھرتے ہوئے ....اس میں جاری چاروں ناول ایک سے بڑھ کر ایک ہیں ...... بہت بے چینی سے انتظار کرتے ہیں ......اب آتے ہیں...... جون جولائی کے اسپیشل میگزین کی طرف، اداریہ علینہ ملک سے شروع ہوئے بہت خوبصورت الفاظ سے مزین تھا......اداریہ سے ہوتے ہوئے ثمرین یعقوب کے صدقہ اور رمضان سے مستفید...... ہوئے بلاشبہ خوبصورت آیات اور احادیث نے دل کو چھو لیا بہت اچھا لگا......اس کے بعد حوریہ ایمان کا رحمتوں اور برکتوں کا مہینہ بہت اچھا لگا......علینہ ملک کا روزہ صبر بھی بہت اچھا لگا آریان کو ساجد نے جو جواب دیا بہت سبق آموز تھا......عنبرین اختر کی تحریر کی بھی بہترین تھی......برستی آنکھیں معصومہ سولنگی کی بہت اچھی کاوش ......ایمن کیلئے بہت اچھا لگا روتے روتے آخرا سکے ہونٹ مسکائے مصطفٰی کی بے انتہا محبت پا کر......ارم فاطمہ کے ادھورے جہاں نے آبدیدہ کر دیا لیکن بہت اچھے الفاظ کا چناؤ کیا ارم نے سٹوری بیسٹ تھی ...... سا ریہ چودھوری کے ناول زندگی کانچ کا کھلونا ہے......کی ڈوریں ابھی الجھی الجھی سی ہیں مگر ناول مزے کا ہے یقیناً آگے چل کر مزید فنٹاسٹک ہوگا...... پارس کا کردار اور اس کا جو نقشہ کھینچا گیا ......اس سے ملنے کی خواہش سی ہوگئی......غزل شاہین کی اک سایہ فگن بہت بہت اچھی لگی امید ہے آئندہ بھی ان کی تحریروں سے مستفید ہونگے...... باقی ناولوں کے ساتھ ساتھ تحریریں بھی ازحد اچھی تھیں...... کچھ مصروفیت کے بنا پر باقی پر تبصرہ نہیں کر سکی ......آئندہ ان شاءاللہ بھرپور تبصرے کے ساتھ حاضر ہونگی ......اللہ حافظ

راحیلہ بنت مہر علی شاہ (گاؤں آماخیل ضلع ٹانک)

☆=☆=☆

جواب:

وعلیکم سلام، راحیلہ میگزین کی تعریف کا بہت شکریہ......آپ کی تحریروں نے بھی میگزین کو ایک نیا رنگ دیا ہے جس پر ہم آپ کے شکر گزار ہیں اللہ آپ کو مزید اچھا لکھنے کا جوہر عطا فرمائے آمین......ست رنگ میگزین کے گزشتہ شمارے پر آپ کا بھرپور تبصرہ پڑھ کر بہت اچھا لگا میگزین کی پسندیدگی کا شکریہ۔

☆=☆=☆

نظم ﴿ کتاب دوستی ﴾

تُو کیا سمجھتا ہے کیا ہے کتاب؟
محض سیاہی میں لپٹے اوراق
نہیں!
گر تُو مشقتِ مسلسل سے اکتا جائے
یہ تیرے دل کو لبھاتی ہے
مگر تُو بآسانی کہہ دیتا ہے
نہیں میسر وقت مجھ کو
کہ کتاب پڑھنا ہے بے مصرف مشغلہ
تُو ادراک تو کر
کبھی فرصت میں اسے پڑھ
تُو اس سے حظ اٹھائے گا
یہ نفسِ انسانی کا اظہار ہے
علم و آگہی کا مرکز ہے
اک نعمتِ بے مثل ہے
دوستوں کو دوست بناتی ہے
موسم نئے، نئی رتیں لاتی ہے
سبق دین و دنیا کا سکھاتی ہے
علم کا بیش قیمت خزانہ ہے
تیرا دل بہلانے کا بہانہ ہے

از: سارہ شبیر (ینگ وومن رائٹرز فورم اسلام آباد)

ایک وقت وہ بھی آئے گا جب اپنا سبز پرچم چاند پر لہرائے گا

اپنی خوشبوں سے یہ سارے جگ کو مہکائے گا

شاد باد ہو گا اپنے لہوں سے یہ ملک اپنا

ہم رہے نہ رہے رہے گا جہاں میں سدا یہ ملک اپنا

روشنی سے اس کی روشن زمیں کا ذرا ذرا ہو جائے گا

ایک وقت وہ بھی آئے گا جب اپنا سبز پرچم چاند پر لہرائے گا

اپنا پرچم بنے گا سارے جہاں میں پہچان اپنی

ہم بنے گے جان اس کی یہ بنے گا شان اپنی

ساری فضاء میں رنگ اس کا گھل جائے گا

ایک وقت وہ بھی آئے گا جب اپنا سبز پرچم چاند پر لہرائے گا

اس پرچم کے بنے گے ہم سب رکھوالے

کس میں ہو گی اتنی جرات جو اس پہ بری نظر ڈالے

اس کی طرف بڑھنے والا ہر قدم کٹ جائے گا

ایک وقت وہ بھی آئے گا جب اپنا سبز پرچم چاند پر لہرائے گا

اپنی خوشبوں سے یہ سارے جگ کو مہکائے گا............

انشاء اللہ............

از قلم: کامران فرمان علی

غزل

گر ہو سکے تو میرا اک کام کرو

میرے نام اپنی اک خوبصورت شام کرو

معلوم ہے وقت نہیں دو گے مجھے

دو گھڑی مجھ سے ملنے کا اہتمام کرو

تمنا ہے میری کہ تم یہ کہہ دو

نہیں بھولوں گا تمکو، یہ پیغام کرو

کرتے ہو اگر تم محبت مجھ سے

چاہتی ہوں یہ بات سرِ عام کرو

فقط اتنی ہی آرزو ہے میرے دل کی

میرے نام بس تم اپنا نام کرو

شاعرہ: سارہ شبیر (س ش)

غزل

سبھی رنگ تیری چاہت کے آج اتر جانے دے

ٹھہر جا دو پل، کہ ہمیں پتھر کا ہو جانے دے

پھر نجانے تجھے میسر بھی آئیں فرصتیں کہ نہیں

کچھ پل جو میرے ساتھ ہو، میری ہمراہی میں گزر جانے دے

تیرے بعد تو روز جئیں گے روز مریں گے ہم

آئیں گے تجھے بھی یاد ذرا موسم ہجراں گزر جانے دے

زندگی میری تھی اسے دنیا والوں نے گزارا

ہوگا سب کو احساس ذرا ہمیں مر جانے دے

از قلم: ساریہ چوھدری

نظم ﴿پاک پتن کی دھرتی﴾

روہی کے آغاز سے پہلے
دائرے جیسا یہ شہر
قدیم وجدید کی بکل اوڑھے
اونچے نیچے ٹیلوں پر
ہنستا بستا، جاگتا سوتا
یاد دلاتا رہتا ہے کہ
گنج شکرؒ کی درگاہ پر
دیوانے آتے رہتے ہیں
مستانے آتے رہتے ہیں
سامنے جانب اس مزار کے
میں بیٹھا یہ سوچ رہا ہوں
پاک پتن کی دھرتی یارو
کتنی مقدروں والی ہے
دنیا آتی ہے اس در پر
فیض فرید بھی جاری ہے

شاعر محمد ساجد

نظم ﴿سالگرہ مبارک ہو﴾

تمہاری سالگرہ پر

تمہیں میں نذر کرتی ہوں

دعاؤں کے بیش قیمت تحفے

امیدوں کے خوشنما ریپر میں

سجا کر،

میری دعا ہے کہ

ترے ہر رنگ سے ابھرے

ادب کے چاند اور تارے

سدا تم کامیابیوں کے افق پر

سربلند ٹھہرو

ادب کی قوس قزح میں

تم آٹھواں رنگ ٹھہرو

"ست رنگ" ادب کے افق پر

ابھرتا سورج بن کر ابھرو

شاعرہ: آمنہ شاہ

نظم

سنا تھا میں نے کسی سے

محبتیں سزائیں ہوتی ہیں

میں دیر تک ہنسی تھی

مزاق بنایا تھا اسکا

بھلا محبتیں بھی کبھی سزا ہوتی ہیں

لیکن جب محبت کو قریب سے دیکھا

خود پر بتا کر دیکھا

تو پتا چلا

کسی یاد میں تنہا جلنا

کسی کے لا حاصل انتظار میں

اکیلے بیٹھ کر کڑھنا

کسی کی بے رخی پر

چھپ چھپ کر آنسو بہانا

اپنا بھرم رکھنے کے لیے

درد چھپا کر مسکرانا

اپنے دکھوں میں تنہا

گھل گھل کر جینا

تب مجھے پتا چلا

کسی نے سچ ہی کہا تھا

محبتیں سزائیں ہوتی ہیں

شاعرہ۔۔فری رانجھا (سرگودھا)

☆......☆......☆

﴿غزل﴾

میرے آنکھوں میں ہزاروں رنگ......

اور ان گنت خواب......

میری آنکھیں بھری ہوئی ہیں......

محبت کی کہانی سے......

یادوں کی روانی سے......

ذرا غور سے دیکھو......

کہا نا کہ ہزاروں رنگ ہیں......

یہ دیکھو محبت ہے سنہری سی......

ہاں یہ دیکھو یادوں کا گلابی رنگ......

ادھر سارے سپنوں کے......

او دے اجلے پیارے رنگ......

مگر ان سب پہ جو ہے اک افسردگی......

نمکین پانیوں سا رنگ بھرا ہے......

دیکھو میرے ھمدم......

کچھ سمجھ میں آتا ہے......

میں نے کہا نا میری آنکھوں میں......

ہزاروں رنگ......

ہزاروں خواب......

ہزاروں خواہشیں ہیں......

پر یہ نمکین پانیوں سا رنگ......

مجھے بھی سمجھ نہیں آتا......

کبھی تم مجھے دیکھو......

ذرا سا غور سے دیکھو......

تو شاید میں تمھاری آنکھوں کے عکس میں......

یہ رنگ سمجھوں......

یا پھر آنکھوں کا رنگ بدلوں......

از: رابی اقبال

☆......☆......☆

نظم ﴿وطن بس توں ہی توں﴾

میں نے ہے وطن جب سے تجھ کو پکارا

تب سے ہے یہ میری نس نس کو گوارہ

چاہوں تجھ کو ایسے

دنیا رشک کرے جیسے

میری کتابوں میں

میرے انتخابوں میں

میرے حوصلوں میں

میرے جزبوں میں

میری ہر اک کل میں

میری ہر اک آج میں

میرے لفظوں میں

میری گردشوں میں

"وطن بس توں ہی توں"

"وطن بس توں ہی توں"

تیرا، میرا جو ساتھ ہے

یہی دشمنوں کی مات ہے

چاہا ہے تجھ کو ازل سے

چاہنا ہے تجھ کو ابد تک

میرے ہر قصے میں

اس کے ہر حصے میں

میرے ہر نام میں

اس کے ہر مقام میں

"وطن بس توں ہی توں"

"وطن بس توں ہی توں"

شاعرہ: آمنہ احد جٹ

نظم ﴿میرے وطن﴾

اس اندھیر نگری میں نہیں رہنا مجھ کو

اب اک روشن صبح چاہیے مجھ کو

بہت دیکھے ہیں دغا میں نے

اے خدا! اب مجھے وفا چاہیے

اب نہیں دیکھنے مجھے یہ ریگستان

اب مجھے دیکھنے ہیں گلستان سارے

میرے وطن کو رکھنا مالک صدا سلامت

اس کے لوگوں میں ہو ہر دم صداقت

نظر نہ لگے کبھی اس کی خوشیوں کو

رشک کرے دنیا اس کی خوبیوں پر

مجھے ہیں اس کی ساری صورتیں پیاری

اے خدا! کرے ہر کوئی ان کی آبیاری

تیری پاک مٹی کے جو قرض ہیں وطن

دل و جاں سے وہ مجھے ازبر ہیں وطن

کبھی گھبرا کے حالات کی ظلمت سے

قربت کم نہ ہوگی کبھی تیرے لئے وطن

تو پھر میں کیوں نہ چاہوں تجھے وطن

تیرے دم سے ہی تو سلسلے ہیں سارے

شاعرہ: آمنہ احد جٹ